جدید اضافہ شدہ ایڈیشن

شیخ حمداللہ جان ڈاگئی کی کتاب

البَصائر لمنکري التوسل بأهل المقابر کا

تحقیقی جائزہ

اور

مسئلہ سماع الموتیٰ، حیاۃ الانبیاء صلوات اللہ علیہم، مسئلہ توسل، حیلہ اسقاط

اور دیگر موضوعات پر سیر حاصل و مدلل بحث

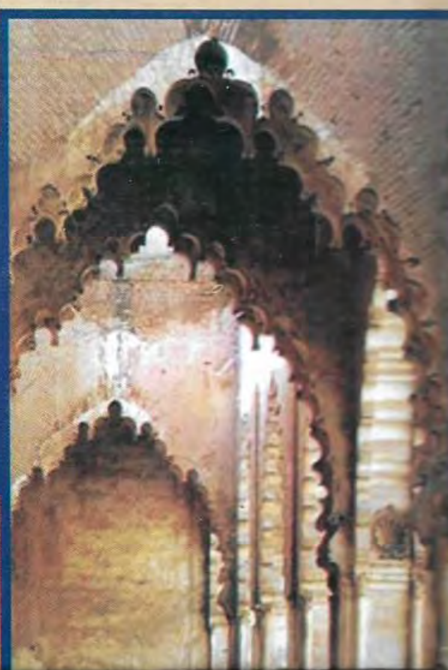

ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف

البصائر لمنکري التوسل بأهل المقابر کا
تحقیقی جائزہ
ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف

عظیم الشان خوشخبری

★ اب مکتبہ اشاعت آپ کے جیب میں ★

دنیا میں کسی بھی جگہ علماء جماعت اشاعت التوحید والسنۃ کے تمام تصانیف

Play Store اور Website سے بالکل فری انسٹال / ڈاوٗن لوڈ کریں۔

انسٹال / ڈاوٗن لوڈ کرنے کا طریقہ

Play Store سے " مکتبۃ الاشاعت " انسٹال کرنے کے بعد ایپ میں مطلوبہ کتاب ڈاون لوڈ کریں نیز اپنی کتاب کو Website / Play Store پر مفت شائع کرنے کے لیے بھی رابطہ کریں۔

Whataspp:03201914145

نوٹ

ویب سائٹ پر جماعت اشاعت التوحید والسنۃ کے تمام تصانیف مثلاً تفاسیر، فتاویٰ جات، شروح، سوانح حیات، نوٹس، درس نظامی کے کتب وغیرہ دستیاب ہیں آپ وقتاً بوقتاً Play Store اور website پر چیک کیا کریں مزید معلومات کے لیے دیے گئے واٹس ایپ نمبر پر رابطہ کریں۔ وہاں آپ کو آسانی کے لئے مطلوبہ کتاب کا link دیا جائے گا اور آپ کو بہترین رہنمائی دی جائے گی جس سے آپ کو مطلوبہ کتاب آسانی سے ملے گا۔ پلے سٹور پر ترجمہ و تفسیر یا سورتوں کے نوعیت والے تصانیف دستیاب ہوں ہیں کیونکہ ایک PDF میں اس کا مطالعہ مشکل ہوتا ہے تو ہم نے آسانی کے لیے ہر ایک پارے کے لیے الگ الگ بٹن بنایا ہے تاکہ قارئین کے لیے پڑھنے میں آسانی ہو باقی تمام نوعیت کے تصانیف مندرجہ ذیل ویب سائیٹ پر دستیاب ہوں گے۔ جو Goggle پر مزکورہ ویب سائیٹ میں سرچ کرنے سے یا ہمارے مندرجہ بالا app " مکتبۃ الاشاعت " کو پلے سٹور سے انسٹال کرنے کے بعد ایپ میں سرچ کرنے سے ملیں گے۔ آسانی کے لیے ویب سائیٹ پر links ملاحظہ کیجئے۔ جزاکم اللہ

اعلان بَرَاَت : ہماری ویب سائٹ سے شائع شدہ کسی بھی کی کتاب کی مضامین سے ہمارا متفق ہونا ضروری نہیں ہم اسی کتب کے مضامین کے ذمہ دار نہیں کیوں کہ کتاب کا مصنف / مؤلف اس کا جواب دہ ہوتا ہے ہم مکمل طور پر ان سے دست بردار ہیں۔ ہم نے پہلے سے اسکین شدہ کتب / مضامین کو صرف بطور معلومات شئیر کئے ہیں جو ان کے کتب یا انٹرنیٹ سے لیے گئے ہیں جن کے ضروری حوالے بھی دیے گئے ہیں ان کو صرف بطور معلومات ہی پڑھا جائے یا ڈاون لوڈ کیا جائے باقی اختلافات / تشریحات کے لیے آپ کتاب کے مصنف / مؤلف سے رابطہ کریں۔

ویب سائیٹ maktabatulishaat.com (مکتبۃ الاشاعت ڈاٹ کام)

روزانہ کی بنیاد پر ہم ویب سائیٹ اور پلے سٹور میں مزید تصانیف شامل کر رہے ہیں اور ان میں مزید بہتری لا رہے ہیں۔ نئے شامل شدہ تصانیف کے لئے آپ وقتاً فوقتاً ویب سائیٹ اور پلے سٹور کو چیک کیا کریں مزید بہتری کے لیے اپنے قیمتی تجاویز سے ہمیں ضرور آگاہ کریں۔

1

شیخ حمد اللہ جان ڈاگئی کی کتاب

البَصائر لمنكري التوسل بأهل المقابر کا

تحقیقی جائزہ

اور

مسئلہ سماع الموتی ، حیاۃ الانبیاء ، مسئلہ توسل ، حیلہ سقاط
اور دیگر موضوعات پر سیر حاصل ومدلل بحث

ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

جملہ حقوقِ اشاعت وترجمہ محفوظ ہیں۔

نام کتاب: البصائر لمنکری التوسل بأهل المقابر کا
تحقیقی جائزہ

مصنف: ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف

آنرز اِن عربیک، فاضل علوم اسلامیہ، پی ایچ ڈی [علوم اسلامیہ]

کمپوزنگ: انیس حنیف

اشاعت اول: جنوری ۲۰۰۹ء

اشاعت دوم: دسمبر ۲۰۱۰ء

اشاعت سوم: جنوری ۲۰۱۱ء

اشاعت چہارم: فروری ۲۰۱۳

دار القرآن والسنة

ہوتی ۔ شہباز گڑھی ۔ مردان

فہرس مضامین

– مقدمة [طبع سوم]	٩
– مقدمة	١٢
فصل اول: اَلْبَصَائِرُ کا مقدمہ	١٤
– اہل سنت وجماعت	١٤
– مولانا صاحب کے قطعی دلائل	٣٠
– امام غزالیؒ اور علم حدیث	٣٤
– کرامت بعد الموت	٣٨
– شرك في الإستعانة	٥١
فصل دوم: اِثباتِ سماعِ موتی	٥٩
– حدیث قلیب بدر	٥٩
– سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا سماعِ موتی سے انکار	٦٤
– سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا اپنے موقف سے رجوع	٦٨
– سماع یا اِسماع	٧٠
– حدیث خَفْقُ النِّعَالِ	٧٢
– سماعِ موتی کے لیے مولانا صاحب کے قطعی دلائل	٧٤
– ١: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ	٧٤
حیات کی قسمیں	٧٥
– ٢: قيل: إنّ أرواحهم تركع وتسجد	٧٨
– ٣: مُردوں کا سلام کا جواب دینا	٨٠
– ٤: رأسُ الحسين رضی اللہ عنہ کا سورۃ الکہف کا سننا	٨٣
– ٥: مُردے کا أَسْمَعُ كَلَامَكُمْ [میں تمہاری باتیں سنتا ہوں] کہنا	٨٥

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

۔۶:عمرو بن دینارؒ کے قول سے استدلال	۸۶
۔۷:مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ مِنْهَا	۸۷
۔۸:مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِيْ سَمِعْتُهُ	۸۸
۔۹:إنَّ الميتَ لايزال يسمع الأذان مالم يطين قبره	۹۶
فصل سوم: مسئلہ توسل	۹۷
۔وسیلہ کا لغوی معنی	۹۷
۔وسیلہ کا شرعی معنی	۹۸
۔وسیلہ کی قسمیں	۱۰۱
مشروع وسیلہ کی قسمیں	۱۰۱
[۱] اسماءِ حسنیٰ اور صفاتِ عالیہ کے وسیلہ سے دعاء	۱۰۱
[۲] اپنے اعمالِ صالحہ کے وسیلہ سے دعاء	۱۰۳
[۳] کسی زندہ مؤمن کی دعاء سے وسیلہ	۱۰۴
غیر مشروع وسیلہ کی قسمیں	۱۰۸
[۱] کسی شخص کی ذات کا وسیلہ	۱۰۸
[۲] کسی کی حرمت [رُتبہ ودرجہ] کا وسیلہ	۱۱۰
[۳] اللہ تعالیٰ پر صاحبِ وسیلہ کی قسم کھانا	۱۱۱
مسئلہ توسل اور البصائر لمنكري التوسل بأهل المقابر	۱۱۴
جواز التوسل بالأموات کے دلائل	۱۱۵
[۱] وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	۱۱۵
[۲] يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ	۱۱۷
[۳] أنظروا قبر النبي فاجعلوا فيه كُوىً إلى السماءِ	۱۱۸
[۴] انبیاء وصلحاء کے وسیلہ سے دعاء مانگنا آدابِ دعاء میں سے ہے۔	۱۲۳
[۵] نابینا والی روایت سے استدلال	۱۲۴

[۶]أللهم إني أسألك بحق السائلين عليك سے استدلال	۱۲۵
[۷]امام شافعیؒ کا امام ابوحنیفہؒ کے قبر کی برکت وتوسل سے دعاء کرنا	۱۲۷
[۸]معروف کرخیؒ کے قبر کے وسیلہ سے دعاء	۱۲۹
[۹]وَإنْ أرادَعوناً فليقل ياعبادالله أعينوني سے استدلال	۱۳۱
[۱۰]إذاخدرت رِجله فليذكرأحب الناس إليه سے استدلال	۱۳۳
کچھ مزید دلائل	۱۳۴
[۱]أللهم إني أسألك وأتوجه إليك بنبينامحمدﷺ	۱۳۴
[۲]إنماترزقون بضعفائكم	۱۳۶
[۳]أنهﷺ كان يستفتح بصعاليك المهاجرين	۱۳۸
[۴]جاء رجل إلى قبرالنبي فقال:يارسول الله!إستسق لأمتك	۱۳۹
تنبیہ	۱۴۱
[۵]امام مالک اور استشفاع عند القبر	۱۴۲
[۶]وَلَوْاَنَّهُمْ اِذْظَلَمُوْااَنْفُسَهُمْ جَاءُوْكَ	۱۴۵
[۷]سیدنا آدم علیہ السلام نے رسول اللہﷺ کے وسیلہ سے دعاء مانگی	۱۴۷
[۸]إذَا سَأَلْتُمُ اللّٰهَ فَاسْئَلُوْابِجَاهِي فَإنَّ جَاهِيْ عِنْدَاللّٰهِ عَظِيْمٌ	۱۵۰
فصل چہارم:حیات برزخی	۱۵۲
نعیم وعذابِ قبر	۱۵۲
-معتزلہ عذاب قبر کے منکر ہیں۔	۱۵۲
-مسئلہ حیاۃ الانبیاء علیہم السلام	۱۵۷
-بصائر اور حیاۃ الانبیاء علیہم السلام	۱۶۷
-علمائے دیوبندؒ کی رائے	۱۶۸
-قائلین حیاتِ دنیوی	۱۷۱
-کرامیہ اور معطلہ کا عقیدہ	۱۷۴

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

-ابن فورکؒ کی طرف منسوب عقیدہ	۱۷۶
- کافی کلینی کا عقیدہ	۱۸۳
-مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کا عقیدہ	۱۸۴
-حیاتِ انبیاء علیہم السلام سے متعلق ضعیف روایات	۱۸۷
-۱:الأنبياء أحياءٌ في قبورهم يصلون	۱۸۷
-۲:إنَّ الأنبياء لايُتركون في قبورهم بعد أربعين ليلة	۱۸۹
-۳:مامكث نبيٌّ في قبره أكثرمن أربعين ليلة حتى يرفع	۱۹۰
-۴:مامِن نبي يموت فيقيم في قبره إلّاأربعين صباحاًحتى ترد إليه	۱۹۰
-۵:لَمَّاأسريَ بهﷺ إلى المسجدالأقصَى بعث الله له آدم	۱۹۱
۞ قبرنبوی ﷺ سے اذان کی آواز و اِقامت سنائی دینا معجزہ تھا	۱۹۳
فصل پنجم: البصائر کا خاتمہ	۱۹۴
پہلی بحث: بدعت کی تعریف	۱۹۴
دوسری بحث: بعض اُمور قرونِ اُولیٰ میں بدعت تھے:	۱۹۸
[۱] پہلی مثال: تثویب	۱۹۸
[۲] دوسری مثال: تَلَفُّظ بِالنِيَّةِ	۲۰۵
[۳] تیسری مثال: ذکر کرتے وقت سر کو اوپر نیچے حرکت دینا	۲۰۶
تیسری بحث: مسئلہ دعاء	۲۰۸
-ہوئی کا مناظرہ	۲۰۸
-أللهم إني لك صمتُ......فاغفرلي سے استدلال	۲۱۲
-اس حدیث کے طرق	۲۱۳
[۱] طریق معاذ بن زہرہ	۲۱۳
[۲] طریق سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ	۲۱۴
[۳] طریق سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ	۲۱۴
[۴] طریق سیدنا علی رضی اللہ عنہ	۲۱۴

—رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام ؓ سے نمازِ فرض کے بعد دعاء کا حکم	۲۱۵
[۱] ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت	۲۱۵
[۲] سیدنا ابو امامہ باہلی ؓ کی روایت	۲۱۶
[۳] سیدنا مغیرہ بن شعبہ ؓ کی روایت	۲۱۶
[۴] سیدنا عبداللہ بن زبیر ؓ کی روایت	۲۱۷
[۵] سیدنا عبدالرحمٰن بن غنم ؓ کی روایت	۲۱۸
[۶] سیدنا مسلم بن الحارث ؓ کی روایت	۲۱۸
[۷] سیدنا ابو ہریرۃ ؓ کی روایت	۲۱۹
[۸] سیدنا ثوبان ؓ کی روایت	۲۱۹
[۹] سیدنا انس ؓ کی روایت	۲۱۹
[۱۰] سیدنا علی ؓ کی روایت	۲۲۰
— مولوی حمد اللہ صاحب کی رائے	۲۲۱
— فقہائے کرام کے اَقوال	۲۲۳
—اعتراضات اور اُن کے جوابات	۲۲۸
—اعتراض ۱: اللھم أنت السلام سے طویل دعاء پڑھنا مکروہ ہے۔	۲۲۸
—اعتراض ۲: دبر الصلوات کا مطلب فرض کے متصل پڑھنا نہیں۔	۲۳۱
—اعتراض ۳: سنتیں توابعات نماز اور مکملاتِ فرائض ہیں۔	۲۳۲
—اعتراض ۴: رسول اللہ ﷺ فرائض پڑھنے کے بعد فوراً اپنی جگہ سے اُٹھتے۔	۲۳۵
—فرائض کے بعد نبی اکرم ﷺ کیا کرتے؟	۲۳۵
[۱] سیدنا سمرۃ بن جندب ؓ کی روایت	۲۳۵
[۲] سیدہ ہند بنت حارث رضی اللہ عنہا کی روایت	۲۳۶
[۳] سیدنا عبداللہ بن مسعود ؓ کی روایت	۲۳۶
[۴] سیدنا انس ؓ کی روایت	۲۳۶

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

[۵] سیدنا غزوان بن جریر ﷺ کی روایت	۲۳۶
[۶] سیدنا علی ﷺ کی روایت	۲۳۶
-ہیئتِ اجتماعی کے ساتھ علی سبیل الالتزام دعاء بعد السنن	۲۳۸
-فقہ میں اس استدلال کے نظائر	۲۴۲
-دعاء بعد السنن مروجہ کے بارے میں علمائے دیوبند ؒ کی عبارات	۲۴۴
-مولوی حمد اللہ صاحب اور حافظ کفایت اللہ صاحب ڈاگئی کی رائے	۲۴۶
-مفتی محمد فرید صاحب کا اِنکشاف	۲۴۶
-تین بار دعاء کے لیے ہاتھ اُٹھانا	۲۴۷
-ایک اور اعتراض: نور الایضاح کی عبارت سے استدلال	۲۴۸
-ایک اور اعتراض: علامہ طحطاوی ؒ کی عبارت سے استدلال	۲۵۰
چوتھی بحث: حیلہ اسقاط	۲۵۰
فصل ششم: البصائر کی تذنیب	۲۵۴
[۱] حافظ ابن تیمیہ ؒ مجسمہ تھے؟	۲۵۴
[۲] شیخ محمد بن عبد الوہاب ؒ خارجی تھے؟	۲۵۵
[۳] یا رسول اللہ اور یا محمد کہنا جائز ہے۔	۲۵۷
-غائبانہ پکار عبادت ہے	۲۵۷
-غائبانہ طور پر کسے پکارا جائے؟	۲۵۸
-اور ہمیں معلوم ہے کہ............	۲۵۹
-مولانا صاحب سے ایک سوال	۲۶۱
[۴] میلاد النبی ﷺ، دیوبندیوں کے نزدیک مسلَّم قربت ہے۔	۲۶۲
عید میلاد النبی ﷺ	۲۶۲
-شبہات اور اُن کے جوابات	۲۷۰
۞ اللہ تعالیٰ کے احسانات کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔	۲۷۰
۞ فرح وسرور کے موقع پر خوشی کا اِظہار کرنا چاہیے۔	۲۷۲
[۵] محمد بن عبد الوہاب ؒ کی مذ..ت میں حدیث وارد ہے۔	۲۷۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمة طبع سوم

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِینُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِيَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ (۱).

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ. [سورۃ آل عمران ۳:۱۰۲]

یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَاءً وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَاءَلُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا.

[سورۃ النساء ۴:۱]

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ﴿۷۰﴾ یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا. [سورۃ الاحزاب ۳۳:۷۰-۷۱]

---

(۱) حافظ ابن القیم لکھتے ہیں: الأحاديث كلها متفقةٌ على أن نستعينه ونستغفره ونعوذ به بالنون، والشهادتين بالإفراد. قال شيخ الإسلام ابن تيمية: لما كان كلمة الشهادة لا يتحملها أحدٌ عن أحدٍ ولا تقبل النيابة بحال، أفرَدَ الشهادة بها، ولما كانت الإستعانة والإستعاذة والإستغفار يقبل ذلك، فيستغفر الرجل لغيره، ويستعين الله لغيره، ويستعيذ بالله له، أتى فيها بلفظ الجمع، ولهذا يقال: أللهم أَعِنَّا وأَعِذْنا واغفرلنا. [تہذیب السنن ۳:۵۴]

''اس حدیث کے تمام طُرُق میں نَسْتَعِینُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنَعُوْذُ بِہٖ نون [جمع متکلم] کے ساتھ آئے ہیں، جب کہ کلمہ شہادت میں اِفراد [واحد متکلم] کے صیغہ کے ساتھ آیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ کلمہ شہادت میں کوئی کسی کی نیابت نہیں کر سکتا، اسی وجہ سے اس کے لیے مفرد کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے جب کہ استعانت، استعاذہ اور استغفار میں لوگ ایک دوسرے کی نیابت کر سکتے ہیں، اس واسطے ان کے لیے جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا۔''

کچھ لوگوں نے اس مسنون خطبہ کا شکل ہی بگاڑ دیا ہے، اس میں اَشْھَدُ کے بجائے نَشْھَدُ پڑھتے ہیں اور نبی اکرم ﷺ کے بابرکت الفاظ کو ناکافی جان کر اس میں وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ کا اضافہ کر کے سنت میں تحریف کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

أَمَّا بَعْدُ: فَإِنَّ أَصْدَقَ الحَدِيثِ كِتَابُ اللّٰهِ، وَخَيرَ الهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ وَشَرَّ الأُمُورِ مُحْدَثَاتُها، وَكُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٍ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلالَةٌ.

[۱]

''البصائر لمنكري التوسل بأهل المقابر کا تحقیقی جائزہ'' کا تیسرا ایڈیشن حاضر خدمت ہے۔ اس کا مقصد محض جواب برائے جواب نہیں تھا بلکہ اِحقاقِ حق اور ابطالِ باطل تھا، اس لیے یہ مصمم ارادہ کرلیا کہ اس کا ایک نسخہ مولوی حمداللہ صاحب کے پاس پہنچایا جائے، تاکہ حجت قائم ہو۔ محترم مولانا عبدالفتاح صاحب مدرس مدرسہ بحرالعلوم ناصر باغ، پشاور نے اسے عملی جامہ پہنایا اور اُنہوں نے ہفتہ 16 اپریل 2011ء کو عصر کے وقت مولوی صاحب کے مدرسہ میں جاکر اُن کے درس صحیح بخاری سے فراغت کے بعد اس کا ایک نسخہ اُن کو دے دیا اور بتایا کہ یہ آپ کی کتاب کے رد میں لکھی گئی کتاب ہے، انہوں نے پوچھا: کس نے لکھا ہے؟ انہوں نے میرا نام بتادیا۔ میرا یہ بھی خیال تھا کہ کتاب کا ایک نسخہ مفتی محمد فرید صاحبؒ کے پاس بھی پہنچایا جائے، مگر میری یہ خواہش پوری نہ ہوسکی اور مفتی صاحبؒ ۸ شعبان ۱۴۳۲ھ = ۹ جولائی ۲۰۱۱ء کو وفات پاگئے۔ کتاب کا دوسرا ایڈیشن دو مہینے کے اندر اندر ختم ہوا اور اس کی مانگ بڑھ گئی۔ اس لیے اس پر کچھ مزید اضافے کرنے کا ارادہ ہوا۔ بعض ذیلی اور چھوٹے اعتراضات رہ گئے تھے جن کی طرف بعض احباب نے توجہ دلائی، اُن کے جوابات بھی اس ایڈیشن میں شامل کیے۔

[۲]

دوسری اشاعت کے بعد اَلْبَصَائِرُ لِمُنْكِرِي التَّوَسُّلِ بِأَهْلِ الْمَقَابِرِ کے تسہیل کا اردو ترجمہ بھی موصول ہوا۔ کتاب کے ٹائٹل سے تو کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا نام کیا ہے اور کس کتاب کا ترجمہ ہے اس لیے ٹائٹل پر اس طرح لکھا ہوا ہے:

اَلْبَصَائِرُ لِمُنْكِرِي التَّوَسُّلِ بِأَهْلِ الْمَقَابِرِ

اردو ترجمہ تسہیل البصائر

اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اصل کتاب کا نام تسہیل البصائر ہے، جس اردو ترجمہ البصائر ہے۔

حالانکہ بات ایسی نہیں۔ یہ کتاب اصل میں تسہیل البصائر پشتو کی طرح تسہیل البصائر اردو ہے۔
دونوں کے مابین فرق واضح کرنے کے لیے یوں لکھا چاہیے تھا: تسہیل البصائر [اردو]
اس کے مترجم فقیہ العصر ابو الصابر الحاج سید محمد منور شاہ صاحب سواتی سیفی نقش بندی ہیں، جو الجامعۃ العلیمیۃ الاسلامیۃ کراچی میں مفتی اور شیخ الحدیث کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔
یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اس کی اشاعت کب ہوئی، اس لیے کہ کتاب کے اندرونی ٹائٹل میں تاریخ طباعت درج نہیں۔

ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف
۲۷ رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ = ۲۷ اگست ۲۰۱۱ء

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمة [طبع اول و دوم]

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ. [سورة آل عمران ۳:۱۰۲]

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْراً وَّنِسَاءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَاءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْباً. [سورة النساء ۴:۱]

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلاً سَدِيْداً ﴿۷۰﴾ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزاً عَظِيْماً. [سورة الاحزاب ۳۳:۷۰-۷۱]

أمّا بعد: فَإنَّ أصْدَقَ الحَدِيثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ وَشَرَّ الأُمُورِ مُحْدَثَاتُها وَكُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٍ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلالَةٌ وَكُلَّ ضَلالَةٍ فِي النَّارِ.

شیخ القرآن مولانا محمد طاہر صاحب رحمة الله تعالىٰ عليه رحمةً واسعةً كاملةً شاملةً کی ڈائری کے مطابق اُن کی کتاب اَلْبَصَائِرُ لِلْمُتَوَسِّلِيْنَ بِأَهْلِ الْمَقَابِرِ جمادی الثانیۃ ۱۳۷۸ ہجری مطابق جنوری ۱۹۵۹ عیسوی کو طبع ہوئی، جس کا تعلق قبوری شرکیات و بدعات سے ہے۔

[بقیۃ الآثار من الحیٰوۃ المستعار، خود نوشت سوانح حیات، ص:۸۸]

میرے جیسے کئی لوگوں نے شاید اُن کی اِس کتاب کا یہ ایڈیشن نہیں دیکھا ہوگا۔ اُن کی اس کتاب کی تردید میں مولانا حمد اللہ صاحب نے اَلْبَصَائِرُ لِمُنْكِرِي التَّوَسُّلِ بِأَهْلِ الْمَقَابِرِ کے نام سے ۴۰۸ صفحوں پر مشتمل کتاب لکھی، جو مولوی محمد گل رحیم صاحب اُسماری کی کتابت سے مکتبہ رحیمیہ پشاور سے پہلی بار ۱۹۶۳ عیسوی میں طبع ہوئی اور اُس کے بعد کئی بار مَكْتَبَةُ اِيْشِيْق استنبول، ترکی سے شائع ہو کر مفت تقسیم ہوئی۔

یہ دونوں کتابیں عربی زبان میں تھیں، اس لیے مولانا خان بادشاہ صاحب نے البصائر لمُنکِرِي

التوسل بأهل المقابر کاإرشاد الناظر کے نام سے جواب لکھا جو قطر سے ۱۴۰۴ ہجری مطابق ۱۹۸۳عیسوی کو شائع ہوا' جو بڑے سائز کے ۴۸۹ صفحات پر مشتمل ہے۔

اَلْبَصَائِرُ لِلْمُتَوَسِّلِيْنَ بِأَهْلِ الْمَقَابِرِ کے جواب میں حافظ کفایت اللہ صاحب نے پشتو زبان میں الذخائر لأهل البصائر کے نام سے ۴۵ صفحات پر مشتمل ایک رسالہ لکھا اس کے ساتھ دُرَّةُ الْفَرِيْدِ فِيْ رَدِّ فَتْحِ الْمَجِيْدِ کے نام سے ایک رسالہ لکھا جس میں یہ عبارت لکھی:

بَنٰى دَارَ الضَّلَالِ' وَسَمَّاهَا دَارَ الْقُرْآنِ' وَهِيَ فِي الْحَقِيْقَةِ دَارُ تَغْيِيْرِ الْقُرْآنِ' وَيَتَرْجَمُ الطَّلَبَةَ الْقُرْآنَ فِيْ رَمَضَانَ مُخَالِفًا عَنْ تَرَاجِمِ السَّلَفِ وَالْمُجْتَهِدِيْنَ وَيُفَسِّرُ الْقُرْآنَ بِالرَّأْيِ.

[الذخائر لاہل البصائر:۴۸]

''انہوں نے [شیخ القرآن مولانا محمد طاہر صاحبؒ] نے گمراہی کا گھر بنا کر اُسے قرآن کے گھر کا نام دیا ہے جو دراصل تغییر [وتحریف] قرآن کا گھر ہے' جس میں رمضان میں طلباء کو اسلاف ومجتہدین کے تراجم کے خلاف ترجمہ قرآن سکھاتا ہے اور قرآن کریم کی تفسیر بالرائ کرتے ہیں۔''

حال ہی میں حافظ کفایت اللہ صاحب نے البصائر لمُنکِري التوسل بأهل المقابر کا تسهيل البصائر کے نام سے ۶۴۴ صفحات پر مشتمل پشتو ترجمہ کر کے مظہری کتب خانہ ڈاگئی سے شائع کیا ہے' اس لیے یہ ضروری ٹھہرا کہ ان کتابوں کا بھرپور جائزہ لیا جائے' جو ہمارا مقدس دینی فریضہ بھی ہے اور حق بھی۔

لَعَمْرِيْ لَقَدْ نَبَّهْتُ مَنْ كَانَ نَائِماً
وَ اَسْمَعْتُ مَنْ كَانَتْ لَهٗ اُذْنَان

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ سُوْءِ الْقَضَاءِ' وَدَرْكِ الشَّقَاءِ' وَشَمَاتَةِ الْاَعْدَاءِ.

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ. اَللّٰهُمَّ آمين.

وَاَنَا الْعَبْدُ الضَّعِيْفُ النَّحِيْفُ

ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف

۷ شعبان ۱۴۲۷ھ = ۳۱-اگست ۲۰۰۶ء

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

فصل اول

البصائر کا مقدمہ

تَسْهِيْلُ الْبَصَائِر [پشتو] کے مُصَحِّحْ [تصحیح کرنے والے] مولانا سید محمد منور شاہ صاحب سواتی نے ابتدا میں لکھا ہے کہ اس کتاب کے لکھنے والے کی ساری زندگی اہل سنت و جماعت کی پاسبانی کرنے میں وقف ہے۔[تسہیل البصائر، ص:۳]

حافظ کفایت اللہ صاحب ڈاگئی نے بھی لکھا ہے: ''محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ(۱) کا اتباع کرنے والا گروہ ایسے کئی مسائل کا منکر ہے جو اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے، جیسے: توسل، شفاعت، تبرک، زیارتِ قبور، دعاء بعد السنن، اسقاط، نذر اور سماع موتی۔'' [الذخائر لاہل البصائر، ص:۲]

اس لیے سب سے پہلے اہل سنت و جماعت کی توضیح و تشریح ہونی چاہئے۔

اَہل سنت وجَماعت

اہلِ سُنت و جماعت تین لفظوں سے مرکب ہے۔ اہل کے معنی: اَشخاص، اَتباع اور پیروکار کے ہیں۔ سنت عربی زبان میں راستہ کو کہتے ہیں اور مجازاً اُصولِ مقررہ، دستور، قانون، عادت، رَوِشِ زندگی اور طرزِ عمل کے معنوں میں بھی آتا ہے۔[صحاح ۵:۲۱۳۹]

ابن سیدہؒ(۲) لکھتے ہیں: وَالسُّنَّةُ: اَلسِّيْرَةُ، حَسَنَةً كَانَتْ أَوْ قَبِيْحَةً.[المحکم والمحیط الاعظم ۸:۴۱۷]

''یہ اصول و قوانین اچھے ہوں یا بُرے سنت ہی کہلائیں گے۔''

---

(۱) محمد بن عبدالوہاب بن سلیمان تمیمی نجدی، جزیرۃ العرب میں جدید دینی اصلاحی تحریک کے بانی، نجد کے عیینہ نامی گاؤں میں ۱۱۱۵ھ=۱۷۰۳ء کو پیدا ہوئے۔ دوبار حجاز مقدس کا سفر کیا۔ شام اور بصرہ کے سفر بھی کیے۔ سلف صالحین کے طریقہ پر تھے اور توحید خالص کے داعی۔ اوہام اور بدعات سے سخت عداوت تھی۔ ۱۱۵۷ھ کو درعیہ کے امیر محمد بن سعود نے اُن کی دعوت کو قبول کیا۔ ۱۲۰۶ھ=۱۷۹۲ء کو وفات پائی۔[الاعلام ۶:۲۵۷]

(۲) علی بن اسماعیل، ابوالحسن، لغت وادب کے امام تھے۔ مرسیہ [شرق اندلس] میں ۳۹۸ھ=۱۰۰۷ء میں پیدا ہوئے۔ دانیہ منتقل ہوئے اور وہاں ۴۵۸ھ=۱۰۶۶ء کو وفات پائی۔ آپ اور آپ کے والد دونوں آنکھوں کی بینائی سے محروم تھے۔[وفیات الاعیان ۳:۳۳۱، ترجمہ:۴۴۹، الاعلام ۴:۲۶۳]

پھر اس کا استعمال نبی اکرم ﷺ کی سنت کے لیے کثرت سے شروع ہوا اور بقول علامہ ازہری[(۱)]:

السُّنَّةُ: الطريقةُ المستقيمةُ المحمودةُ، ولذلك قيل: فلانٌ من أهل السنة .

[تہذیب اللغۃ ازہری ۱۲: ۲۱۰]

"سنت سے مراد وہی طریق اور دستور لیا گیا جو محمود اور مستقیم ہو اور اسی سے کسی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اہل سنت میں سے ہے۔"

امام زَبیدیؒ[(۲)] اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہماری اس بات کہ فلاں اہل سنت میں سے ہے، کا مطلب یہی ہے کہ: معناه: من أهل الطريقة المستقيمة المحمودة.

[تاج العروس ۹: ۲۴۴]

"اس کا طریقہ پسندیدہ اور بے راہ روی اور کج روی سے بالکل صاف اور ستھرا ہے۔"

امام ابن اثیر جَزریؒ[(۳)] لکھتے ہیں: وإذا أُطلقت في الشرع فإنما يُراد بها: ما أمر به النبي ﷺ ونهى عنه، ونَدَبَ إليه قولاً وفعلاً مما لم ينطق به الكتاب العزيز.

[النہایہ فی غریب الحدیث ۲: ۳۶۸]

---

(۱) محمد بن احمد بن ازہر الہروی، ابو منصور، لغت وادب کے ائمہ میں سے ہیں۔ ۲۸۲ھ = ۸۹۵ء کو "ہرات" میں پیدا ہوئے۔ ابتدا میں فقہ سے شغل رہا اور اس میں مہارت اور شہرت حاصل کی، پھر عربیت کی طرف متوجہ ہوئے جس میں اتنی مہارت حاصل کی کہ سند و حجت بن گئے۔ ۳۷۰ھ = ۹۸۱ء کو "ہرات" میں وفات پائی۔ اپنے دادا ازہر کی طرف منسوب ہونے سے ازہری کہلائے۔ [وفیات الاعیان ۴: ۳۳۴، ترجمہ: ۶۳۹، الاعلام ۵: ۳۱۱]

(۲) محمد بن محمد بن محمد بن عبدالرزاق حسینی زَبیدی ابو الفیض، مرتضیٰ۔ لغت، حدیث، رجال اور انساب کے ماہر عالم اور قابل مصنف تھے۔ اصلاً واسط [عراق] سے تعلق تھا۔ ۱۱۴۵ھ = ۱۷۳۲ء کو بلگرام [ہند] میں پیدا ہوئے۔ یمن کے زَبید شہر میں پلے بڑھے۔ حجاز مقدس کا سفر کیا۔ مصر میں اقامت پذیر رہے اور مصر ہی میں ۱۲۰۵ھ = ۱۷۹۰ء کو طاعون سے وفات پائی۔ نہایت ہر دل عزیز تھے۔ [فہرس الفہارس ۱: ۳۹۸، الاعلام ۷: ۷۰]

(۳) ابو السعادات مبارک بن ابی الکرم محمد بن محمد بن عبدالکریم بن عبدالواحد شیبانی، ۵۴۴ھ = ۱۱۵۰ء کو جزیرہ ابن عمر ﷺ میں پیدا ہوئے۔ محدث تھے۔ لغت اور اصول کے عالم تھے۔ موصل میں نقرس کے عارضہ میں مبتلا ہو گئے جس کے باعث ان کے ہاتھ پاؤں بے کار ہو گئے، مگر پھر بھی اپنی ساری کتابیں اسی مرض ہی کے زمانے میں املاء کروائیں۔ موصل ہی میں ۶۰۶ھ = ۱۲۱۰ء کو وفات پائی۔ [وفیات الاعیان ۴: ۱۴۱، الاعلام ۵: ۲۷۲]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

''شریعت میں سنت کا اِطلاق ہر اُس چیز پر کیا جاتا ہے، جس کا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہو یا کسی کام سے منع کیا ہو اور قولاً یا فعلاً کسی کام کی ترغیب دی ہو اِس اضافہ کے ساتھ کہ اُس کے بارے میں قرآن مجید میں کوئی صریح بیان موجود نہ ہو۔''

سنت میں ''خلفائے راشدین ﷡'' کی سنت بھی داخل ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

فإنه من يَعِشْ منكم فسَيرى اختلافاً كثيراً فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين، تمَسَّكوا بها، وعَضُّوا عليها بالنَّواجذِ، وإياكم ومُحدَثات الأمور، فإن كلَّ مُحدَثةٍ بدعةٌ، وكلُّ بدعةٍ ضلالةٌ.

[سنن ابی داوٗد، کتاب السنۃ[۳۴] باب فی لزوم السنۃ[۶] حدیث:۴۶۰۷]

''تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہا، وہ بہت ہی زیادہ اختلاف دیکھے گا، اس لیے تم پر لازم ہے کہ میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوط پکڑو اور اپنی ڈاڑھوں اور کچلیوں سے محکم طور پر اس کو قابو میں رکھو اور تم دین کے معاملہ میں نئی چیزوں سے بچتے رہو، کیونکہ ہر نئی چیز بدعت، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

حافظ ابن تیمیہ ؒ(۱) فرماتے ہیں: ومن أهل السُّنَّة والجماعة مذهبٌ قديمٌ معروفٌ قبلَ أن يخلق الله أباحنيفة ومالكاً و الشافعي وأحمد فإنه مذهب الصحابة الذى تلقوه عن نبيهم ﷺ. [منہاج السنۃ النبویۃ ۱:۲۵۶]

''اہل السنّت والجماعت کا مذہب قدیم و معروف ہے، جو امام ابوحنیفہ ؒ(۲)، امام مالک ؒ(۳)، امام

---

(۱) احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام بن عبداللہ بن ابی القاسم، حرانی، دمشقی، حنبلی، ابوالعباس، تقی الدین ابن تیمیہ، ۶۶۱ھ = ۱۲۶۳ء کو حران میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد ماجد کی معیت میں مصر منتقل ہو گئے۔ ۷۲۸ھ = ۱۳۲۸ء کو قلعہ دمشق میں حالتِ اسارت میں وفات پائی۔ بڑے فطین اور ذکی عالم دین تھے۔

[المعجم المختص بالمحدثین، ذہبی:۲۵، البدایۃ والنہایۃ ۱۴:۱۴۱، الاعلام ۱:۱۴۴]

(۲) نعمان بن ثابت، تیمی، کوفہ میں ۸۰ھ = ۶۹۹ء کو پیدا ہوئے۔ وہیں پرورش ہوئی۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں: صغار صحابہ کے زمانے میں پیدا ہوئے۔ سیدنا انس بن مالک ﷛ جب کوفہ تشریف لائے تو اُن کی ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ صحابہ کرام ﷡ میں کسی سے آپ کی روایت ثابت نہیں ہے۔ ۱۵۰ھ = ۷۶۷ء کو وفات پائی۔ =

شافعیؒ[۱] اور امام احمدؒ[۲] کی پیدائش سے بہت پہلے موجود تھا، یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مذہب و مسلک، جسے انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے حاصل کیا تھا۔"

حافظ ابن رجب عبدالرحمٰن حنبلی[۳] لکھتے ہیں: و السُّنَّة هي الطريقة المسلوكة، فيشمل ذلك التمسك بما كان عليه هو و خلفاؤه الراشدون مِنَ الإعتقادات و الأعمال و الأقوال، و هذه هي السنة الكاملة، و لهذا كان السلف قديماً لا يُطلقون إسم السنة إلّا على ما يشمل ذلك كله. [جَامِعُ الْعُلُوْمِ وَالْحِكَم: ۳۱۵، حدیث: ۲۸] 2

......[سیر اعلام النبلاء ۶: ۳۹۰، الاعلام ۸: ۳۶]

(۳) امام مالک بن انس بن مالک، اصبحی، حمیری ابوعبداللہ، امام دار الہجرۃ، ائمہ اربعہ میں سے ہیں۔ ۹۳ھ = ۷۱۲ء کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور وہیں ۱۷۹ھ = ۷۹۵ء کو وفات پائی۔ دینی امور میں متصلب اور امراء، وزراء اور سلاطین سے کوسوں دور رہتے تھے۔ [وفیات الاعیان ۴: ۱۳۵، الاعلام ۵: ۲۵۷]

حواشی صفحہ ہٰذا

(۱) محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع ہاشمی قرشی، ابوعبداللہ، ۱۵۰ھ = ۷۶۷ء کو غزہ [فلسطین] میں پیدا ہوئے۔ دو سال کی عمر میں مکہ معظمہ لائے گئے۔ دو دفعہ بغداد گئے۔ ۱۹۹ھ کو مصر تشریف لے گئے اور اپنی وفات ۲۰۴ھ = ۸۲۰ء تک وہیں رہے۔ آپ شعر، لغت، ایام عرب، فقہ اور حدیث کے بہت بڑے عالم تھے۔ نہایت ذکی، فطین، ذہین اور حاضر جواب تھے۔ پہلا فتویٰ بیس سال کے عمر میں دیا تھا۔ رمضان المبارک میں ساٹھ بار قرآن ختم کرنے کا معمول تھا۔ [تذکرۃ الحفاظ ۱: ۳۶۱، الاعلام ۶: ۲۶]

(۲) امام احمد بن محمد، ابوعبداللہ، شیبانی، ائمہ اربعہ میں سے ہیں۔ مرو سے تعلق تھا۔ ان کے والد سرخس کے گورنر تھے ۱۶۴ھ = ۷۸۰ء کو بغداد میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے حصولِ علم میں لگے رہے اور اس سلسلہ میں سفر کی صعوبتیں برداشت کیں، ان کے زمانے میں مامون الرشید نے خلق قرآن کا فتنہ اٹھایا۔ امام موصوف نے اس فتنہ کی خوب سرکوبی کی اور اس سلسلے میں انہیں نا قابل برداشت تکالیف کا سامنا کرنا پڑا مگر آپ صبر و استقامت کے پہاڑ ثابت ہوئے۔ ۲۸ مہینے جیل کی ہوا کھانی پڑی۔ ۲۴۱ھ = ۸۵۵ء کو وفات پائی۔

[تاریخ بغداد ۴: ۴۱۳-۴۲۳، الاعلام ۱: ۲۰۳]

(۳) عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب، سلامی، بغدادی، دمشقی، حنبلی، ابوالفرج، زین الدین، حافظ حدیث تھے۔ ۷۳۶ھ = ۱۳۳۵ء کو بغداد میں پیدا ہوئے۔ وہیں پلے بڑھے۔ ۷۹۵ھ = ۱۳۹۳ء کو دمشق میں وفات پائی۔

[شذرات الذہب ۶: ۳۳۹، الاعلام ۳: ۲۹۵]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

''سنت اُس راہ کا نام ہے جس پر چلا جائے اور اُس طریق کا تمسک ہے جس پر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم گامزن تھے قطع نظر اس کے کہ وہ اعتقادات ہوں یا اعمال و اقوال اور یہی سنتِ کاملہ ہے اور اسی وجہ سے اسلافِ کرام سنت کا اِطلاق اس چیز پر کر دیتے تھے جو اِن سب اعتقادات اور اعمال و اقوال پر مشتمل ہوتا۔''

جَماعت کے لُغوی معنی ''گروہ'' کے ہیں لیکن اصطلاح میں اس سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے صحیح آثار ہیں یا یوں کہئے کہ جنہوں نے اپنے عقائد اصولِ حیات عبادات اور اخلاق و معاملات میں اُس راہ کو پسند کیا جس پر رسول اکرم ﷺ چلتے رہے اور اُن کے بعد آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس پر چل کر منزلِ مقصود کو پہنچ گئے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی حنبلی (۱) فرماتے ہیں:

فَعَلَى الْمُؤْمِنِ اِتِّبَاعُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ فَالسُّنَّةُ مَاسَنَّهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَ الْجَمَاعَةُ ما اتَّفَقَ عَلَيْهِ الصَّحَابَةُ فِيْ خِلافَةِ الأَئمَّةِ الأَرْبَعَةِ. [الْغُنْيَةُ لِطَالِبِي طَرِيْقِ الْحَقِّ ۱:۸۰]

''مؤمن پر لازم ہے کہ سنت وجَماعت کی پیروی کرے سنت وہ چیز ہے جو رسول اللہ ﷺ نے [قولاً وفعلاً] مسنون قرار دی ہو اور جماعت وہ احکام ہیں جن پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کی خلافت میں اتفاق کیا ہو۔''

حافظ ابن کثیر (۲) فرماتے ہیں: وأمّا أهل السُّنَّةِ والجماعة فيقولون في كل فعلٍ وقولٍ لم يثبت عن الصحابة رضی اللہ عنہم: هو بدعةٌ لأنه لو كان خيراً لَسبقُونا اليه لأنهم لم يتركوا خصلةً من خِصال الخير إلّا وقد بادروا إليها. [تفسیر ابن کثیر ۴:۱۶۵ تفسیر سورۃ الاحقاف ۴۶:۱۱]

---

(۱) عبدالقادر بن موسیٰ بن عبداللہ بن جنگی دوست حسینی ابو محمد۔ گیلان [طبرستان سے آگے] میں ۴۷۱ھ = ۱۰۷۸ء کو پیدا ہوئے۔ عالم اور ولی اللہ تھے۔ ۴۸۸ھ کو بغداد منتقل ہوئے۔ ہیں ۵۶۱ھ = ۱۱۶۶ء کو وفات پائی۔ [طبقات کبریٰ شعرانی: ۱۸۱ الاعلام ۴:۴۷]

(۲) اسماعیل بن عمر بن کثیر قرشی دمشقی ابوالفداء عماد الدین حافظ مؤرخ اور فقیہ تھے۔ بُصریٰ کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں ۷۰۱ھ = ۱۳۰۲ء کو پیدا ہوئے۔ ۷۰۶ھ کو اپنے بھائی کے ہمراہ دمشق تشریف لے گئے۔ طلب علم میں لمبے لمبے سفر کیے۔ ۷۷۴ھ = ۱۳۷۳ء کو دمشق میں وفات پائی۔ [البدر الطالع ۱:۱۵۳ الاعلام ۱:۳۲۰]

"اہل سنت وجماعت کہتے ہیں کہ ہر قول وفعل جو صحابہ کرام ﷺ سے ثابت نہ ہو بدعت ہے' اس لیے کہ اگر وہ کوئی نیک کام ہوتا تو سب سے پہلے صحابہ کرام ﷺ اسے سرانجام دیتے اور اس پر عمل کرتے' اس لیے کہ انہوں نے نیکی کے کسی پہلو اور کسی نیک اور عمدہ خُو وخصلت کو تشنہء عمل نہیں چھوڑا' بلکہ وہ ہر نیک کام میں گوئے سبقت لے گئے۔"

یہ بھی ملحوظ رہے کہ جس طرح نبی ﷺ کا کسی کام کو کرنا سنت ہے اسی طرح ان کا کسی کام کو ترک کر دینا بھی سنت ہی ہے اس لیے آپ ﷺ کے تَرکِ فعل کا اِتباع بھی سنت اور اس کی مخالفت بدعت ہے' چنانچہ حافظ ابن قیمؒ (۱) لکھتے ہیں: وتَرکہ ﷺ سُنَّۃٌ کما أن فعله ﷺ سُنةٌ. [زادالمعاد ۱: ۵۲۰]

"جس طرح نبی ﷺ کا کسی کام کو کرنا سنت ہے اسی طرح ان کا کسی کام کو ترک کر دینا بھی سنت ہی ہے۔"

ملا علی قاریؒ (۲) لکھتے ہیں: والمُتابَعةُ کما تکونُ في الفعلِ تَکونُ في التَّرْکِ أیضاً' فمن واظَبَ علی فعلٍ لم یفعله الشارِعُ فھو مبتدعٌ. [مرقاۃ المفاتیح ۱: ۹۵' بذیل حدیث: ۱]

"متابعت جیسے فعل میں ہوتی ہے اسی طرح ترک کر دینے میں بھی ہوتی ہے' اس لیے جس نے کسی ایسے کام پر مُواظبت اختیار کی جو شارِع ﷺ نے نہیں کی تو وہ بدعتی ہے۔"

صحابہ کرام ﷺ کے استدلالات میں اس کے چند نظائر ملاحظہ ہوں:

[۱] سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (۳) فرماتے ہیں: فانظُرِ السَّجعَ من الدُّعاء' فاجتَنِبْهُ'

---

(۱) محمد بن ابی بکر بن ایوب بن سعد زُرَعی' دمشقی' ابوعبداللہ' شمس الدین' اکثر وبیشتر علوم اسلامیہ پر ان کو دسترس تھی' ۶۹۱ھ = ۱۲۹۲ء کو پیدا ہوئے۔ اپنے دور کے بہت بڑے محدّث' مفسر' فقیہ اور متکلم تھے۔ امام ابن تیمیہ سے خصوصی تعلق اور لگاؤ تھا اور ان کے علوم پر امام ابن تیمیہ ہی کا رنگ غالب رہا۔ ۷۵۱ھ = ۱۳۵۰ء کو وفات پائی۔ [البدایۃ والنہایۃ ۱۴: ۲۲۱' البدر الطالع ۲: ۱۴۳-۱۴۶' الاعلام ۶: ۵۶]

(۲) ملا علی قاری بن سلطان محمد' نور الدین' حنفی فقیہ تھے۔ ہرات میں پیدا ہوئے۔ مکہ معظمہ میں سکونت اختیار کی اور وہیں ۱۰۱۴ھ = ۱۶۰۶ء کو وفات پائی۔ سال میں ایک مصحف لکھ کر اسے فروخت کر کے اس پر گزر اوقات کیا کرتے تھے۔ [البدر الطالع ۱: ۴۴۵' الفوائد البہیۃ: ۸' من التعلیقات]

(۳) عبداللہ بن عباس ﷺ بن عبدالمطلب' قرشی' ہاشمی' ۳ قبل ہجری = ۶۱۹ء کو پیدا ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کے چچازاد......

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

فإني عَهِدتُ رسول الله ﷺ و أصحابه لا يفعلون إلّا ذلك، يعني : لا يفعلون إلّا ذلك الإجتناب. [صحیح بخاری، کتاب الدعوات [۸۰] باب ما یکرہ من السجع فی الدعاء [۲۰]، حدیث: ۶۳۳۷]

"دعاء میں سجع سے بچتے رہو، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کو دیکھا تھا وہ دعاء میں سجع نہیں کیا کرتے تھے بلکہ اس سے اجتناب کیا کرتے تھے۔"

[۲] سیدنا عُمارہ بن رُوَیبہ رضی اللہ عنہ (۱) نے بشر بن مروان (۲) کو منبر پر خطبہ کے دوران دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے ہوئے دیکھا تو درشت اور کرخت لہجہ میں اسے مخاطب ہو کر فرمایا:

قَبَّحَ اللّٰهُ هَاتَيْنِ الْيَدَيْنِ، لقد رَأيتُ رسولَ اللّٰه ﷺ مایزیدُ علی أن يقولَ بيده هكذا وأشار بِإصْبَعِهِ الْمُسَبِّحَةِ. [صحیح مسلم، کتاب الجمعۃ [۷] باب تخفیف الصلاۃ والخطبۃ [۱۳] حدیث: ۵۳ [۸۷۴]]

"اللہ تعالیٰ ان دونوں ہاتھوں کا ناس کر دے، میں نے تو رسول اللہ ﷺ کو اشارہ کی انگلی کے علاوہ کوئی اور شے خطبہ کے دوران اٹھاتے ہوئے نہیں دیکھا۔"

[۳] سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ (۳) فرماتے ہیں: إنّ رفعَكُم أيديكم بدعةٌ، ما زاد رسول الله ﷺ

...... بھائی، جلیل القدر صحابی ہیں۔ حِبرُ الأمّۃ [امت کے عالم] اور ترجمان القرآن کے القاب سے نوازے گئے۔ طائف میں سکونت پذیر تھے اور وہیں ۶۸ھ = ۶۸۷ء کو وفات پائی۔

[اسد الغابۃ ۳:۹۲، ترجمہ: ۳۰۳۸، الاعلام ۴:۹۵]

حواشی صفحہ ہٰذا

(۱) عمارہ بن رُوَیبہ ثقفی رضی اللہ عنہ، بنو جُشَم بن ثقیف سے تعلق تھا۔ کوفی ہیں۔ [اسد الغابۃ ۳:۴۲۹، ترجمہ: ۳۸۱۴] حافظ ذہبی نے اُن کا تذکرہ طبقۂ ہشتم وفیات ۸۰ھ میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ بشر بن مروان کے سامنے اُن کی یہ بات ۷۳ھ یا ۷۴ھ کو ہوئی تھی۔ [تاریخ الاسلام ۲:۵۶۶، ترجمہ: ۶۷۲]

(۲) بشر بن مروان بن الحکم بن ابی العاص، قرشی، اموی۔ ۷۴ھ کو اپنے بھائی عبد الملک کی طرف سے عراقین یعنی بصرہ اور کوفہ کے امیر مقرر ہوئے۔ سخی اور نیک کار تھے۔ ۷۵ھ = ۶۹۴ء کو بصرہ میں وفات پائی۔

[تہذیب تاریخ دمشق الکبیر ۳:۲۴۸، الاعلام ۲:۵۵]

(۳) عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بن خطاب، عدوی، قرشی، ابو عبد الرحمٰن، جلیل القدر صحابی ہیں۔ ۱۰-قبل ہجری = ۶۱۳ء کو مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ اسلام ہی میں ہوش سنبھالا۔ اپنے والد ماجد کی معیت میں ہجرت کی۔ بدر اور اُحد کے علاوہ سوا سارے غزوات میں شریک رہے، اُن کی مرویات ۲۶۳۰ ہیں۔ مکہ معظمہ میں ۷۳ھ = ۶۹۲ء کو وفات پائی۔ [سیر اعلام النبلاء ۳:۲۰۳، الاعلام ۴:۱۰۸]

علی ھذا، یعنی: إلی الصدر. [مسند احمد ۲: ۱۲]

''تمہارے [اس طرح عام دعاؤں میں باستثناء استسقاء کے] ہاتھ اٹھانے بدعت ہیں، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ [عام دعاؤں میں] سینہ سے اوپر ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔''

یہ بات ہر وقت پیش نظر رہے کہ عبادات کے اوقات اور کیفیات میں اپنی طرف سے کسی قسم کا رد و بدل اور تعین نہ ہونے پائے، ورنہ عبادت ''بدعت'' بن جائے گی، اس کے چند شواہد ملاحظہ ہوں:

[۱] رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: لا تَخْتَصُّوا لَیلَةَ الجُمُعَةِ بِقیامٍ من بینَ اللّیالي، ولا تختصوا یوم الجُمُعَةِ بصیام من بین الأیام، إلاّ أن یکون في صومٍ یَصُومُهُ أحدُکم.

[صحیح مسلم، کتاب الصیام [۱۳] باب کراہۃ صیام یوم الجمعۃ منفرداً [۲۴] حدیث: ۱۴۸-۱۴۸ [۱۱۴۴]]

''جمعہ کی رات کو دوسری راتوں سے نماز اور قیام کے لیے خاص نہ کرو، اور جمعہ کے دن کو دوسرے دنوں سے روزہ کے لیے خاص نہ کرو، مگر ہاں اگر کوئی شخص روزے رکھتا ہو اور جمعہ کا دن بھی اس کے بیچ میں آ جائے تو الگ بات ہے۔''

اس روایت سے معلوم ہوا کہ روزِ جمعہ کی فضیلت نمازِ جمعہ کی وجہ سے ہے، محض اس فضیلت کے سبب جمعہ کی رات کو نفل نماز کے لیے اور دن کو نفل روزہ رکھنے کے لیے خاص کرنا درست نہیں۔

[۲] سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (۱) کی ایک روایت کا خلاصہ ہے کہ اُن کا گزر مسجد میں ذاکرین کی ایک جماعت پر ہوا، اُن میں ایک شخص کہتا تھا: سو مرتبہ اللہ اکبر پڑھو، تو حلقہ نشین لوگ کنکریوں پر سو مرتبہ تکبیر کہتے، پھر وہ کہتا: سو بار لا الٰہ إلاّ اللہ پڑھو، تو وہ سو بار تہلیل پڑھتے، پھر وہ کہتا کہ: سو بار سبحان اللہ کہو، تو وہ سو دفعہ تسبیح پڑھتے۔ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اُن سے پوچھا: تم اِن سنگ

---

(۱) عبداللہ بن مسعود بن غافل بن حبیب ہذلی ابو عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ، اکابر صحابہ میں سے تھے۔ فاضل و عاقل تھے اور رسول اکرم ﷺ کو سب سے زیادہ قریب۔ سابقون اولون میں سے تھے۔ آپ ہی نے سب سے پہلے حرم مکہ میں جہر سے قرآن سنایا۔ رسول امین ﷺ کے خادمِ خاص تھے۔ نبی ﷺ کے وفات پا جانے کے بعد کوفہ تشریف لے گئے جہاں سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں واپس آ گئے۔ مدینہ منورہ میں ۳۲ھ = ۶۵۳ء کو تقریباً ۶۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔ [غایۃ النہایۃ ۱: ۴۵۸، الاعلام ۴: ۱۳۷]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

ریزوں پر کیا پڑھتے ہو؟ وہ کہنے لگے: ہم تکبیر، تہلیل اور تسبیح پڑھتے ہیں، اس پر اُنہوں نے فرمایا:
فعُدُّوا مِن سیآتکم، فأنا ضامنٌ أن لا یُضیع من حسناتکم شییٌ، ویُحَکم یاأمة محمد ﷺ ماأسرع هلکتکم، هؤلاء صحابة بینکم متوافرون وهذاثیابه ﷺ لم تبل، وآنیته ﷺ لم تکسراَوَ مُفتِحي باب ضللةٍ؟ [سنن دارمی ۱:۷۹، باب فی کراہیۃ اخذ الرای[۲۳] حدیث:۲۰۴، تفسیر القرطبی ۷:۱۲۶، بذیل تفسیر سورۃ الانعام ۶:۱۵۳]

"تم اِن کنکریوں پر اپنے گناہ شمار کرو۔ میں ضامن ہوں کہ تمھاری نیکیوں میں سے کچھ بھی ضائع نہ ہوگا۔ اے امتِ محمد ﷺ تم پر تعجب ہے۔ تم کتنی جلد ہلاکت میں پڑ گئے۔ ابھی صحابہ تم میں کثرت سے موجود ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کے کپڑے ابھی پُرانے نہیں ہوئے اور ابھی تک اُن کے برتن نہیں ٹوٹے اور اَندریں حالات تم بدعت اور گمراہی کا دروازہ کھولتے ہو[1]؟"

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کا مطلب صرف یہ تھا کہ اگر چہ تکبیر و تہلیل اور تسبیح و تحمید کی

---

(۱) سید آلوسی بغدادی لکھتے ہیں: و ما ذُکِرَ في الواقعات عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ من أنه رأی قوماً یهللون برفع الصوت في المسجد فقال: ما أراکم إلاّ مبتدعین حتی أخرجهم من المسجد لایصح عند الحفاظ من الأئمة المحدثین. [روح المعانی ۱۵-۱۶:۲۳۶، بذیل تفسیر سورۃ طٰہٰ ۲۰:۷]

"[کتاب] واقعات میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو یہ ذکر کیا گیا ہے کہ انہوں نے ایک قوم کو بلند آواز سے مسجد میں لَاالٰہَ اِلَّااللّٰہ پڑھتے دیکھا تو فرمایا کہ میں تمہیں بدعتی سمجھتا ہوں یہاں تک کہ انہوں نے ان کو مسجد سے نکال باہر کیا۔ یہ ائمہ محدثین کے حفاظ کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔"

مگر علامہ آلوسی نے نہ تو عدم صحت کی کوئی معقول اور صریح وجہ بتائی اور نہ کسی حافظ حدیث کا نام لیا جس نے اس کو موضوع اور غیر صحیح کہا ہو چنانچہ علامہ شامی لکھتے ہیں: صَحَّ عن ابن مسعود أنه أخرج جماعة من المسجد یهللون ویصلون علی النبي ﷺ جهراً وقال لهم: ما أراکم إلامبتدعین.

[ردالمحتار علی الدر المختار ۵:۲۸۱-۲۸۲]

"سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ اُنہوں نے جہر سے ذکر کرنے والوں اور درود پڑھنے والوں کو مسجد سے نکال باہر کیا تھا اور اُن سے فرمایا تھا: میں تمہیں بدعتی ہی کہتا ہوں۔"

یہ موقوف روایت صحیح ہے، جس کی تفصیل محدث اَلبانی کی سلسلة الأحادیث الصحیحة ۵:۱۱-۱۴ میں پڑھی جا سکتی ہے۔

بہت کچھ فضیلتیں وارِد ہیں اور یہ محبوب ترین اذکار ہیں' مگر ان کا یہ خاص طریقہ اور کیفیت رسول اکرم ﷺ اور ان کے صحابہ کرام کا بتایا ہوا نہیں ہے بلکہ یہ ان لوگوں کا خود ایجاد کردہ ہے' اس لیے یہ بدعتِ ضلالت' تاریک ترین بدعت اور گمراہی ہے۔

اس مخصوص کیفیت کو امام ابن دقیق العید (۱) کی تصریح کے مطابق سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فضیلتِ ذکر کی عام دلیلوں کے ذیل میں داخل نہیں فرمایا بلکہ اس کے بدعت ہونے کا فتویٰ دیا۔

[إحکام الاحکام ۱:۳:۱۷۳]

[۳] امام مجاہد (۲) فرماتے ہیں: میں اور عُروۃ بن زُبیر (۳) دونوں مسجد نبوی میں داخل ہوئے' تو دیکھا: فإذا عبد الله بن عمر رضي اللّٰه عنهما جالسٌ إلى حجرة عائشة' والناس يصلون الضحى في المسجد' فسألناه عن صلاتهم فقال: بدعة.

[صحیح بخاری' کتاب العمرۃ [۲۶] باب کم اعتمر النبی ﷺ [۳] حدیث: ۱۷۷۵' صحیح مسلم' کتاب الحج [۱۵] باب بیان عدد عمر النبی ﷺ وزمانہن [۳۵] حدیث: ۲۲۰-[۱۲۵۵]

''سیدنا ابن عمر رضي اللہ عنہما، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا (۴) کے کمرہ کے پاس بیٹھے ہیں اور کچھ لوگ

---

(۱) محمد بن علی بن وہب بن مطیع' ابوالفتح' تقی الدین' قشیری' منفلوطی الاصل ہیں۔ بحر احمر کے ساحل ینبع میں ۶۲۵ھ = ۱۲۲۸ء کو پیدا ہوئے۔ مجتہد اور اصول کے ماہر عالم تھے۔ دمشق میں تعلیم پائی۔ ۶۹۵ھ کو دیار مصریہ کے جج کے عہدے پر فائز ہوئے' قاہرہ میں ۷۰۲ھ = ۱۳۰۲ء کو وفات پائی۔ [الدرر الکامنۃ ۴:۹۱' الاعلام ۶:۲۸۳]

(۲) مجاہد بن جبر ابوالحجاج المکی' مولی بنی مخزوم۔ ۲۱ھ = ۶۴۲ء کو پیدا ہوئے۔ تابعی اور مفسر ہیں۔ شیخ القراء و المفسرین کے لقب سے نوازے گئے۔ اہل کتاب سے بعض مسائل میں رجوع کرتے تھے اس لیے سلف اُن کی تفسیر کی کتاب سے خود کو بچاتے تھے۔ ۱۰۴ھ = ۷۲۲ء کو وفات پائی۔

[سیر أعلام النبلاء ۴:۴۴۹' الاعلام ۵:۲۷۸]

(۳) عروۃ بن زبیر بن عوّام اسدی قرشی ابوعبداللہ۔ ۲۲ھ = ۶۴۳ء کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے' ان کا شمار امت کے فقہائے سبعہ میں ہوتا ہے۔ صالح اور کریم النفس تھے۔ فتن سے اپنے آپ کو بچائے رکھا' بصرہ منتقل ہوئے وہاں سے مصر آئے' جہاں شادی کی اور سات سال تک وہیں رہے' پھر مدینہ منورہ واپس آئے اور وہیں ۹۳ھ = ۷۱۲ء کو وفات پائی۔ [وفیات الاعیان ۳:۲۵۵' الاعلام ۴:۲۲۶]

(۴) عائشہ رضی اللہ عنہا بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ام المؤمنین' ۹ قبل ہجری = ۶۱۳ء کو مکہ معظمہ میں پیدا ہوئیں۔......

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

مسجد میں چاشت کی نماز پڑھ رہے ہیں،ہم نے ابن عمر رضي اللہ عنہما سے ان لوگوں کے اس عمل کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: یہ بدعت ہے۔"

چاشت کی نماز صحیح اسانید کے ساتھ متعدد صحابہ کرام ﷺ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے لیکن چونکہ آپ کے زمانہ میں اس کے لیے اجتماعی ہیئت سے خاص اہتمام نہیں ہوا کرتا تھا بلکہ جہاں جہاں بھی کوئی ہوتا تھا' وہاں وہ نماز چاشت پڑھ لیتا تھا' نیز یہ نفلی نماز ہے اور نفلی نماز کو بجائے مسجد کے گھر پر پڑھنے کی زیادہ فضیلت احادیث میں وارد ہوئی ہے مگر سیدنا ابن عمر ﷺ نے جب لوگوں کا اس نماز کے لیے مسجدوں میں اجتماع اور خاص اہتمام دیکھا تو ان کے اس فعل کو انہوں نے بدعت قرار دیا چنانچہ قاضی عیاض (۱) اور امام نووی (۲) اس روایت کی توضیح میں فرماتے ہیں:

مراده:أن إظهارهافي المسجد والإجتماع لهابدعة'لاأنّ أصل صلاة الضحى بدعة.

[اکمال المعلم' قاضی عیاض ۴:۳۳۲'شرح صحیح مسلم'نووی'۸:۲۳۷]

"ان کی مراد یہ ہے کہ چاشت کی نماز کو مسجد میں ظاہر کر کے پڑھنا اور اس کے لیے اجتماع و اہتمام کرنا بدعت ہے'ان کی مراد قطعاً یہ نہیں کہ اصل سے چاشت کی نماز ہی بدعت ہے۔"

سنت کا مقابل بدعت ہے'جس کے لغوی معنی نئی بات کے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں اس کے یہ

...... عالمہ اور فاضلہ تھیں۔ علم وادب اور علوم دینیہ میں اپنی مثال آپ تھیں۔ دو ہجری کو رسول اللہ ﷺ سے ان کی شادی ہوگئی۔ اکابر صحابہ آپ سے فرائض [میراث] کے مسائل پوچھا کرتے تھے۔ ۵۸ھ=۶۷۸ء کو مدینہ منورہ میں وفات پا گئیں۔ آپ سے ۲۲۱۰ احادیث کی روایت کی گئی ہیں۔

[تلقیح فهوم أهل الاثر:۳۶۳'منہاج السنۃ النبویۃ ۲:۱۸۲'۱۹۲-۱۹۸'الاعلام ۳:۲۴۰]

(۱) عیاض بن موسیٰ بن عیاض بن عمرو' یحصبی'سبتی'ابوالفضل'سبتہ [مغرب] میں ۴۷۶ھ=۱۰۸۳ء کو پیدا ہوئے۔ اپنے زمانے میں علمائے حدیث کے سرخیل تھے۔ سبتہ کے قاضی [judge] رہے ہیں۔ ۵۴۴ھ=۱۱۴۹ء کو مراکش میں زہر دے کر قتل کر دیے گئے۔ [وفیات الاعیان ۳:۴۸۳'الاعلام ۵:۹۹]

(۲) یحییٰ بن شَرَف بن مرّی بن حسن' نووی' شافعی' ابوزکریا' سوریا کے علاقے حوران کے گاؤں [نَوا] میں ۶۳۱ھ=۱۲۳۳ء کو پیدا ہوئے۔ حصول علم کے لیے دمشق گئے اور طویل مدت تک وہاں اقامت پذیر رہے۔ اپنے ہی گاؤں میں ۶۷۶ھ=۱۲۷۷ء کو وفات پائی۔ [تذکرۃ الحفاظ ۱:۴۱:۱۴۷۰'الاعلام ۸:۱۴۹]

معنی ہیں کہ دین کے عقائد یا اعمال میں کوئی ایسی بات داخل کی جائے' جس کی تلقین صاحبِ دین نے نہ فرمائی ہو اور نہ ان کے کسی حکم یا فعل سے اس کا منشا ظاہر ہوتا ہو' اور نہ اس کی نظیر اس میں ملتی ہو۔ خود رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام ؓ نے ان دو لفظوں کو انہی معنوں میں استعمال کیا ہے اور کبھی ''سنت'' کے بجائے هَدْیٌ اور بدعت کے بجائے مُحْدَثٌ فرمایا ہے۔

لغت میں بھی یہ الفاظ مترادف ہیں۔ ہدی طریقہ کو کہتے ہیں اور محدث کے معنی ہیں نیا۔

صحیح مسلم میں رسول اللہ ﷺ کا وہ خطبہ مذکور ہے' جس کو دیتے ہوئے آپ ﷺ کی آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں۔ آواز بلند ہو جاتی اور لہجہ غضب ناک ہو جاتا تھا۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

أما بعد فان خيرَالحديث كتابُ الله و خيرَالهدي هديُ محمد[ﷺ] و شرَّالأمور محدثاتها' و كلّ محدثة بدعةٌ' و كل بدعةٍ ضلالة.

[صحیح مسلم' کتاب الجمعۃ [۷] باب فی قولہ تعالیٰ: واذا راوتجارۃ [۱۱] حدیث: ۴۳-[۸۶۷]' سنن نسائی' کتاب صلاۃ العیدین [۱۹] باب کیف الخطبۃ [۲۲] حدیث: ۱۵۷۸]

''سب سے بہتر کلام اللہ تعالیٰ کا کلام اور سب سے بہتر طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے' بدترین امور نئی باتیں ہیں' اور ہر نئی بات گمراہی ہے۔''

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ''نئی بات'' کا لفظ استعمال کیا ہے' اس کی تفصیل دوسرے موقعوں پر آئی ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَاهٰذَا مَالَیْسَ مِنْهُ فَهُوَرَدٌّ.

[صحیح بخاری' کتاب الصلح [۵۳] باب اذا اصطلحوا علی صلح جور فالصلح مردود [۵] حدیث: ۲۶۹۷' صحیح مسلم' کتاب الاقضیۃ [۳۰] باب نقض الاحکام الباطلۃ [۸] حدیث: ۱۷-[۱۷۱۸]

''جس کسی نے ہمارے اس معاملہ میں کوئی نئی بات نکالی تو وہ مردود ہوگی۔''

یہ روایت ان الفاظ میں بھی مروی ہے: مَنْ عَمِلَ عملاً ليس عليه أمرنا فهو رَدٌّ.

[صحیح مسلم' کتاب الاقضیۃ [۳۰] باب نقض الاحکام الباطلۃ [۸] حدیث: ۱۷-[۱۷۱۸]

اور ان الفاظ میں بھی منقول ہے: من صنع أمراً على غير أمرنا فهو رَدٌّ.

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

[سنن ابی داؤد' کتاب السنۃ[۳۴] باب فی لزوم السنۃ[۶]' حدیث:۴۶۰۶' مسند احمد۶:۷۳]

ان احادیث سے یہ واضح ہوا کہ رسول اللہ ﷺ جو تعلیم دنیا میں لائے' جن عقائد کی تلقین آپ ﷺ نے امت کو فرمائی' اور دین کا جو طریقہ عمل آپ نے متعین فرمایا' اس میں باہر سے اضافہ کرنا بدعت ہے' اس سے بدعت کی حقیقت ظاہر ہوئی' اور وہ یہ کہ ''بدعت'' دین حق کے اندر کسی ایسی چیز کا باہر سے اضافہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے اور بتائے ہوئے دین میں نہیں۔ نہ اس کی اصل موجود ہے اور نہ اس کی نظیر موجود ہے اور نہ وہ قرآن وحدیث سے مستنبط ہے۔

نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم في أمرنا کی تشریح کر دیں تا کہ کسی کوتاہ فہم کو مغالطہ پیش نہ آئے۔ حافظ ابن رجب لکھتے ہیں:

كل عمل لايكون عليه أمر الله ورسوله فهو مردودٌ على عامله و كل من أحدث في الدين ما لم يأذن به الله ورسوله فليس من الدين في شيءٍ.

[جامع العلوم والحکم ۱:۱۷۶' حدیث:۵]

''جس نے دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کی' جس کا اِذن اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ نے نہیں دیا تو اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں اور وہی چیز مردود ہوگی۔''

امام موصوف یہ بات واضح کرنا چاہتے ہیں کہ ہر اِحداث مردود نہیں بلکہ جو اِحداث في الدين ہو وہ مردود ہے۔

نیز اس روایت کے ایک طریق کے الفاظ یوں منقول ہیں:

من أحدَث في ديننا ما ليس منه فهو رد. [شرح السنۃ ۱:۲۱۱' حدیث:۱۰۳]

''جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی چیز ایجاد کی تو وہ مردود ہوگی۔''

جب رسول اللہ ﷺ کی زبان سے اسی روایت کے الفاظ میں في أمرنا کی بجائے في ديننا کے الفاظ وارد ہوئے ہیں تو پھر اس سے بڑھ کر صحیح تفسیر اور کیا ہو سکتی ہے؟ علماء محققین في أمرنا هذا سے مراد دین کا امر لیتے ہیں: و المراد أمر الدين. [فتح الباری ۵:۳۰۳' عمدۃ القاری ۱۱:۱۹۳]

''جس نے دین کے اندر کوئی نئی چیز نکالی تو وہ مردود ہوگی۔''

علامہ مناوی (۱) اور علامہ عزیزی (۲) لکھتے ہیں:

مَن أحدث في أمرناهذاأي:في دين الإسلام.[فیض القدیر ۶:۳۶‘السراج المنیر ۴:۲۵۳]

’’اس سے مراد دین اسلام ہے۔‘‘

حافظ عینی (۳) مزید فرماتے ہیں:الإحداث في أمر النبي ﷺ هو:اختراع شيءٍ في دينه‘بما ليس فيه ممالايوجد في الكتاب والسنة.[عمدۃ القاری ۱۱:۳۹۱]

’’رسول اللہ ﷺ کے دین میں اِحداث کا مطلب یہ ہے کہ دین میں کسی ایسی چیز کا اختراع اور اضافہ کیا جائے جو قرآن وسنت میں موجود نہ ہو۔‘‘

ان اقتباسات سے یہ بات واضح تر ہوگئی کہ کسی امر کے بدعت قرار پانے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اضافہ امورِ دین میں ہو‘ اگر وہ امور دین میں سے نہیں ہے تو دینی حیثیت سے اس کو بدعت نہیں کہیں گے۔مثلاً کوئی کسی نئی طرز کی عمارت بنائے‘ یا کوئی نیا آلہ ایجاد کرے‘ یا سائنس کے کسی مسئلہ کی نئی تحقیق کرے اور کوئی نیا طریقہ علاج ایجاد کرے۔

فاضل سعد الدین تفتازانی (۴) لکھتے ہیں:إن البدعة المذمومة هو المُحدَثُ في الدِّين‘مِن

---

(۱) محمد عبدالرؤوف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین‘ حدادی‘ مناوی‘ قاہری‘ قاہرہ میں ۹۵۲ھ=۱۵۴۵ء کو پیدا ہوئے۔وہیں پلے‘ بڑھے۔علم وفن کے چوٹی کے علماء میں سے ہیں۔تحقیق وتصنیف کے لیے گوشہ نشینی اختیار کی۔بہت تھوڑا کھانا کھاتے تھے۔شب زندہ دار تھے‘ اس لیے بہت جلد نحیف اور کمزور ہو کر لکھنے سے معذور ہوگئے‘ اکثر کتابیں اپنے والد سے املاء کروا کر لکھوائیں۔۸۰ کتابیں یادگار چھوڑیں۔قاہرہ میں ۱۰۳۱ھ=۱۶۲۲ء کو وفات پائی۔[خلاصۃ الاثر ۲:۴۱۲‘ الاعلام ۶:۲۰۴]

(۲) علی بن احمد بن محمد عزیزی بولاقی شافعی‘ مصری۔فقہ اور حدیث کے عالم تھے۔شرق مصر میں واقع عزیزیہ میں پیدا ہوئے‘ جس کی طرف منسوب ہو کر مناوی کہلائے۔تاریخ ولادت معلوم نہ ہو سکی۔۱۰۷۰ھ=۱۶۶۰ء کو بولاق میں وفات ہوئے۔[خلاصۃ الاثر ۳:۲۰۱‘ الاعلام ۴:۲۵۸]

(۳) محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد ابو محمد بدرالدین عینی حنفی۔مؤرخ‘ علامہ اور بہت بڑے محدث تھے۔۷۶۲ھ=۱۳۶۱ء کو عین تاب میں پیدا ہوئے۔حلب‘ مصر اور دمشق میں رہائش پذیر رہے ہیں۔قاہرۃ میں ۸۵۵ھ=۱۴۵۱ء کو وفات ہوئے۔[الضوء اللامع ۱۰:۱۳۱-۱۳۵‘ الاعلام ۷:۱۶۳]

(۴) مسعود بن عمر بن عبداللہ تفتازانی‘ سعد الدین۔عربیت‘ بیان اور منطق کے ... م تھے۔خراسان کے ......

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

غیرِ أن یکون في عهد الصحابة ﷺ والتابعین، ولا دلّ علیه الدلیل الشرعيُّ.

[شرح القاصد ۳: ۴۶۵-۴۶۶، مقصد ۶: السمعیات، فصل ۳، مبحث ۸: حکم المؤمن والکافر والفاسق]

''مذموم بدعت وہ ہے جو دین کے اندر ایجاد کی جائے اور وہ صحابہ کرام ﷺ اور تابعین عظام رحمہم اللہ کے عہد میں نہ ہو اور نہ اس پر کوئی شرعی دلیل دلالت کرتی ہو۔''

بدعت کی پہچان یہ ہے کہ اس کا کرنے والا اپنے اس کام میں ثواب کا اعتقاد رکھتا ہے اور ظاہر ہے کہ کام میں ثواب یا عذاب کا ہونا عقل کے ذریعے دریافت نہیں ہو سکتا، اس کی دریافت کی راہ صرف ایک ہے اور وہ ہے ''وحی''۔

سوال

وہ بدعت گمراہی ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے ہاں ناپسند ہو یعنی گناہوں کے کام جیسا کہ حدیث میں ہے: ومَن ابتدَعَ بِدْعَةَ ضَلَالَةٍ لاتُرضِی اللّٰہَ ورسولَہ.

[سنن ترمذی، کتاب العلم [۴۲] باب ماجاء فی الاخذ بالسنۃ واجتناب البدعۃ [۱۶] حدیث: ۲۶۷۷، واللفظ لہٗ سنن ابن ماجہ المقدمۃ، باب من أحیا سنۃ قد امیتت [۱۵] حدیث: ۲۱۰، السنۃ، ابن ابی عاصم ۱: ۲۳، معجم کبیر، طبرانی ۱۷: ۱۶، ترغیب وترہیب، منذری ۱: ۸۷، ۹۱، مشکاۃ المصابیح، حدیث: ۱۶۸]

''جس نے گمراہی کی ایسی بدعت ایجاد کی جو اللہ اور اُس کے رسول کو ناپسند ہو۔''

جواب

یہ روایت شدید کمزور اور قابل استدلال نہیں کیونکہ اس کا مرکزی راوی کثیر بن عبداللہ جس کے متعلق امام شافعی اور امام ابوداود [1] فرماتے ہیں: جھوٹ کے ارا کین واساطین میں سے ہے۔

[میزان الاعتدال ۳: ۴۰۷]

..... تفتازان نامی گاؤں میں ۷۱۲ھ = ۱۳۱۲ء کو پیدا ہوئے۔ سرخس میں اقامت پذیر رہے۔ تیمور لنگ نے اُنہیں سمرقند جلاوطن کیا جہاں ۷۹۳ھ = ۱۳۹۰ء کو وفات پائی۔ سرخس میں دفن کیے گئے۔

[الدرر الکامنۃ ۴: ۳۵۰، الاعلام ۷: ۳۱۹]

(۱) سلیمان بن أشعث بن اسحاق بن بشیر، ابوداؤد، ازدی سجستانی، اپنے زمانے میں حدیث کے بہت بڑے عالم تھے، ان کی السنن اصول ستہ میں گنی جاتی ہے۔ ۲۰۲ھ = ۸۱۷ء کو ولادت ہوئی۔ حصول علم کے لیے.....

امام ابوزرعۃ [1] فرماتے ہیں: واہی ہے۔قوی نہیں۔[الجرح والتعدیل ۷:۱۵۴]
اس لیے قاضی عیاض لکھتے ہیں: یہ روایت منکر اور غیر صحیح ہے۔[اکمال المعلم ۱:۱۱۲]
امام ابن البیع حاکم نیشاپوری [2] اس روایت کو واہی [شدید کمزور] کہتے ہیں۔[اکمال المعلم ۱:۱۱۲]
محدث قرطبی [3] درجِ بالا قول کو نقل فرمانے کے بعد یہ اضافہ بھی کرتے ہیں کہ:

وقد اغتر بهذه الزيادة أناسٌ ممن يقصد الخير ولا يعرفه، فظن أن هذا الوعيد إنما يتناول مَن قصد الإضلال بالكذب على رسول الله ﷺ فأما مَن قَصَد الترغيب في الأعمال الصالحة، وتقوية مذاهب أهل السنة فلا يتناوله فوَضَعَ الأحاديث لذلك، وهذه جهالةٌ لأن هذه الزيادة تُروَى عن الأعمش و لا تصح عنه، و ليست معروفةٌ عند نَقَلَةِ ذلك الحديث مع شهرته.[المُفْهِمُ ۱:۱۱۴-۱۱۵]

''اس روایت میں اس اضافے کے سبب بہت سے ایسے لوگ غلطی کا شکار ہو گئے جو خیر و فلاح کے اعمال کرنا چاہتے ہیں لیکن اس کا علم نہیں رکھتے کہ کون سا کام نیکی کا ہے، ان کے خیال میں

...... لمبے سفر کیے۔۲۷۵ھ=۸۸۹ء کو بصرہ میں وفات پائی۔
[وفیات الاعیان ۲:۴۰۴، تاریخ بغداد ۹:۵۵، الاعلام ۳:۱۲۲]

(۱) عبدالرحمٰن بن عمرو بن عبداللہ بن صفوان بن عمرو النصری، ابوزرعۃ الدمشقی، الحافظ، اپنے وقت میں شام کے شیخ تھے۔دمشق سے تعلق تھا۔رجال و علل حدیث کے ماہر عالم تھے۔۲۸۰ھ=۸۹۳ء کو دمشق میں وفات پائی۔
[تہذیب الکمال ۱۷:۳۰۱، ترجمہ:۳۹۱۲، الاعلام ۳:۳۲۰]

(۲) محمد بن عبداللہ بن حمدویہ بن نعیم، ابوعبداللہ، حاکم نیشاپوری، نیشاپور میں ۳۲۱ھ=۹۳۳ء کو پیدا ہوئے۔حافظ حدیث تھے۔۳۴۱ھ کو عراق گئے اور اسی سال فریضہ حج ادا کیا۔۳۵۹ھ کو نیشاپور کے قاضی مقرر ہوئے اور اسی وجہ سے حاکم لقب پڑ گیا، ان کی اکثر تصانیف حدیث اور علومِ حدیث سے متعلق ہیں۔نیشاپور ہی میں ۴۰۵ھ=۱۰۱۴ء کو وفات پائی۔[تاریخ بغداد ۵:۴۷۳، الاعلام ۶:۲۲۷]

(۳) احمد بن عمر بن ابراہیم، ابوالعباس، انصاری، قرطبی، زین الدین، ۵۷۸ھ=۱۱۸۲ء کو قرطبہ میں پیدا ہوئے۔مالکی فقیہ اور محدث تھے۔اسکندریہ میں مدرس تھے اور وہیں ۶۵۶ھ=۱۲۵۸ء کو وفات پائی۔صحیح مسلم کی تلخیص اور پھر اس کی توضیح المُفہِم لِمَا اُشْکِلَ من تلخیصِ کتابِ مسلم کے نام سے لکھی۔
[شذرات الذہب ۷:۴۷۳، الاعلام ۱:۱۸۶]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

دوسروں کو گمراہ کرنے کے لیے جو روایت گھڑی جائے وہ تو گناہ اور جرم ہے لیکن اعمالِ صالحہ کی ترغیب اور اہل سنت کے مذہب کی تقویت میں گھڑی ہوئی حدیث ان کے ہاں کوئی جرم نہیں، لیکن یہ سراسر نادانی اور دین سے بے خبری ہے، اس لیے کہ یہ اضافہ صرف اعمش کی روایت میں منقول ہے اور اس سے بھی ثابت نہیں، جب کہ دوسرے ناقلینِ حدیث کے ہاں اس کا وجود تک نہیں۔"

اس تفصیل کی روشنی میں اہل سنت و جماعت کا اِدّعاء کرنے والے اپنے عقائد اور اعمال کا جائزہ لیں کہ کیا ان پر قرآن کریم کی کوئی آیت، رسول اکرم ﷺ کی کوئی صحیح حدیث، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کوئی صحیح اثر اور ائمہ مجتہدین کا کوئی باسند اور صحیح قول موجود ہے۔ اگر جواب اِثبات میں ہے، تو اُسے پیش کیا جائے۔ غیر معصوم لوگوں کے غیر مؤید بالوحی خواب، قصے، کہانیاں اور بے اصل و اساس اقوال سے نہ کوئی عقیدہ صحیح ثابت کیا جا سکتا ہے اور نہ کوئی شرعی عمل۔

مولانا صاحب کے قطعی دلائل

مولانا حمد اللہ صاحب لکھتے ہیں: فجمعتُ دلائلَ قاطعةً وحججاً واضحةً لمن يَدَّعِي التوسل إلى الله ببركة الأنبياء والأولياء المدفونين في المقابر، ويَدَّعِي سماع الأموات في البرزخِ. [البصائر: ۲، تسہیل البصائر: ۵]

"میں نے اُن لوگوں کے لیے قطعی دلائل اور واضح حجتیں جمع کی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سامنے انبیائے کرام اور قبروں میں دفن کیے گئے اولیاء کے توسل کے قائل اور برزخ میں مُردوں کے سننے کا دعویٰ کرتے ہیں۔"

اس عبارت کے پیش نظر البصائر کا قاری بجا طور پر مولانا صاحب سے یہ توقع رکھے گا کہ آپ اپنے موقف کی تائید میں قطعی دلائل اور اور واضح حجتیں پیش کریں گے۔ مولانا صاحب کسی قاری کی اس توقع پر کتنا پورا اترتے ہیں؟ اس کے بارے میں کچھ کہنا قبل از وقت ہے۔ فی الحال اُن کی کتاب کے مقدمہ کے "النكتة الأولى: في بيان حقيقة الموت" کے بارے میں کچھ عرض کرنے کی جسارت کرتا ہوں، تا کہ قاری کو معلوم ہو کہ مولانا صاحب نے کس حد تک اس موضوع سے متعلق دلیل قطعی یقینی پیش کی ہے۔

موت کی حقیقت کیا ہے؟ اِس کے لیے اُنہوں نے امام غزالی [۱] کی اِحیاءعلوم اِلدین ۴:۲۳۲ [۴:۴۹۳-۴۹۵ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت] حافظ سیوطی [۲] اور ملا علی قاری حنفی کی عبارات لکھی ہیں، انہوں نے معتزلہ اور دیگر باطل فرقوں کی تردید کے بعد واضح طور پر لکھا ہے کہ:

بل الذي تشهد له طرق الإعتبار وتنطق به الآيات والأخبار أن الموت معناه: تغيُّر حالٍ فقط، وأن الروح باقيةٌ بعد مفارقة الجسد إمّا معذبة وإمّا منعمة، ومعنى مفارقتها للجسد انقطاع تصرفها عن الجسد بخروج الجسد عن طاعتها.

[اِحیاءعلوم الدین ۴:۴۹۳-۴۹۴، البصائر:۳]

''آیات اور روایات حدیث میں اس کا واضح ثبوت ہے کہ موت کا مطلب فقط حالت کی تبدیلی ہے اور روح جب بدن سے جدا ہو جاتی ہے تو فنا نہیں ہو جاتی بلکہ باقی رہتی ہے۔ اُسے [روح] کو یا تو عذاب دیا جاتا ہے اور یا نعمتیں، اور روح کے بدن سے جدا ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ جسد اب اس کے تابع نہیں رہا۔''

ہمیں حافظ سیوطی کی یہ عبارت بھی معلوم ہے کہ: قال العلماء: الموت ليس بعدم محضٍ، ولا فناءٍ صرفٍ، و إنما هو انقطاع تعلق الروح بالبدن ومفارقة وحيلولة بينهما وتبدل حال وانتقال من دار إلى دارٍ. [شرح الصدور:۵]

---

(۱) محمد بن محمد، غزالی، طوسی، ابوحامد صوفی اور فلسفی تھے۔ تقریباً دوسو کتابیں تصنیف کیں۔ ۴۵۰ھ = ۱۰۵۸ء کو طابران میں پیدا ہوئے جو صوبہ خراسان کے طوس شہر کا مضافاتی گاؤں تھا اور اسی گاؤں میں ۵۰۵ھ = ۱۱۱۱ء کو وفات پائی۔ نیشاپور، بغداد، حجاز اور شام و مصر کے سفر کیے۔

[وفیات الاعیان ۴:۲۱۶، العبر فی خبر مَن غبر ۲:۳۸۷، الاعلام ۷:۲۲]

(۲) عبدالرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن سابق الدین خضیری، سیوطی، جلال الدین ۸۴۹ھ = ۱۴۴۵ء کو پیدا ہوئے پانچ سال کے تھے کہ والد کا سایہ عاطفت سر سے اٹھ گیا۔ قاہرہ میں پلے بڑھے۔ چالیس سال کی عمر میں دریائے نیل کے روضۃ المقیاس میں عزلت نشین ہوئے اور وہیں اپنی اکثر کتابیں لکھیں۔ امراء اور شرفاء ان سے ملنے وہاں آتے اور وظائف و تحائف پیش کرتے مگر آپ کسی سے ملتے اور نہ وظیفہ یا تحفہ قبول کرتے۔ ۹۱۱ھ = ۱۵۰۵ء کو وفات پائی۔ [شذرات الذہب ۸:۵۱، الاعلام ۳:۳۰۱]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

''علماء کا قول ہے کہ موت عدمِ محض اور فناءِ خالص کا نام نہیں، بلکہ روح کے بدن سے تعلق منقطع ہونے کا نام موت ہے یا یوں کہو کہ ایک حالت سے دوسری حالت اور ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہونے کا نام موت ہے۔''

اور امام راغب اصفہانی (۱) کے اس قول سے بھی واقف ہیں کہ: الموتُ عبارةٌ عن زوال القوة الحَيوانية وإبانة الروح عن الجسد. [المفردات فی غریب القرآن: ۴۷۷]

''قوتِ حیوانیہ کے زوال اور جسد سے روح کے جدا ہونے کو موت کہتے ہیں۔''

یہ تو علماء کی عبارتیں ہیں، اور ظاہر ہے کہ قطعی اور یقینی دلیل کوئی اور شے ہے۔ آیئے میں آپ کو قطعی اور یقینی دلیل سے موت کی حقیقت بتا دوں۔ قرآن کریم نے سیدنا سلیمان علیہ السلام کا تفصیلی واقعہ نقل کیا ہے، جس میں مذکور ہے کہ جنّات اُن کے تابع اور محکوم تھے اور اُن کے لیے بڑی بڑی عمارتیں، بڑی دیگیں اور عظیم الشان لگنیں تیار کرتے تھے اور:

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ. [سورۃ سبا ۳۴: ۱۴]

''پھر جب ہم نے اُن پر موت کا حکم جاری کر دیا تو کسی چیز نے اُن کی موت کا پتا نہ بتایا بجز ایک زمینی کیڑے کے جو اُن کے عصا کو کھا تا تھا، سو جب وہ گر پڑے تب جنّات پر حقیقت ظاہر ہوئی کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اِس ذلت کی مصیبت میں نہ رہتے''۔

واقعہ کی صورت یہ معلوم ہوتی ہے کہ سیدنا سلیمان علیہ السلام اپنے اہم کاموں کی نگرانی، خصوصاً جو جنّات کے ہاتھوں انجام پاتے، بنفسِ نفیس فرماتے، چنانچہ وہ اپنی عصا کی ٹیک لگائے ہوئے کسی تعمیری کام کی نگرانی کر رہے تھے کہ اسی اَثناء میں اُن کی موت کا وقت آ گیا اور ملک الموت نے اُن کی روح قبض کر لی، لیکن وہ جس طرح عصا کے سہارے کھڑے تھے اُسی طرح بدستور قائم رہے

---

(۱) حسین بن محمد بن مفضل ابوالقاسم اِصبہانی [اِصفہانی] ادیب، حکیم اور عالم تھے۔ اِصبہان سے تعلق تھا۔ تاریخ ولادت معلوم نہ ہوسکی۔ بغداد میں رہائش پذیر تھے۔ اپنے زمانے میں امام غزالی کے برابر سمجھے جاتے تھے۔ ۵۰۲ھ = ۱۱۰۸ء کو وفات پائی۔ [روضات الجنات: ۲۴۹، الاعلام ۲: ۲۵۵]

اورجنّات اس ڈر سے اپنے کام میں لگے رہے کہ سیدنا سلیمان علیہ السلام موجود ہیں۔ بالآخر اُن پر عرصہ گزر گیا اور اس اَثناء میں دیمک نے عصا کو نیچے سے کھالیا، جس کے بعد اُن کا جسدِ مبارک زمین پر گرا، تب جنّات کو یہ اِحساس ہوا کہ اگر اُن کو علم غیب حاصل ہوتا تو وہ اتنی دیر تک اس بیگار کی ذلت میں گرفتار نہ ہوتے۔

3 اس آیت کریمہ سے تین باتیں قطعی طور ثابت ہوئیں:

[۱] سیدنا سلیمان علیہ السلام کی لاٹھی کو تو دیمک چاٹ گئی لیکن اُن علیہ السلام کے پاؤں محفوظ رہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ کوئی زمینی شے انبیاء کے اَجساد مبارکہ کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

[۲] جب تک سیدنا سلیمان علیہ السلام کی لاٹھی صحیح اور سالم تھی، تب تک اُن کا بوجھ برداشت کیا لیکن جب کمزور پڑ گئی تو اُن کا بوجھ برداشت نہ کر سکی اور موت کی حالت میں سہارا نہ ہونے کی وجہ سے آپ علیہ السلام اپنی قدموں پر سیدھے کھڑے نہ ہو سکے، اس لیے گر پڑے۔

[۳] جنّات کو اپنے بارے میں علم غیب کی جو خوش فہمی تھی، اور لوگ اُن کے علمِ غیب کے بارے میں جو خیالات رکھتے تھے، وہ سب غلط اور بے بنیاد تھے۔

ایک اور دلیل قاطع بھی سُن لیجئے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اکرم ﷺ کے مرض الوفات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتی ہیں: بين يديه ركوةٌ أو عُلبَةٌ فيها ماءٌ فجعل يُدخِلُ يديه في الماء فيمسح بهما وجهه يقول: لا إله إلّا اللّٰه إن للموت سكراتٌ، ثم نصب يده فجعل يقول: في الرفيق الأعلى، حتى قُبِضَ، ومالت يده.

[صحیح بخاری، کتاب المغازی [۶۴] باب مرض النبی ﷺ ووفاتہ [۸۴] حدیث: ۴۴۴۹، کتاب الرقاق [۸۱] باب التواضع [۳۸] حدیث: ۶۵۱۰]

"آپ ﷺ کے پاس پانی کا ایک پیالہ رکھا ہوا تھا۔ [درد سے بے تاب ہو کر بار بار] ہاتھ اُس پیالے میں ڈالتے اور منہ پر پھیر لیتے اور یہ کہتے جاتے تھے: لا إلــه إلّا اللّٰه إن لـلـموت سكراتٌ، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ بے شک موت کی بڑی سختیاں ہیں۔ پھر ہاتھ اُٹھا کر یہ فرمانے لگے: في الرفيق الأعلى 'اے اللہ! میں رفیقِ اعلیٰ میں جانا چاہتا ہوں [یعنی حظیرۃ القدس جو انبیاءِ مرسلین اور

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

ملائکہ ومقربین کا مسکن ہے وہاں جانا چاہتا ہوں] اور آپ ﷺ کی رُوح مبارک پرواز کر گئی اور دست مبارک نیچے گر گیا۔"

کیا اِن دونوں روشن نصوص سے موت کی حقیقت معلوم نہیں ہوتی؟ اگر جواب اِثبات میں ہے تو موت کی حقیقت کے بارے میں اِن سے استدلال کیوں نہیں کیا جاتا؟

امام غزالی اور علم حدیث

مولانا حمداللہ صاحب نے اس بحث میں آیت کریمہ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتًا [سورۃ آل عمران ۳:۱۶۹] اور حدیث "قلیب بدر" والی روایت سے بھی استدلال کیا ہے جن کے بارے میں ایک الگ عنوان کے تحت کچھ لکھا جائے گا فی الحال اُن روایات کے بارے میں کچھ عرض کرنا ہے جنہیں مولانا صاحب نے امام غزالی کے حوالے سے لکھا ہے۔

امام غزالی کی سب سے بڑی اور مشہور واہم تصنیف اِحیاءُ علومِ الدِّین ہے جسے عرف عام میں احیاء العلوم کہا جاتا ہے جس کے متعلق امام ذہبی (۱) لکھتے ہیں:

أما الإحياء ففيه من الأحاديث الباطلة جملة، وفيه خيرٌ كثيرٌ لولا مافيه من آداب ورسوم وزهد من طرائق الحكماء ومُنحَرِفِي الصوفيةِ، نسأل الله علماً نافعاً......تدري ما العلم النافع؟ هو مانزل به القرآن وفسره الرسول ﷺ قولاً وفعلاً ولم يأت نهيٌ عنه، قال ﷺ: من رغب عن سنتي فليس مني فعليك يا أخي بتدبر كتاب الله و بإدّمان النظر في الصحيحين وسنن النسائي، ورياض النووي، وأذكاره، تفلح وتنجح، وإياك وآراء عُبّاد الفلاسفة، ووظائف أهل الرياضات، وجوع الرهبان، وخطابَ طَيشِ رؤوس أصحاب الخلوات، فكل الخير في متابعة الحنيفية السمحة، فواغوثاه بالله، اللهم اهدنا إلى صراطك المستقيم. [سیر اعلام النبلاء ۱۹:۳۳۹-۳۴۰]

---

(۱) محمد بن احمد بن عثمان بن قایماز، شمس الدین، ابوعبداللہ، حافظ، علامہ، محقق اور مؤرخ تھے۔ ترکمانی الاصل ہیں۔ ۶۷۳ھ = ۱۲۷۴ء کو دمشق میں پیدا ہوئے۔ حافظ مِزّی اور امام ابن تیمیہ کے فیض یافتہ کثیر التصانیف بزرگ ہیں۔ دمشق ہی میں ۷۴۸ھ = ۱۳۴۸ء کو وفات پائی۔ [الدرر الکامنہ ۳:۳۳۶، الاعلام ۵:۳۲۶]

''نہایت مفید کتاب ہے لیکن اس میں بے شمار موضوع احادیث موجود ہیں نیز اس میں ایسی صوفیانہ اور زاہدانہ عبادات ورسوم کا ذکر بھی ہے جن کی کوئی شرعی بنیاد نہیں' ہم اللہ تعالیٰ سے علم نافع طلب کرتے ہیں۔کیا آپ جانتے ہیں کہ علمِ نافع کیا ہے؟ علمِ نافع وہ ہے جو قرآنِ کریم میں موجود ہو' جس کی تفسیر رسول اللہ ﷺ نے قولاً وفعلاً کی ہو اور جس سے آپ ﷺ نے منع نہیں فرمایا ہو ارشاد نبوی ہے: جو میری سنت سے منہ موڑے وہ مجھ سے نہیں۔تو میرے بھائی! کتاب اللہ میں غور وفکر اور تدبر کرو۔ صحیحین' سنن نسائی اور امام نووی کی ریاض الصالحین اور الاذکار کا ہمیشہ مطالعہ کیا کرو' دنیا اور آخرت میں کامیاب ہو جاؤ گے' فلسفی عابدوں کے خیالات وآراء' چلہ کشوں کے وظائف واعمال اور راہبوں جیسی بھوک وپیاس سے ہمیشہ دور رہو' اس لیے کہ نجات اور کامیابی صرف اور صرف اتباع رسول ﷺ میں ہے اور بس!''

یادرہے کہ حافظ ابوالفضل عبدالرحیم عراقی (۱) نے اپنی کتاب الْمُغْنِي عَنْ حَمْلِ الْاَسْفَارِفِي تَخْرِيجِ مَافِي الْإِحْيَاءِ مِنَ الْاَخْبَارِ میں اُن کی روایات کی تخریج کی ہے اور اُن کی پیش کردہ روایات کا علمی درجہ بھی بتایا ہے' اس لیے کہ امام غزالی فلسفہ کے تو امام ہیں لیکن حدیث اُن کا فن نہیں اس لیے کوئی دانا بینا عالم اُن کی پیش کردہ روایات کو بلاتحقیق استدلال میں پیش نہیں کرتا۔

قاضی عبدالوہاب بن علی بن عبدالکافی بن علی بن تمام سبکی (۲) نے اِحیاء العلوم کی ۹۴۳ احادیث کے بارے میں لکھا ہے کہ مجھے ان کی کوئی سند معلوم نہیں۔[طبقات الشافعیۃ الکبری ۶:۲۸۷-۳۸۸]

---

(۱) عبدالرحیم بن حسین بن عبدالرحمٰن بن ابراہیم بن ابی بکر بن ابراہیم ابوالفضل زین الدین' حافظ عراقی' بحاثہ بہت بڑے حافظ حدیث تھے۔کرد سے بنیادی تعلق تھا۔علاقہ اِربل کے رازنان میں ۷۲۵ھ=۱۳۲۵ء کو پیدا ہوئے۔بچپن میں مصر منتقل ہوئے جہاں تعلیم حاصل کی اور شہرت پائی۔حجاز مقدس' شام اور فلسطین کے سفر کیے۔ ۸۰۶ھ=۱۴۰۴ء کو مصر میں وفات پائی۔ [الضوء اللامع ۴:۱۵۲' ترجمہ: ۳۹۳' الاعلام ۳:۳۴۴]

(۲) عبدالوہاب بن علی بن عبدالکافی السبکی' ابونصر' قاضی القضاۃ' مؤرخ اور باحث تھے۔۷۲۷ھ=۱۳۲۷ء کو قاہرہ میں پیدا ہوئے۔اپنے والد کی معیت میں دمشق آکر وہاں سکونت اختیار کی اور دمشق ہی میں ۷۷۱ھ= ۱۳۷۰ء کو وفات پائی۔سُبُک [مصر کے منوف علاقے] سے تعلق کی وجہ سے السبکی کہلائے۔

[الدرر الکامنۃ ۲:۴۲۵' الاعلام ۴:۱۸۴]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

مولانا صاحب نے موت کی حقیقت کے بارے میں درج ذیل احادیث پیش کی ہیں:

[۱] لاتفضحوا موتاكم بسيئات أعمالكم فإنها تعرض على أوليائكم من أهل القبور.

[إحیاء علوم الدین ۴: ۴۹۷، البصائر: ۴]

''تمہارے اعمال تمہارے فوت شدہ لوگوں پر قبور میں پیش کیے جاتے ہیں، اس لیے اپنے برے اعمال سے اپنے مرے ہوئے لوگوں کو رُسوا نہ کرو۔''

حافظ سخاوی (۱) اور علامہ محمد طاہر بن علی ہندی (۲) فرماتے ہیں: اس کی سند ضعیف ہے۔

[المقاصد الحسنة: ۴۷۱، حدیث: ۱۲۹۶، تذکرة الموضوعات: ۲۱۶]

حافظ عراقی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں اور فرماتے ہیں: اسے امام احمد نے [کتاب الزہد میں] کسی غیر معلوم الاسم شخص سے نقل کیا ہے۔ [المغنی عن حمل الاسفار ۴: ۴۹۷]

[۲] إن الميت يعرف مَن يغسله، ومَن يحمله، ومَن يُدليه في قبره.

[إحیاء علوم الدین ۴: ۴۹۷، البصائر: ۴]

''میت اُس شخص کو جانتی پہچانتی ہے، جو اُسے غسل دیتا ہے، جو اُسے کاندھوں پر اُٹھا کر لے جاتا ہے اور جو اُسے قبر میں اُتارتا ہے۔''

یہ روایت مسند احمد کی ہے اور اس کی سند اس طرح ہے: حدثني عبدالله، حدثني أبي ثنا [عبدالملك بن عمرو] أبو عامر [العقدي] ثنا عبدالملك [أبو مروان الأحول] بن حسن الحارثي

---

(۱) محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد، شمس الدین، مصر کے ایک گاؤں سخا سے تعلق رکھنے کے باعث سخاوی کہلائے، قاہرہ میں ۸۳۱ھ = ۱۴۲۷ء کو پیدا ہوئے۔ حصولِ علم کے لیے طویل سفر کیے۔ حدیث، تفسیر، تاریخ اور ادب کے بڑے عالم تھے۔ تقریباً دو سو کتابیں یادگار چھوڑیں۔ مدینہ منورہ میں ۹۰۲ھ = ۱۴۹۷ء کو وفات پائی۔

[شذرات الذہب ۸: ۱۵، الاعلام ۶: ۱۹۴]

(۲) جمال الدین محمد بن طاہر پٹنی ہندی، ۹۱۴ھ = ۱۵۰۸ء کو گجرات [ہند] کے شہر ''نہروالہ'' میں پیدا ہوئے۔ بڑے بڑے اَساتذہ سے کسبِ فیض کیا۔ ۹۴۴ھ میں حج کیا اور حجاز کے علماء سے بھرپور علمی فوائد حاصل کیے۔ بوہرہ قوم سے تھے جو مہدویہ اسماعیلیہ کی پیرو تھی۔ انہوں نے عہد کیا تھا کہ جب تک اپنی قوم سے بدعت وضلالت دور نہ کروں گا عمامہ سر پر نہ باندھوں گا۔ ۹۸۶ھ = ۱۵۷۸ء کو آپ نے شہادت پائی۔

[تذکرہ علمائے ہند: ۴۴۰، ترجمہ: ۵۱۱]

[الحاري المدني]ثناسعيدبن عمرو بن سليم[الزرقي الأنصاري]قال:سمعتُ رجلاً مِنَّا قال عبدالملك:نسيتُ إسمه ' ولكن اسمه معاوية أوابن معاوية ' يحدث عن أبي سعيد الخدري ﷺ أن النبي قال ﷺ:....... [مسند احمد ۳:۳' تاریخ بغداد ۱۲:۲۱۲]

''سعید بن عمرو بن سُلیم کہتے ہیں: میں نے اپنے ایک ساتھی سے یہ روایت سنی ہے۔ سعید بن عمرو ابن سلیم کے شاگرد عبدالملک کہتے ہیں: میں اُس کا نام بھول گیا ہوں۔ اُس کا نام معاویہ یا ابن معاویہ ہے۔''

مسند احمد کی ایک اور روایت میں اس راوی کا نام فلان بن معاویۃ یا معاویۃ بن فلان لیا گیا ہے۔ [مسند احمد ۳:۶۲' ۶۳]

جو حافظ ہیثمی (۱) کی تصریح کے مطابق ''مجہول'' ہے۔ [مجمع الزوائد ۳:۲۱]

اس قسم کی ایک روایت امام طبرانی (۲) کی معجم اوسط [۵:۳۱۰ حدیث: ۷۴۳۸] اور حافظ ابو نعیم (۳) کی اخبار اصبہان [۱:۲۰۸] میں بھی ہے' جس میں درج ذیل اِسنادی خامیاں ہیں:

- اس کا راوی اسماعیل بن عمرو بجلی ضعیف تھا۔ [الجرح والتعدیل ۲:۱۹۰]
- محدث ابو الشیخ (۴) فرماتے ہیں: اس کی روایت میں بکثرت عجائب وغرائب ہوتے ہیں۔ [طبقات المحدثین باصبہان ۲:۱۹۳]

---

(۱) علی بن ابی بکر بن سلیمان ہیثمی' ابو الحسن' نور الدین' مصری' قاہری' ۷۳۵ھ = ۱۳۳۵ء کو پیدا ہوئے۔ حافظ حدیث تھے۔ کئی کتابوں کے احادیث کی تخریج کی۔ ۸۰۷ھ = ۱۴۰۵ء کو وفات پائی۔ [الضوء اللامع ۵:۱۹۷' ترجمہ: ۶۱۵' الاعلام ۴:۲۶۶]

(۲) سلیمان بن احمد اللخمی الشامی' ابو القاسم' بہت بڑے محدث تھے۔ طبریہ [شام] سے تعلق کی وجہ سے طبری کہلائے۔ عکا میں پیدا ہوئے۔ حصول علم کے لیے حجاز مقدس' یمن' مصر' عراق' فارس اور جزیرہ کے سفر کیے۔ ۳۶۰ھ = ۹۷۱ء کو اصبہان میں وفات پائی۔ [تہذیب تاریخ دمشق الکبیر ۶:۲۴۰' الاعلام ۳:۱۲۱]

(۳) احمد بن عبداللہ بن احمد اصفہانی' ابو نعیم' حافظ حدیث اور مؤرخ تھے۔ اصفہان میں ۳۳۶ھ = ۹۴۸ء کو پیدا ہوئے۔ حفظ وروایتِ حدیث میں ثقہ مانے جاتے ہیں۔ اصفہان ہی میں ۴۳۰ھ = ۱۰۳۸ء کو وفات پائی۔ [وفیات الاعیان ۱:۹۲' تذکرۃ الحفاظ ۳:۱۰۹۲' الاعلام ۱:۱۵۷]

(۴) عبداللہ بن محمد بن حبان الاصبہانی ابو محمد/ ابو الشیخ۔ ۲۷۴ھ = ۸۸۷ء کو پیدا ہوئے۔ حافظ حدیث اور رجال ......

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

-اس سند میں فضیل بن مرزوق رقاشی کوفی بھی ہے، جو سچا ہونے کے باوصف وہم کا شکار رہوا کرتا تھا اور تشیع سے متہم تھا۔[تقریب التہذیب:۴۷۷، ترجمہ:۵۴۳۷]

-اس کا ایک راوی عطیہ عوفی [عطیہ بن سعد بن جنادہ] بھی ہے، جو سچا تو تھا لیکن کثرت سے غلطیاں کرتا تھا اور مدلس بھی تھا۔ [تقریب التہذیب:۴۲۴، ترجمہ:۴۶۱۷]

اور یہ روایت معنعن ہے۔ مصطلح الحدیث کا قاعدہ ہے کہ صحیحین سے باہر مدلس کی معنعن روایت مردود ہوتی ہے۔

یہ وہ قطعی اور واضح دلائل ہیں، جو مولانا صاحب نے ''موت کی حقیقت'' کے سلسلے میں نقل کیے ہیں۔اب یہ ناظرین پر ہے کہ وہ ان دلائل کو قطعی اور یقینی جانتے ہیں یا ''پادر ہوا''؟

کرامت بعد الموت

مولانا صاحب "النُّكتةُ السّابعةُ في الكرامة بعدالممات" کے تحت لکھتے ہیں:

ذكر المحقق البغدادي الآلوسي في تفسيره في الجزء الثلثين في تفصيل وَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا: وقيل: إقسامٌ بالنُّفوسِ الفاضلةِ حالة مفارَقة الأبدان بالموت فإنها تُنزَعُ من الأبدان غَرقاً أي:نزعاً شديداً إلى أن قال:فتصير بشرفها وقوتها من المدبرات،أي: ملحقة بالملئكةِ أو تصلحُ لأن تكون مدبرة......وقد نقل عن جالينوس أنه مرض مرضاً عجزعن علاجه الحكماء فوصف له في منامه علاجاً وفَعَله فأفاقَ،وقد ذكره الغزالي،ولذا قيل وليس بحديثٍ كماتُوُهِّمَ:إذا تَحَيَّرتُم فى الأمور فاستعينوامن أصحاب القبورِ،أي:أصحاب النُّفوسِ الفاضلةِ المتوفينَ،ولاشَكَّ أنّه يحصل لزائرهم مددٌ روحانيٌّ ببركتهم،وكثيراًماتنحل عقدالأموربأنامل التوسل إلى اللّٰه تعالى بحرمتهم،وتفسيرالنازعات بالنُّفوس الفاضلة مرويٌّ عن السُّدِّيِّ.

[البصائر:۱۲،تسہیل البصائر:۲۶-۲۷]

......حدیث کے بڑے عالم تھے۔اپنے دادا حبان کی نسبت سے حَبّانی کہلاتے ہیں۔حصول علم کے لیے موصل، حران، حجاز مقدس اور عراق کے سفر کیے۔۳۶۹ھ=۹۷۹ء کو وفات پائی۔[العبر ۲:۱۳۲،الاعلام ۴:۱۲۰]

"محقق بغدادی آلوسی اپنی تفسیر میں تیسویں پارہ میں وَالْمُدَبِّرَاتِ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: کہا گیا ہے کہ اِس میں نفوسِ فاضلہ کی قسم اُٹھائی گئی ہے، جب وہ موت کے بعد اپنے بدنوں سے الگ ہو جاتی ہیں، اس لیے کہ انہیں بڑی سختی کے ساتھ بدنوں سے نکالا جاتا ہے تو اپنے شرف اور قوت سے مدبرات میں سے ہو جاتے ہیں یعنی ملائکہ کے ساتھ اُنہیں ملحق کیا جاتا ہے، یا ان میں اتنی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ مدبر بن جائیں۔ اور جالینوس (۱) سے منقول ہے کہ اُسے ایک ایسی بیماری لگی تھی جس کے علاج سے طبیب عاجز آ گئے تھے، تو اُسے خواب میں علاج بتایا گیا، جس پر عمل کر کے وہ بالکل تندرست ہو گیا، اسے امام غزالی نے ذکر کیا ہے اور اس وجہ سے کہا گیا ہے، اور یہ حدیث نہیں ہے کہ جب تم اُمور و معاملات میں حیران اور ششدر ہو جاؤ تو قبر والوں سے اِستعانت کرو یعنی وفات شدہ فاضل نفوس سے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص اُن کی زیارت کے لیے جاتا ہے اُن کی برکت سے اُسے روحانی مدد حاصل ہو جاتی ہے اور اکثر مشکل اُمور کی پیچیدہ گرہیں اللہ تعالیٰ کی جناب میں اُن کی حُرمت کے وسیلہ سے کھل جایا کرتی ہیں۔ نازعات کی یہی تفسیر سُدّی سے منقول ہے۔"

مولانا صاحب کی اِس عبارت سے درجِ ذیل اُمور ثابت ہوئے:

[۱] سید آلوسی بغدادی نے وَالْمُدَبِّرَاتِ اَمْراً کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ اس سے مراد نفوسِ فاضلہ ہیں۔

[۲] یہ بات قِیْلَ [ضعف وتمریض کے صیغہ سے] کہہ کر نقل کی گئی ہے [یعنی اس کا قائل نامعلوم ہے]۔

[۳] جالینوس کو خواب میں درست علاج کی نشان دہی کی گئی۔

[۴] اِذا تَحَیَّرْتُمْ في الأمور فاستعینوا من أصحاب القبورِ حدیثِ نبوی نہیں ہے۔ البتہ اس سے مراد فوت شدہ نفوسِ فاضلہ ہیں اور یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ اُن کی برکت سے روحانی مدد حاصل ہو جاتی ہے اور اکثر مشکل اُمور کی پیچیدہ گرہیں اللہ تعالیٰ کی جناب میں اُن کی

---

(۱) جالینوس [Galien] ایک یونانی طبیب تھا جس کا زمانہ ۱۳۱-۲۰۱ ق م کا ہے۔ تشریحِ عضویات میں نئے نئے حقائق کا انکشاف کیا۔ عرب کے اطباء نے اُس کی پیروی کی ہے۔ [المنجد في الأعلام: ۲/ ۱۳]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

حُرمت کے وسیلہ سے کھل جایا کرتی ہیں۔
[۵] نازعات کی یہی تفسیر سُدّی (۱) سے منقول ہے۔
مولانا صاحب کو سید آلوسی کی پوری عبارت دیانت داری کے ساتھ نقل کرنا چاہیے تھا۔ سید آلوسی اس قول کو نقل کر کے اس پر اِن الفاظ میں تبصرہ کرتے ہیں:

و كذاحملهاعلى النُّفوسِ الفاضلةِ المفارقة اِيهامُ صحة مايزعمه كثيرمن سَخَفَةِ العقولِ مِن أنَّ الأولياءَ يَتصَرَّفونَ بعدوفاتهم بنحوِشفآءِ المريضِ واِنقاذِالغَريقِ والنَّصرِ علـى الأعـداءِ وغيرذلك ممايكون فى عالَمِ الكونِ والفسادِ،على معنى أنَّ اللّٰه تعالى فَـوَّضَ اِليهم ذلك،ومنهم مَن خَصَّ ذلك بخمسةٍ مِّنَ الأولياءِ، والكلُّ جهلٌ ، وإن كان الثاني أشدُّ جهلاً. [روح المعانی ۲۹-۳۰: ۳۱۵]

"مدبرات کی تفسیر نفوسِ فاضلہ سے کرنے میں یہ برائی ہے کہ اس سے اُن بہت سے بے وقوفوں اور کم عقلوں کی بات صحیح تصور کی جائے گی جن کا خیال ہے کہ اولیاءِ کرام اپنی وفات کے بعد تصرف کرتے ہیں مثلاً بیمار کو شفاء دینا، ڈوبتے کو بچانا، دشمنوں سے روکنا اور ان کے علاوہ ایسے دوسرے کام جو عالَم کون وفساد میں ہوتے ہیں وہ اولیاء کرتے ہیں بایں معنیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کام ان اولیاءِ کرام کے سپرد کر دیے ہیں، اِن میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو پانچ اولیاء کے ساتھ اِن چیزوں کو مخصوص سمجھتے ہیں اور یہ سب جہالت ہے، اگرچہ دوسرا قول بہت بڑی جہالت ہے۔"

غور کیجیے کہ سید آلوسی مرے ہوئے لوگوں کے تصرف کو جاہلوں، نادانوں اور کم عقلوں کا عقیدہ کہتے ہیں اور ایک دانا بینا مولوی صاحب بھی اُن کے رستے پر گامزن ہیں۔
مولانا صاحب لکھتے ہیں کہ: نازعات کی یہی تفسیر سُدّی سے منقول ہے۔
تو عرض ہے کہ سدی کبیر (۱) قریش کا مولیٰ اور تشیع سے متہم [بدنام] تھا، اس نے سیدنا انس (۲)،

---

(۱) اِسماعیل بن عبدالرحمٰن کوفی، سدی کبیر، تابعی، حجازی الاصل۔ کوفہ میں رہائش تھی۔ واقعات وتاریخ کے عالم تھے۔ ۱۲۸ھ = ۷۴۵ء کو وفات پائی۔ [النجوم الزاہرۃ ۱: ۳۹۰، الاعلام ۱: ۳۱۷]
(۲) انس بن مالک بن نضر بن ضمضم ﷺ، نجاری، خزرجی، انصاری، ابوثمامہ یا ابوحمزہ، بلند رُتبہ صحابی اور رسول......

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اور باذان سے رَوایت کی اور اس سے اسباط بن نصر' اسماعیل اور حسن بن صالح نے۔ عجلی [۱] اسے ثقہ اور عالم تفسیر لکھتے ہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ اُس کی حدیث حسن درجہ کی ہے لیکن تفسیر میں بیان کردہ روایات کی سند خود بنائی ہے۔ جوز جانی [۲] اسے کذاب اور بدگو کہتے ہیں۔ امام شعبی [۳] سے کسی نے کہا کہ سدی کو قرآن مجید کا علم حاصل تھا تو امام نے جواب میں کہا وہ عالم قرآن نہیں بلکہ جاہل بالقرآن تھا۔ سال وفات ۱۲۷ھ = ۷۴۵ء ہے۔

[تہذیب الکمال ۳:۱۳۲' سیر اعلام النبلاء ۵:۲۶۴]

پھر یہ بھی ہے کہ یہ تفسیر سید آلوسی بغدادی نے امام رازی کی تفسیر کبیر [۳۱:۱۱] سے نقل کی ہے' جس پر نہایت اچھا تبصرہ بحر العلوم علامہ سید امیر علی ملیح آبادی [۴] نے کیا ہے۔ آپ بھی پڑھیے:

......اکرم ﷺ کے خادم تھے۔ مرویات کی تعداد ۲۲۸۶ ہے۔ مدینہ منورہ میں ۱۰ ق ھ = ۶۱۲ء کو پیدا ہوئے۔ بچپن میں اسلام قبول کیا اور نبی اکرم ﷺ کی وفات تک ان کی خدمت کرتے رہے۔ دمشق اور بصرہ میں رہائش پذیر رہے۔ بصرہ میں ۹۳ھ = ۷۱۲ء کو وفات پائی۔ بصرہ میں وفات پانے والے آپ سب سے آخری صحابی ہ[illegible]

[تہذیب تاریخ دمشق [illegible] الاعلام [illegible]]

(۱) احمد بن عبداللہ بن صالح' ابو الحسن' حافظ اور ناقد حدیث تھے۔ کوفہ میں ۱۸۱ھ = ۷۹۷ء کو پیدا ہوئے۔ امام احمد بن محمد بن حنبل اور امام یحییٰ بن معین کے ہم پلہ مانے جاتے ہیں۔ طرابلس میں ۲۶۱ھ = ۸۷۵ء کو وفات پائی۔

[تاریخ بغداد ۴:۲۱۴' تذکرۃ الحفاظ ۲:۵۶۰' الاعلام ۱:۱۵۶]

(۲) ابراہیم بن یعقوب بن اسحاق السعدی الجوزجانی ابو اسحاق' محدث شام۔ حافظِ حدیث تھے۔ بلخ خراسان کے جوزجان کی طرف منسوب ہیں۔ جوزجان میں پیدا ہوئے۔ مکہ معظمہ' پھر بصرہ اور رملہ تشریف لے گئے وہاں کچھ مدت قیام کیا پھر دمشق میں رہائش اختیار کی اور وہاں ۲۵۹ھ = ۸۷۳ء کو فوت ہوئے۔

[تہذیب تاریخ دمشق ۲:۳۱' الاعلام ۱:۸۱]

(۳) عامر بن شراحیل بن عبد ذی کبار' شعبی' حمیری' ہمدان کے قبیلہ شعب سے نسبت سے شعبی کہلائے۔ کوفہ میں ۱۹ھ = ۶۴۰ء کو پیدا ہوئے۔ وہیں پرورش پائی اور وہیں ۱۰۳ھ = ۷۲۱ء کو وفات ہوئے۔ فقید المثال حافظہ کے مالک تھے۔ عبدالملک بن مروان کے مشیر و ندیم اور شاہ روم کے لیے اُن کے سفیر اور قاصد تھے' ثقہ رجال حدیث میں سے تھے۔ فقیہ اور شاعر تھے۔ [وفیات الاعیان ۳:۱۲' الاعلام ۳:۲۵۱]

(۴) سید امیر علی بن معظم علی حسینی ملیح آبادی' ۱۲۷۴ھ کو ملیح آباد' ہند میں پیدا ہوئے۔ علامہ فاروق چڑیا کوٹی اور مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلوی سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد لکھنو کے مطبع منشی نول کشور میں ملازم ......

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

''مترجم کہتا ہے کہ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ تفسیر نہیں بلکہ فلسفی تکلفات ہیں خصوصاً فَالمُدَ بِّرَاتِ اَمْراً'' ارواح کو مدبرات بنانے میں عجیب تکلف کیا ہے اور شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر کسی نفس کو کمال حاصل نہ ہوگا لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کے بعد تدبیرات میں آپ ﷺ سے معاونت نہیں لی ورنہ ضرور ہم ضعیفوں کے لیے یہ طریقہ متواتر منقول ہوتا حالانکہ جب ابتدائے خلافت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ [1] میں تمام عرب کے اکثر قبائل مرتد ہو گئے تھے تو نہایت سخت اِضطراب تھا حتیٰ کہ بعض صحابہ نے کہا ہے کہ اگر پہاڑ ہوتا تو بیٹھ جاتا لیکن سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ذرا مضطرب نہ ہوئے اور قطعاً اِس بات پر جم گئے کہ مرتدین سے جہاد کریں اور باقی صحابہ ہر چند اِس رائے سے پھیرنا چاہتے تھے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نہ مانا اور فرمایا: اگر تم نہیں جاؤ گے تو میں تنہا جاؤں گا۔ آخر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حکم کے تابع ہوئے اور چند ہی روز میں جب متواتر فتوحات سے پھر عرب تابع ہوئے تو سب کے سب صحابہ رضی اللہ عنہم سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نہایت شکر گزار ہوئے اور اُن کی خلافت کو اپنے اوپر اور دین اسلام پر اللہ تعالیٰ کی عظیم کرامت سمجھے لیکن ارواح سے تدبیرات پر کسی نے عمل نہیں کیا۔ رہا یہ کہ شاگرد نے یا بیٹے نے استاذ یا باپ کو خواب میں دیکھا یا جالینوس نے خواب دیکھا تو یہ خواب کی تعبیر کے اَحکام ہیں حتیٰ کہ یہ ضروری نہیں کہ حقیقت میں اُس کی روح سے باتیں ہوں۔ اگر رازی کو اس کی ضرورت تھی تو جالینوس کا

......ہو گئے۔ مدرسہ عالیہ کلکتہ کے صدر مدرس بھی رہے ہیں۔ ۱۳۳۷ھ کو وفات پائی۔
[تذکرۃ المفسرین:۳۱۵، ترجمہ:۲۳]

(۱) ابوبکر صدیق [عبداللہ] بن ابی قحافہ [عثمان] رضی اللہ عنہما بن عامر، تیمی، قرشی، بالغ مردوں میں سب سے اول اسلام قبول کرنے والے ہیں۔ پہلے خلیفہ راشد ہیں۔ آپ کے والد، والدہ، بیوی اور اولاد سب صحابہ ہیں، یہ فضیلت آپ کے علاوہ کسی اور صحابی کو حاصل نہیں ہے۔ ۵۱ قبل ہجری=۵۷۳ء کو پیدا ہوئے۔ زمانہ جاہلیت میں بھی نہ بت پرستی کی اور نہ شراب کو منہ لگایا۔ ۱۱ھ کو خلیفہ منتخب ہوئے۔ ۱۳ھ=۶۳۴ء کو مدینہ منورہ میں وفات پا گئے، ان کی مدت خلافت ۲ سال ۳ ماہ اور ۱۵ دن ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی مرویات ۱۴۲ ہیں۔
[صفۃ الصفوۃ ۱-۲:۳:۱۰۳، ترجمہ:۲، منہاج السنۃ النبویۃ ۳:۱۱۸، الاعلام ۴:۱۰۲]

ذِکرِ لغو چھوڑ کر سیدنا ثابت بن قیس بن شماس ﷛ (۱) کا حال لکھا ہوتا (۲)۔'' [مواہب الرحمٰن ۱۰: ۲۴]

مولانا صاحب سے یہ بھی پوچھنا ہے کہ کیا جالینوس کا قول عقیدہ کے باب میں معتبر اور معتمد ہے؟

ہمارے نزدیک اُس کی بات طب کے باب میں تو سنی جا سکتی ہے، لیکن دینی امور اور بالخصوص عقیدہ کے بارے میں اُس کی بات کی کوئی بھی حیثیت نہیں ہے۔

مولانا صاحب آگے لکھتے ہیں: فقد ظهر من هذه العبارات أنَّ للأولياء بعد الوفاتِ مددٌ روحانيٌّ، وهذا ليس إلَّا الكرامة بعد الموت، والمفسر البغدادي معتمدهم أيضاً، ولعلهم ما اطَّلَعُوا على هذا الموضع وإلَّا لما أظهروا العقيدة عليه كما هو دِيدَنُهُم فإنهم لا يتركُونَ مِن إساءَةِ الأدب لا عالِماً ولا شيخاً ولا مُرشِداً ولا مُفَسِّراً إذا خالفوا العقيدتهم، أللهم إنا نعوذُ بِكَ مِن إساءَةِ الأدبِ فإن سَيِّئَ الأدبِ محرومٌ مِن فيضانِ الرَّبِّ.

[البصائر لمنکری التوسل باہل المقابر: ۱۲]

''اِن عبارات سے معلوم ہوا کہ موت کے بعد اولیائے کرام کو ایک قسم کی روحانی مدد حاصل ہو جاتی ہے، جسے کرامت بعد الموت کہا جاتا ہے۔ مفسر بغدادی اُن کے ہاں بھی معتمد ہیں، لیکن شاید انہوں

---

(۱) ثابت بن قیس بن شماس خزرجی انصاری ﷛، خطیب النبی ﷺ، اُحد اور بعد کے غزوات میں شریک رہے ہیں ۱۲ھ = ۶۳۳ھ کو سیدنا ابو بکر صدیق ﷛ کے دورِ خلافت میں لڑی گئی جنگ یمامہ میں شہادت پائی۔

[اسد الغابۃ ۱: ۲۹۷، ترجمہ: ۵۶۹، الاعلام ۲: ۹۸]

(۲) ان کا اشارہ اس واقعہ کی طرف ہے: سیدنا شماس بن قیس غزوۂ یمامہ میں ثابت قدم رہ کر شہید ہوئے۔ اُن کے جسم پر ایک عمدہ زِرہ تھی جسے اُن کی شہادت کے بعد کسی نے اُٹھایا۔ سیدنا ثابت ﷛ رات کو ایک مسلمان کو خواب میں دکھائی گئے کہ اُنہیں کہہ رہے ہیں کہ تم سیدنا خالد بن ولید ﷛ کے پاس جا کر اُنہیں کہہ دو کہ فلاں نے میری شہادت کے بعد میری زِرہ چرائی ہے اُسے اُس سے واپس لینا اور سیدنا ابو بکر صدیق ﷛ کے پاس جا کر اُنہیں بتا دینا کہ میرے ذِمہ فلاں اور فلاں کی اتنی قرض ہے اُسے ادا کریں اور میرے فلاں غلام کو آزاد کریں تم اسے خواب سمجھ کر بھول مت جانا۔ وہ شخص بیدار ہو کر سیدنا خالد بن ولید کے پاس آئے اور اُنہیں زِرہ کے بارے میں بات بتا دی جسے اُنہوں نے جا کر اُس شخص سے واپس لے لیا اور سیدنا ابو بکر ﷛ کے پاس جا کر اُن کی وصیت سنائی جسے آپ نے نافذ کیا۔ سیدنا ثابت بن قیس ﷛ ایسے واحد فرد ہیں جن کی وصیت بعد از وفات نافذ کی گئی۔

[اسد الغابۃ ۱: ۲۹۷-۲۹۸، ترجمہ: ۵۶۹]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

نے اس جگہ اُن کی کتاب کا مطالعہ نہیں کیا ہے، ورنہ یہ لوگ اُن سے عقیدت کا اظہار نہ کرتے، ویسے یہ لوگ عادتاً ہر اُس عالم، شیخ، مرشد اور مفسر کی گستاخی اور بے ادبی کرتے ہیں جو اُن کے عقیدہ کے خلاف عقیدہ رکھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں کسی کی بے ادبی کرنے سے اپنے حفظ و امان میں رکھے اس لیے کہ: بے ادب محروم گشت از فضلِ رب۔"

مولانا صاحب کی خدمت میں مؤدبانہ عرض ہے کہ یہ بے ادبی کرنا نہیں کہ کسی بڑے شخص سے کسی عقیدہ یا عمل کی دلیل کا مطالبہ کیا جائے اور اگر یہ بے ادبی ہے تو سارے علماء، محدثین اور فقہاء کو بے ادب کہنا پڑے گا جو دینی اور شرعی سارے مسائل میں دلیل اور حجت تلاش کرتے ہیں۔

مولانا صاحب! اللہ تعالیٰ ہمیں بے ادبی اور گستاخی کرنے سے بچائے۔ ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ جب آپ نے غیر اللہ سے مافوق الاسباب استعانت کو جائز رکھا تو کیا آپ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی بے ادبی کے مرتکب نہیں ہوئے؟

قرآن کریم میں تو صاف اعلان ہوتا ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ. [سورۃ الحجرات ۴۹:۱]

"اے ایمان والو! اللہ اور اُس کے رسول سے آگے مت بڑھو۔"

مولانا صاحب! آپ جس چیز کو ثابت کرنے کے درپے ہیں، وہ کرامت بعد الموت نہیں، بلکہ تصرف بعد الموت ہے، جس کو کوئی بھی دانا بینا مسلمان جائز نہیں کہہ سکتا اس لیے کہ کائنات کے اندر مافوق الاسباب تصرف اور تدبیر کرنے والا صرف اکیلا اللہ تعالیٰ ہے، نہ تو اس میں اُس کا کوئی شریک و سہیم ہے اور نہ مشیر اور وزیر ہے، وہ ہر لحاظ سے اس میں متفرد ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ: قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ. [سورۃ یونس ۱۰:۳۱]

"ان سے پوچھو کہ کون تم کو آسمان اور زمین سے روزی دیتا ہے؟ یا کون ہے جو سمع و بصر پر اختیار رکھتا ہے اور کون ہے جو زندہ کو مُردہ سے اور مُردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور کون ہے جو [ساری کائنات

کا] اِنتظام چلاتا ہے؟ تو جواب دیں گے کہ اللہ تو ان سے کہو کہ کیا تم [اس اللہ سے] ڈرتے نہیں؟''

یہ قطعی مضمون اس امر پر شاہد عدل ہے کہ مشرکین کو بھی اِس کا اِعتراف تھا کہ یہ امورِ کلیہ اور عظیم الشان کام اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور نہیں کر سکتا اس لیے فرمایا کہ جب تم حقیقی اور اصلی خالق، مالک، متصرف اور تمام عالم کا مدبر اُسی کو مانتے ہو تو پھر ڈرتے نہیں کہ اُس کے سوا دوسروں کو معبود و متصرف اور مدبر کائنات بناتے ہو۔ اِن صفات کا اہل اور مستحق تو صرف وہی ہو سکتا ہے جو خالقِ کل، مالک الملک، مدبر کائنات، ربِّ مطلق اور متصرف علی الاطلاق ہو جو اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔

ہماری بات تو آپ گستاخی پر محمول کریں گے لیکن ہم آپ کی خدمت میں عرض کریں کہ امام شعرانی (۱) نے شیخ الصوفیہ ابوبکر بن عربی (۲) سے اُن کا عقیدہ ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

إني اَقولُ قولاً جازماً بقلبي: إن الله تعالى إلهٌ واحدٌ لاثاني له، مُنزَّهٌ عن الصاحبة والولد، مالكٌ لاشريك له، مَلِكٌ لاوزيرَله، صانعٌ لامُدَبِّرَ معه. [اليواقيت والجواہر۱:۱۸]

''میں تہ دل سے پورے جزم اور یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہی تنہا اِلٰہ ہے، اُس کا کوئی ثانی نہیں ہے، وہ بیوی اور اولاد سے پاک ہے، وہ مالک ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں، وہ بادشاہ ہے، اُس کا کوئی وزیر نہیں، وہ صانع ہے اُس کے ساتھ کوئی مدبر نہیں۔''

---

(۱) ابومحمد عبدالوہاب بن احمد بن علی، شعرانی، حنفی، محمد بن حنفیہ کی طرف منسوب ہونے سے حنفی کہلائے۔ ۸۹۸ھ =۱۴۹۳ء کو مصر کے قلقشندہ قصبے میں پیدا ہوئے۔ منوفیہ کے قصبہ ساقية أبي شعرة میں پلے بڑھنے کی وجہ سے شعرانی کہلاتے ہیں۔ صوفی اور عالم دین ہیں۔ اَن گنت کتابیں لکھیں۔ ۹۷۳ھ = ۱۵۶۵ء کو وفات پائی۔ [الکواکب السائرۃ ۳: ۱۵۷-۱۵۸، ترجمہ: ۱۴۷۴، الاعلام ۴: ۱۸۰]

(۲) محمد بن علی بن محمد ابن عربی ابوبکر الحاتمی الطائی الاندلسی، عرف محیی الدین بن عربی، لقب: شیخ اکبر، صوفی اور فلسفی تھے۔ رمضان ۵۶۰ھ = ۱۱۶۵ء کو مرسیہ [اندلس] میں پیدا ہوئے۔ اشبیلیہ منتقل ہوئے۔ رحلۃ میں قیام پذیر ہوئے۔ شام، روم، عراق اور حجاز مقدس کے سفر کیے۔ کچھ شطحیات کی وجہ سے اہل مصر نے اُنہیں قید میں ڈال کر پھانسی چڑھانے کا فیصلہ کیا مگر علی بن فتح بجائی کی کوششوں سے رہائی ملی، وہاں سے جا کر دمشق میں رہائش اختیار کی، جہاں ۶۳۸ھ = ۱۲۴۰ء کو وفات پائی۔ [فوات الوفیات ۲: ۳۹۷، ترجمہ: ۴۸۴، الاعلام ۶: ۲۸۱]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

محدث ہند شاہ ولی اللہ دہلوی [1] لکھتے ہیں: لا شريك له في وجوبِ الوُجودِ، ولا في استحقاق العبادة ولا في الخلق والتدبير فلا يستحق العبادة أي: اَقصى غاية التعظيم إلّا هو، ولا يشفى مريضاً ولا يرزق رزقاً ولا يكشف ضراً إلّا هو بمعنى اَن يقول لشيء كن فيكون لا بمعنى التسبيب العادي الظاهري، كما يُقال: شَفَى الطبيبُ المريضَ، ورزقَ الاَميرُ الجندَ، فهذا غيره وإن اشتَبَهَ في اللفظ. [التفہیمات الالٰہیۃ ۱:۱۴۵]

''وُجوبِ وُجود، استحقاقِ عبادت اور خلق و تدبیر کی صفات میں کوئی بھی اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں ہے اور کوئی اعلیٰ درجے کی تعظیم اور عبادت کا مستحق نہیں ہے اور نہ تو اُس کے بغیر کوئی بیمار کو شفاء دے سکتا ہے اور نہ رزق اور نہ کوئی اور تکلیف رفع کر سکتا ہے، یہ سب کام صرف اُسی کے ہیں، جب وہ کسی چیز کے بارے میں فرماتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہ سارے کام عادی اور ظاہری اسباب سے ماوراء ہوتے ہیں، ایسے نہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ طبیب نے مریض کو شفاء دی اور امیر لشکر نے فوج کو روزینہ دیا [اس لیے کہ یہ سب کچھ عادی و ظاہری اسباب کے تحت ہے] اور اللہ تعالیٰ کا دینا اِس کے سوا اور اس سے الگ ہوتا ہے اگرچہ لفظ میں اِشتباہ واقع ہو جاتا ہے۔''

مولانا صاحب! ارواحِ فاضلہ کو مدبر ثابت کر کے آپ دین اسلام کی کوئی خدمت نہیں فرما رہے بلکہ آپ کی اس تاویل سے کفر و شرک کا دروازہ کھلتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی گستاخی ہے۔ ہماری آپ سے درخواست ہے کہ اب بھی وقت ہے۔ اپنے اِس قول سے رجوع فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ رحیم و غفور ہے۔ شاید وہ آپ کی یہ غلطی معاف فرما دیں۔

مولانا صاحب آگے لکھتے ہیں: وقد تواترَعن كثيرٍ من الاَولياء اَنهم ينصرون اَولياء هم و يُدَمِّرُونَ اَعداءَ هم، والظاهرُ اَن النسبة في قول المفسر مجازيةٌ.

[البصائر: ۱۲، ۱۷، تسہیل البصائر: ۲۸]

---

(۱) ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم، عمری، حنفی، نقش بندی، محدث دہلوی۔ ۱۱۱۴ھ=۱۷۰۳ء کو سونی پت میں پیدا ہوئے۔ چودہ سال کی عمر میں شادی ہوئی۔ سولہ سال کے تھے کہ درس و تدریس کی اجازت مل گئی۔ ہند میں تفسیر و حدیث کو مشتہر کرنے میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے۔ دہلی میں ۱۱۷۶ھ کو ۶۲ سال کی عمر میں وفات پائی۔
[نزہۃ الخواطر ۶: ۴۱۰، تذکرہ علمائے ہند: ۵۴۲]

”بہت سے اولیاء کرام سے یہ بات تواتر کے ساتھ منقول ہے کہ وہ اپنے دوستوں کی مدد کرتے ہیں اور اپنے دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ نسبت مجازی ہے۔“

یہ بات قاضی محمد ثناء اللہ صاحب پانی پتی (۱) [وفات: ۱۲۲۵ھ] نے اپنی تفسیر [۱:۱۵۲] میں سورۃ آل عمران ۳:۱۵۴ کی تفسیر میں لکھی ہے۔

مولانا صاحب! عقیدہ کے اِثبات کے لیے قطعی دلیل درکار ہے۔ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

ومن المعلوم عند أرباب العلوم و أصحاب الفهوم: أنّ مبنَى العقائدِ على الأدلة القطعية' لا على الحجج الظنية المفيدة في المسائل الفقهية الفرعية. [شم العوارض فی ذم الروافض: ۲۱]

”اربابِ علم وفہم کے نزدیک یہ بات معلوم ہے کہ عقائد کی بنیاد قطعی دلائل پر اُستوار ہوتی ہے۔ اور اُن ظنی دلائل پر اس کی عمارت نہیں کھڑی کی جا سکتی جو فقہی اور فرعی مسائل میں مفید ہوتی ہیں۔“

شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صاحب صفدر (۲) لکھتے ہیں:

”کتب عقائد میں یہ مسئلہ صراحت اور وَضاحت کے ساتھ لکھا ہوا ہے کہ عقیدہ کے اِثبات کے لیے خبرِ واحد صحیح بھی نا کافی ہے' یعنی ایسی حدیث جس کے راوی اگرچہ ثقہ ہوں لیکن اس حدیث کا شمار خبر واحد میں ہوتا ہو تو اس سے عقیدہ ثابت نہیں ہو سکتا چنانچہ شرح مواقف: ۲۷' شرح فقہ

---

(۱) قاضی محمد ثناء اللہ حنفی مجددی' از اولادِ جلال الدین چشتی صابری پانی پتی پانی پت [مشرقی پنجاب] میں ۱۱۴۳ھ میں پیدا ہوئے۔ سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ پھر علومِ عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل میں مشغول رہے۔ اس سلسلے میں دہلی گئے، جہاں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے حدیث سنی پھر صغر سنی ہی میں حافظ محمد عابد لاہوری سُنامی احمدی نقش بندی سے علم طریقت [نقش بندیہ] اخذ کیا۔ اُن کی وفات کے بعد [اور ایک روایت کے مطابق حافظ محمد عابد کی ہدایت پر] مرزا مظہر جانِ جاناں دہلوی [وفات: ۱۱۹۵ھ = ۱۷۸۱ء] کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن سے علم طریقت [احمدیہ] حاصل کیا۔ یکم رجب ۱۲۲۵ھ = ۲-اگست ۱۸۱۰ء کو وفات پائی۔ [مقامات مظہری: ۳۵۹' نزہۃ الخواطر ۷: ۱۲۸' ترجمہ: ۱۹۱' حدائق الحنفیۃ: ۴۸۳' تذکرہ علمائے ہند: ۱۴۲' ترجمہ: ۱۰۰' اردو دائرہ معارف اسلامیہ ۶: ۱۰۳۲]

(۲) محمد سرفراز خان صفدر بن نور احمد خان بن گل احمد خان' سواتی' مندراوی۔ ۱۹۱۴ء کو ڈھکی چیڑاں داخلی' کڑمنگ بالا' تحصیل مانسہرہ' ضلع ہزارہ' پاکستان میں پیدا ہوئے۔ دار العلوم دیوبند کے فاضل ہیں۔ گکھڑ اور گوجرانوالہ کو مرکز بنا کر دین کی خدمت کا آغاز کیا۔ کثیر التصانیف محقق بزرگ ہیں۔ ۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ = ۵ مئی ۲۰۰۹ء کو وفات پائی۔ [ماہ نامہ الشریعۃ' گوجرانوالہ' امام اہل سنت نمبر' جولائی - اکتوبر ۲۰۰۹ء]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

اکبر: ٦٨' مسامَرۃ ۲: ۷۸ اور شرح عقائد: ۱۰۱ میں ہے کہ خبر واحد اگرچہ صحت کی اُن تمام شرائط سے متصف ہو جن کا اصولِ فقہ اور حدیث میں بیان کیا گیا ہے لیکن پھر بھی اس سے ظن کا فائدہ ہی ہوسکتا ہے اور عقائد کے باب میں ظنیات کا کوئی اعتبار نہیں ہوسکتا اور حافظ ابن حجر (۱) لکھتے ہیں:

الأحاديث إذا كانت في مسائل عملية يكفي في الأخذ بها بعد صحتها أفادَتها الظن، أمّا إذا كانت في العقائد فلا يكفي فيها إلاّ ما يفيد القطع. [فتح الباری ۸: ۴۳۱]

''یعنی جن مسائل کا تعلق عمل کے ساتھ ہے اُن میں صحیح اَحادیث سے استدلال کافی ہے کیونکہ اعمال کے [ثبوت کے] لیے ظنی دلائل ہی کافی ہیں لیکن جب عقائد کی باری آئے گی تو اُن میں صرف وہی حدیثیں قابلِ قبول ہوں گی جو قطع ویقین کا فائدہ دیں [یعنی: صرف متواتر حدیثیں ہوں' عام اس سے کہ تواتر لفظی ہو یا معنوی' تواترِ طبقہ ہو یا تواترِ توارُث' ان میں سے ہر ایک کا انکار کفر ہے]۔''

شیخ الحدیث صاحب یہ بھی لکھتے ہیں: ''قارئینِ کرام! آپ سمجھ چکے ہوں گے کہ عقیدت اور چیز ہے اور عقیدہ اور ہے۔ عقیدہ کے اِثبات کے لیے کوئی قطعی نص یا خبر متواتر وغیرہ درکار ہے' یہاں خبر واحد صحیح سے بھی گاڑی نہیں چل سکتی اور قرآن کریم کے مقابلہ میں تو خبر واحد کا پیش کرنا ہی ناجائز ہے۔'' [تبرید النواظر فی تحقیق الحاضر والناظر: ۲۴-۲۵]

ایک اور جگہ لکھتے ہیں: ''ہمارے اکابر عقیدہ کو قطعی دلائل سے پیش کرتے ہیں اور قطعی دلائل یہ ہیں: قرآن کریم' خبر متواتر [عام اس کے کہ تواتر لفظی ہو یا تواتر طبقہ' تواتر قدر مشترک ہو' یا تواتر توارث ان میں سے ہر ایک کا انکار ہمارے اکابر کے نزدیک کفر ہے] اور اجماعِ قطعی' ہمارا کوئی عقیدہ اِن دلائل کے بغیر کسی اور چیز پر موقوف نہیں۔'' [راہِ ہدایت: ۲۰۲]

مولانا صاحب! آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ عقائد کے لیے قطعی دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔

---

(۱) احمد بن علی بن محمد' کِنانی' عسقلانی' ابوالفضل' شہاب الدین' ابن حجر' قاہرہ میں ۷۷۳ھ = ۱۳۷۲ء کو پیدا ہوئے۔ شعر وادب کے دلدادہ تھے' پھر حدیث کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کے حصول میں صعوبتیں برداشت کیں۔ کثیر التصانیف بزرگ ہیں۔ حدیث' رجال اور تاریخ کے بے نظیر عالم ہیں۔ ۸۵۲ھ = ۱۴۴۹ء کو قاہرہ ہی میں وفات پائی۔ [البدر الطالع ۱: ۸۷' الاعلام ۱: ۱۷۸]

قاضی ثناء اللہ صاحب اور آپ نے اس قول پر کوئی شرعی دلیل پیش نہیں کی۔عقیدہ کے باب میں ایسی بے بنیاد بات آخر سنتا کون ہے؟اس قول کے برخلاف یہ قطعی نصوص ملاحظہ ہوں۔

-۱: اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَايَرْجِعُوْنَ.[سورۃ یٰس ۳۶:۳۱]

''کیا اِن لوگوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم اُن کے قبل [بہت سی] امتیں ہلاک کر چکے ہیں کہ یہ لوگ اِن کی طرف لوٹ کر نہ آئیں گے۔'' 4

-۲: اور حدیث میں ہے کہ: اِنَّمَا نَسَمَةُ الْمُؤْمِنِ طَيْرٌ يَعْلَقُ فِي شَجَرِ الْجَنَّةِ حَتّٰى يَرْجِعَهُ اللّٰهُ اِلٰى جَسَدِهٖ يَوْمَ يَبْعَثُهٗ.[موطأ امام مالک ۱:۲۴۰' کتاب الجنائز[۱۶] باب جامع الجنائز[۱۶] حدیث:۴۹]

''مؤمن کا نَسمہ پرندہ ہے جو جنت کے درختوں میں معلق ہوتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اُسے اُس کے بدن کی طرف لوٹا دے۔''

مولانا صاحب! اگر گستاخی نہ ہو اور آپ برا نہ مانیں تو آپ سے ایک بات پوچھنا ہے۔آپ نے النکتة الثامنة کے تحت یہ بات لکھی ہے کہ:

اِعْلَمْ اَنَّ الْمُقَلِّدَ يَكُوْنُ تَمَسُّكُهٗ بِقَوْلِ مُجْتَهِدِهٖ.[البصائر:۱۳' تسہیل البصائر:۳۰]

''خوب سمجھ لو کہ مقلد اپنے امام کے قول سے تمسک کرے گا۔''

آپ نے امام رازی' سید آلوسی' جالینوس' مولانا تھانوی اور شاہ ولی اللہ کے نام لے کر ان سے یہ باطل عقیدہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مرے ہوئے بزرگ اپنے دوستوں کی مدد کرتے ہیں اور اپنے دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں اور فلاں فلاں بزرگ مرجانے کے بعد اپنے گھروں میں تشریف لایا کرتے تھے' تو سوال یہ ہے' کہ اِن میں سے آپ کے امام کون سے شخص ہیں؟ اور کیا امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رحمہ اللہ کا بھی یہی عقیدہ تھا۔اگر جواب نفی میں ہے اور آپ یہ باطل عقیدہ کسی بھی مستند حنفی مجتہدِ منتسب کی کتاب میں ثابت نہیں کر سکتے' تو آپ کے اس قاعدے کا فائدہ کیا ہوا؟

ہم تو ٹھہرے آپ کے نزدیک منکرین فقہ' لیکن آپ نے کہیں یہ عبارت پڑھی ہے کہ:

اِعْلَمْ اَنَّ النَّذرَ الذي يقعُ للاَموات مِن اَكثرِ العوامِ و مايؤخَذُ مِن الدَّراهم و الشمعِ و

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

الزَّيتِ و نحوها إلى ضَرائِحِ الاَولياء الكرامِ تقرُّباً اليهم كاَن يقول:ياسيدي فلان اِن رُدَّ غـائبي اَوقُـضِيَتْ حَاجتي فَلَكَ من الذَّهبِ كذا ومن الفضَّةِ كذااَومن الطَّعامِ كذا اَو الشـمعِ اَوالزيت كذا باطلٌ وحرامٌ بوُجوهٍ،منها:اَنه نَذْرٌ،والنَّذْرُللمخلوق لايجوزُ،لاَنه عبادةٌ، ومنها اَنَّ المنذور له ميتٌ،والميتُ لايملكُ، ومنها اَنه ظَنَّ اَنَّ المَيِّتَ يَتَصَرَّفُ فِي الأمورِ دونَ اللّٰه تعالىٰ فاِعتِقادُهُ ذلك كفرٌ.[البحرالرائق۲:۲۹۸،شامی۳:۱۷۵]

”اچھی طرح جان لو کہ وہ نذر ومنّت جو اکثر عوام مُردوں کے لیے مانتے ہیں اور جو چیز از قسمِ دراہم،موم بتی،تیل اور اس قسم کی دیگر چیزیں بزرگوں کی قبروں تک اُن کا تقرب حاصل کرنے کے لیے پہنچائی جاتی ہیں،مثلاً کوئی کہتا ہے کہ اے میرے آقا فلان!اگر میرا گم شدہ آدمی واپس آ گیا یا میری حاجت پوری کر دی گئی تو تجھے اتنا سونا اور اتنی چاندی،یا اتنا اناج،یا اتنی موم بتیاں،یا اتنا تیل دوں گا تو یہ نذر باطل اور حرام ہے اور اس کے باطل ہونے کی کئی وُجوہ ہیں۔ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ کارروائی نذر ہے اور نذر عبادت ہے جو مخلوق کے لیے جائز نہیں ہے۔دوسری وجہ یہ ہے کہ جس کے لیے نذر مانی گئی ہے وہ میت ہے اور نذر کی چیز کو وہ اپنی مِلکیت میں نہیں لے سکتی اور تیسری وجہ یہ ہے کہ نذر ماننے والے کا یہ گمان ہوگا کہ میت اللہ تعالیٰ کے ورے معاملات میں تصرف کرتی ہے،سو اس کا یہ اعتقاد کفر ہے۔“

غور کیجئے کہ امام ابن نُجیم [1] اور امام شامی [2] یہ تصریح فرما رہے ہیں کہ اگر کسی کا یہ ظن وگمان ہو کہ صاحبِ قبر ولی نفع اور ضرر کے امور میں متصرف ہے تو یہ کفر کا عقیدہ ہے اور مولانا صاحب یہ لکھنے سے باز نہیں آتے کہ:الاَولياءُ ينصرون اَوليائهم ويُدمرون اَعدائهم.

---

(۱) زین الدین بن ابراہیم بن محمد بن محمد،مصری،حنفی عالم اور فقیہ ہیں۔ابن نُجَیْم سے مشہور ہیں۔مصر سے تعلق تھا۔تاریخ ولادت معلوم نہ ہو سکی۔۔اپنے زمانہ میں احناف کے سرخیل تھے۔۹۷۰ھ=۱۵۶۳ء کو وفات پائی۔
[شذرات الذہب۱۰:۵۲۳،معجم المؤلفین۴:۱۹۲،الاعلام۳:۶۴]

(۲) محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز بن عابدین،فقیہ دیارِ شامیہ،اپنے زمانے میں اَحناف کے امام تھے۔دمشق میں ۱۱۹۸ھ=۱۷۸۴ء کو پیدا ہوئے۔ابن عابدین سے شہرت پائی۔دمشق ہی میں ۱۲۵۲ھ=۱۸۳۶ء کو فوت ہوئے۔[الاعلام۶:۴۲]

شرک فی الإستعانة

مولانا حمداللہ صاحب النکتة العاشرة کے تحت لکھتے ہیں کہ:

وأمّاالشرك في الإستعانة بأن يطلب أحد العون من الغير'فإن كان يعتقدُ أنّ ذلك الغير مستقلٌ وخالق للعونِ فهوشركٌ'وإلّافهوليس بشركٍ.[البصائرلمنکری التوسل باہل المقابر:۱۵]

''شرک فی الاستعانت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے مدد طلب کرے۔اب اگر اس کا یہ عقیدہ ہو کہ وہ شخص مستقل طور پر امداد کرتا ہے یا وہ امداد کا خالق ہے'تو ایسا کرنا تو شرک ہے'اور اگر اُس کو مستقل بالذات اور امداد کا خالق نہ جانے تو پھر ایسا کرنا شرک نہیں ہے۔''

اپنے اس موقف کے لیے انہوں نے دو چیزیں استدلال میں پیش کی ہیں۔

[۱]مفسر خازن (۱) کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ أَنَّهٗ نَاجٍ مِنْهُمَااذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ فَأَنْسٰهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَرَبِّهٖ الآية'والمعنى أن الشيطان أنسى يوسف على نبينا وعليه الصلاة والسلام ذِكرَ ربه عزوجل حتى ابتغى الفرج من غيره واستعان بمخلوق مثله في دفع الضرر'وتلك غفلة عرضت ليوسف على نبينا وعليه الصلاة والسلام'فإن الإستعانة بالمخلوق في دفع الضرر جائزة إلّا أنه لما كان مقام يوسف على نبينا وعليه الصلاة والسلام أعلى المقامات ورُتبته أشرف المراتب'وهي منصب الرسالة والنبوة لا جَرَمَ صار يوسف على نبينا و عليه الصلاة والسلام مواخِذاً بعدِّ القدر.[البصائرلمنکری التوسل باہل المقابر:۱۵]

''وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ أَنَّهٗ نَاجٍ مِنْهُمَااذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ فَأَنْسٰهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَرَبِّهٖ [سورۃ یوسف ۱۲:۴۲] کا معنی یہ ہے کہ شیطان نے سیدنا یوسف علیہ السلام سے اپنے رب کی یاد بھلادی یہاں تک کہ

---

(۱) علی بن محمد بن ابراہیم الشّیحی علاءالدین المعروف بالخازن'تفسیر وحدیث کے بڑے عالم تھے۔شافعی فقیہ تھے۔حلب کے ایک علاقے شیحہ سے منسوب ہو کر شیحی کہلائے۔۶۷۸ھ=۱۲۸۰ء کو بغداد میں پیدا ہوئے۔ ایک عرصہ تک دمشق میں مقیم تھے جہاں کے مدرسہ سمیساطیہ میں کتب خانہ کے خازن تھے۔۷۴۱ھ=۱۳۴۱ء کو حلب میں وفات پائی۔[الدررالکامنۃ۳:۹۷'الاعلام۵:۵]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

آپ نے قید سے رہائی پانے اور ضرر دور کرنے کے لیے مخلوق سے استعانت کی، یہ چیز غفلت سے سیدنا یوسف علیہ السلام سے سرزد ہوگئی، گرچہ ضرر دفع کرنے کے لیے مخلوق سے استعانت جائز ہے لیکن سیدنا یوسف علیہ السلام نہایت اعلیٰ مقام اور ارفع درجہ پر فائز تھے جو نبوت ورسالت کا درجہ ہے، اس لیے اُن کی عظیم قدر ومنزلت سے اُن کا مواخذہ ہوا۔"

اس عبارت کو لکھ کر نتیجہ نکالتے ہیں: وعُلِمَ منه اَیضاً اَن الإستعانة بالمخلوق في دفع الضرر اَو جلب النفع جائزٌ إلّاَ اَنَّ شأن الاَنبیاء اَعلَی واَجلَی. [البصائر لمنکری التوسل باہل المقابر:۱۵]

"اس سے معلوم ہوا کہ ضرر دفع کرنے اور حصولِ نفع کے لیے مخلوق سے استعانت جائز ہے، یہ الگ بات ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی شان اس سے اعلیٰ اور ارفع ہے [کہ وہ غیر اللہ سے استعانت کریں]۔"

لیکن ہم قطعاً یہ تسلیم نہیں کرتے کہ فَاَنْسٰهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ میں ضمائر کا تعلق سیدنا یوسف علیہ السلام سے ہو بلکہ ہمارے نزدیک ذِكْرَ رَبِّهٖ میں اضافت کی نوعیت بالکل وہی ہے جو مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وغیرہ میں ہے، یعنی جیل سے چھوٹنے والا غلام اپنے آقا یعنی بادشاہ کے سامنے سیدنا یوسف علیہ السلام کا ذکر کرنا بھول گیا اس بھول جانے کو شیطان کی طرف منسوب فرمایا ہے اس لیے کہ کسی نیکی کے کام سے غافل کرنا شیطان ہی کا کام ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تدابیر ووسائل کو اختیار کرنا تو انسان کے فرائض میں سے ہے لیکن ان تدابیر ووسائل کا بروئے کار آنا اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اُس کی حکمت پر منحصر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی حکمت ومصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ ابھی سیدنا یوسف علیہ السلام کچھ سال اور جیل ہی میں گزاریں۔ چنانچہ یہ بات یوں پوری ہوگئی کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کا جیل سے چھوٹنے والا ساتھی جیل سے باہر آکر بالکل یاد نہ رکھ سکا کہ زندان کے ساتھی نے اُس سے کیا بات کہی تھی۔ اس تفسیر کو اختیار کرنے کے دو وجوہ ہیں:

پہلی وجہ یہ کہ ضمیر کا تعلق نزدیک ترین اسم کے ساتھ ہوتا ہے اور یہاں نزدیک ترین اسم ناجی ہے اور سیدنا یوسف علیہ السلام کا نام دور پڑتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سیاق میں آگے آیت: ۴۵ میں مذکور ہے کہ:

وَقَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ.

''اور دو [قیدیوں] میں جس کو رہائی مل گئی تھی' وہ بولا' اور ایک مدت کے بعد اُسے یاد آیا۔''

مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی [1] لکھتے ہیں: ''آٹھواں مسئلہ یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کو اپنے برگزیدہ پیغمبروں کے لیے ہر جائز کوشش بھی پسند نہیں' کہ کسی انسان کو اپنی خلاصی کا ذریعہ بنائیں' ان کے اور حق تعالیٰ کے درمیان کوئی واسطہ نہ ہونا ہی انبیاء کا اصلی مقام ہے شاید اسی لیے یہ قیدی یوسف علیہ السلام کے اس کہنے کو بھول گیا اور ان کو مزید کئی سال جیل میں رہنا پڑا۔ ایک حدیث میں بھی رسول کریم ﷺ نے اس طرف اشارہ فرمایا ہے۔'' [معارف القرآن ۵:۵۹]

مفتی صاحب نے اس حدیث کی طرف اشارہ فرمایا ہے' جس میں مذکور ہے کہ:

رحم اللّٰہ یوسف' لولا الکلمة التي قالها: اُذْکُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ' ما لبث في السجن طول مالبث. [تفسیر طبری ۷:۲۲۱' نص: ۱۹۳۱۹' موارد الظمآن: ۴۳۲' حدیث: ۱۷۴۷' صحیح ابن حبان ۸:۲۹' حدیث: ۳۱۷۲' مستدرک ۲:۳۴۶]

''یوسف علیہ السلام پر اللہ رحم کرے' اگر وہ اللہ کو چھوڑ کر دوسروں پر رہائی کی امید نہ رکھتے تو اتنی لمبی مدت قید میں نہ ٹھہرتے۔''

لیکن جس روایت سے مفتی صاحب نے اس مسئلے کا استنباط فرمایا ہے اس کے بارے میں حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: ضَعِیْفٌ جِدًّا' یعنی شدید ضعیف ہے۔ [تفسیر ابن کثیر ۲:۱۴۱]

اور اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں: إنه حدیث منکرٌ من هذا الوجه' ومحمد بن عمرو بن علقمة

---

(۱) محمد شفیع بن مولانا محمد یاسین' ۱۳۱۴ھ=۱۸۹۷ء کو دیوبند ضلع سہارنپور [انڈیا] میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد اور چچا سے حاصل کی۔ ۱۳۳۵ کو بیس سال کی عمر میں دارالعلوم دیوبند میں علوم کی تکمیل کی۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن سے باطنی تعلق تھا۔ بعد ازاں ۱۳۲۷ھ میں مولانا تھانوی سے بیعت ہوئے اور اُن کے علمی جانشین اور خلیفہ مجاز ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد کراچی منتقل ہوئے۔ دارالعلوم کی خدمت میں مشغول رہے۔ دارالعلوم کورنگی کراچی کی داغ بیل ڈالی۔ ۱۶۲ علمی کتابیں تصنیف کیں۔ دس شوال ۱۳۹۶ھ=۱۹۷۶ء کو علم وعمل کا یہ سورج ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ڈوب گیا۔

[البلاغ کا مفتی اعظم نمبر: ۹۵' ۳۳۴' شاہ کار اسلامی انسائیکلوپیڈیا ۲:۱۴۴۶] له أشياء

MAKTABA TUL ISHAAT - مکتبۃ الاشاعت

ینفرد بھا و فیھا نکارةٌ، وھذہ اللفظة مِن أنکرھا و أشدھا . [البدایة والنھایة ۱:۲۱۶]

''یہ روایت منکر ہے اور محمد بن عمرو بن علقمہ کئی منکر روایات میں منفرد ہے اور اس کی یہ روایت شدید منکر ہے اور اس بارے میں صحیحین میں جو کچھ ہے وہ اس کی تغلیط پر گواہ ہے۔''

امام جوزجانی لکھتے ہیں: محمد بن عمرو بن علقمہ حدیث کے باب میں قوی نہیں۔

[احوال الرجال: ۱۴۱، ترجمہ: ۲۴۴]

امام حاکم کی سند میں خصیف راوی ہے، جس کے بارے میں حافظ ذہبی نے لکھا ہے: امام احمد اور دیگر محدثین نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [تلخیص المستدرک ۲:۳۴۶]

پھر عکرمہ نے اپنے استاذ کا نام بھی نہیں لیا کہ کون تھے اس لیے یہ منقطع بھی ہوئی۔

عکرمہ کی متصل مرفوع روایت بھی تفسیر طبری [۷:۲۲۱، فقرہ: ۱۹۳۲۲] میں موجود ہے لیکن اس کا راوی ابراہیم بن یزید الخوزی المکی ابواسماعیل متروک الحدیث ہے۔

[تقریب التہذیب: ۱۳۴، ترجمہ: ۲۷۲]

[۲] اور مولانا حمد اللہ صاحب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ جب اُنہیں آگ میں ڈالا جا رہا تھا تو: جاءہُ جبرئیل علیہ السلام فقال لہ: ألك حاجةٌ؟ فقال إبراھیم علی نبینا وعلیه الصلاة و السلام أمّا إلیك فلا، فقال: أذکرہ عند ربك، فقال: علمه بحالي یُغنیني مِن سؤالي . [البصائر لمنکری التوسل باہل المقابر: ۱۶]

''سیدنا جبرئیل علیہ السلام اُن کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: کیا آپ کی کوئی حاجت ہے [جسے پورا کیا جائے] اُنہوں نے فرمایا: میری کوئی حاجت آپ سے متعلق نہیں، اس پر اُنہوں نے فرمایا: مجھے بتا دیجئے کہ آپ کے رب کے سامنے آپ کی حاجت پیش کروں، تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: اُنہیں میری حالت اچھی طرح معلوم ہے، جو مجھے اُس سے سوال کرنے سے مستغنی کر دیتا ہے۔''

مولانا صاحب کی پیش کردہ روایت کے اصل الفاظ یہ ہیں:

حَسْبِيُ مِنْ سُؤَالِيُ عِلْمُهٗ بِحَالِيُ.

[معالم التنزیل ۳:۲۱۱، زاد المسیر ۳:۲۰۰، روح المعانی ۱۷-۱۸:۹۰، تفسیر سورۃ الانبیاء ۲۱:۶۸]

''مجھے سوال کی کیا ضرورت ہے' میری حالت کا اس کو علم ہے' میرے لیے یہی کافی ہے۔''

[تفسیر مظہری اُردو ۷: ۴۸۵' تفسیر مواہب الرحمٰن ۱۷: ۴۹]

حافظ ابن تیمیہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں: یہ باطل کلام ہے۔[مجموع الفتاوی ۸: ۲۶۱]

مطلب یہ ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے قطعاً یوں نہیں فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجات طلب کرنا افضل عبادت ہے' بلکہ دعاء تو عین عبادت ہے' جیسا کہ حدیث میں ہے:

اَلدُّعَآءُ هُوَ الْعِبَادَةُ. [سنن ابی داؤد' حدیث: ۱۴۷۹' سنن ترمذی' احادیث: ۲۹۶۹' ۳۲۴۷' ۳۳۷۲]

''دعاء [اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت طلب کرنا] عبادت ہے۔''

اور حدیث میں ہے کہ: مَنْ لَّا يَدْعُو اللّٰهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ. [مستدرک ۱: ۴۹۱]

''جو کوئی اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت طلب نہیں کرتا' اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہو جاتا ہے۔''

خود سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ایک جامع دعاء سورۃ ابراہیم ۱۴: ۳۷-۴۱ میں موجود ہے' نیز ارشادِ ربانی ہے: وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ. [سورۃ المؤمن ۴۰: ۶۰]

''تمہارے پروردگار نے کہا ہے: مجھے ہی پکارو' میں تمہاری درخواست قبول کردوں گا بے شک جو لوگ میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں وہ بہت جلد جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے۔''

یہ ممکن ہی نہیں کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنی حاجت اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی پیش نہ فرمائیں۔

رہی مولانا صاحب کی یہ بات کہ: ''شرک فی الاستعانت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے مدد طلب کرے۔ اب اگر اس کا یہ عقیدہ ہو کہ وہ شخص مستقل طور پر امداد کرتا ہے یا وہ امداد کا خالق ہے' تو ایسا کرنا تو شرک ہے' اور اگر اُس کو مستقل بالذات اور امداد کا خالق نہ جانے تو پھر ایسا کرنا شرک نہیں ہے۔''

سو یاد رکھنا چاہئے کہ مشرکین مکہ اپنے معبودوں کو مستقل بالذات سمجھ کر نہ تو اُن سے مدد مانگا کرتے تھے' اور نہ اُن کی عبادت اس عقیدہ کی بنیاد پر کرتے تھے' وہ کسی کو مستقل بالذات بااختیار نہیں سمجھتے تھے۔ قرآن مجید میں ہے: وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَاللّٰهِ. [سورۃ یونس ۱۰:۱۸]

""اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا ایسوں کی پرستش کرتے ہیں جو نہ اُن کا کچھ بگاڑ ہی سکتے ہیں اور نہ کچھ بھلا ہی کر سکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہماری سفارش کرنے والے ہیں۔""

اس آیت کریمہ کے تناظر میں دیکھا جائے تو مولانا صاحب کی پیش کردہ بات نہایت بھونڈی اور بے وقعت لگتی ہے اس لیے کہ نص قطعی کے صریح خلاف اور متصادم ہے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک صحیح حدیث میں ہے: كان المشركونَ يقولون:لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ،قال:فيقول رسول اللّٰهﷺ:وَيلكُمْ قَدٍ قَدْ،فيقولون:اِلَّا شَرِيْكاً هُوَ لَكَ تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ،يقولون هذا وهُم يطوفون بالبيت.

[صحیح مسلم، کتاب الحج[۱۵]باب التلبیۃ ووقتہا[۳]حدیث۲۲-[۱۱۸۵]]

""مشرکین عرب کعبہ مشرفہ کا طواف کرتے وقت یہ تلبیہ پڑھا کرتے تھے:لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ ہم حاضر ہیں، تیرا[ذاتی اور مستقل طور پر کوئی]شریک نہیں۔سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں:رسول اکرم ﷺ اُنہیں فرماتے:بس اتنا ہی کافی ہے بدبختو!مشرکین اس کے بعد یہ جملہ بھی کہا کرتے تھے:مگر وہ شریک[جس کو تو نے اختیارات دے رکھے ہیں]وہ تیرا[ہی مقرر کردہ]ہے،تو اُس کا مالک ہے اور وہ[کسی چیز کا]مالک نہیں۔""

اس صحیح حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ مشرکین لَا شَرِيْكَ لَكَ کہہ کر ذاتی اور مستقل طور پر اللہ تعالیٰ کے شریک کی نفی کیا کرتے تھے اور اِلَّا شَرِيْكاً هُوَلَكَ تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ سے جو اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے تھے تو ساتھ ہی اس کی تصریح کرتے تھے کہ وہ تیرا ہی ہے اور خود وہ کسی چیز کا ذاتی اور مستقل طور پر مالک نہیں بلکہ تو ہی اُس کا مالک ہے،اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مشرکین جس کو اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے تھے تو اُس کو اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان اور اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں بے بس سمجھتے تھے۔

محدث ہند شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:ومنها انهم كانوا يستعينون بغيراللّٰه فى حوائجهم مِن شفاءِ المريض وغِناءِ الفقير و ينذرون لهم يتوقعون إنجاح مقاصدهم بتلك النُّذورِ و يتلون اَسمائهم رَجاءَ بركتهافاَوجب اللّٰه تعالى عليهم اَن يقولوافي صلاتهم:اِيَّاكَ نَعْبُدُ

وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ'وقال اللّٰه:فَلَا تَدْعُوامَعَ اللّٰهِ اَحَداً'وليس المراد من الدُّعاء العبادةُ' كما قاله بعض المفسرين'بل هو الإستعانة لقوله تعالى:بَلْ إِيَّاهُ تَدْعُونَ فَيَكْشِفُ مَاتَدْعُونَ.

[حجۃ اللہ البالغۃ ا:۶۳'باب أقسام الشرک]

''شرک کی قسموں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ لوگ بیمار کی شفاء اور فقیر کی غِناء وغیرہ اپنی حاجتوں میں غیر اللہ سے استعانت کرتے اور اُن کے ناموں کی نذریں دیا کرتے تھے تاکہ اُن کو اپنے مقاصد میں اِن نذروں کی وجہ سے کامیابی حاصل ہو اور تحصیل برکت کے لیے اِن ناموں کو پڑھتے تھے'سو اللہ تعالیٰ نے اُن [مسلمانوں] پر یہ واجب کر دیا کہ اپنی نماز میں یہ پڑھا کریں کہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا: سو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو مت پکارو۔ اور دعاء سے اِس جگہ مراد عبادت نہیں ہے جیسا کہ بعض مفسرین نے کہا ہے بلکہ اِس دعاء سے استعانت مراد ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ''بلکہ تم اُسی کو پکارتے ہو سو وہ تمہاری تکالیف کو دور کرتا ہے۔''

شاہ صاحب مزید لکھتے ہیں کہ مشرکین کا عقیدہ یہ تھا کہ: إنَّ اللّٰهَ هو السَّيِّدُ و هو المدبِّرُ لكنه قد يخلعُ على بعض عَبيدهٖ لباسَ الشَّرفِ و التَّألُّهِ ويجعلُهٗ متصرفاًفي بعضِ الأُمورِالخَاصَّةِ ويقبلُ شفاعته في عبادهٖ بمنزلةِ مِلِكِ الملوكِ يَبعثُ على كل قِطْرٍ ويُقَلِّدُهٗ تدبيرتلك المملكة فيما عداالأمورالعِظامِ فيَتَلَجْلَجُ لسانه اَن يُّسَمِّيهم عبادَاللّٰه فيُسويهم وغيرهم فعدل عن ذلك إلى تسميتهم اَبناء اللّٰهومحبوبي اللّٰه'وسمى نفسه عبد الأولٰئك كعبد المسيح وعبد العزى'وهذامرض جمهوراليهودو النصارى والمشركين وبعض الغلاة من منافقي دين محمدﷺيومناهذا. [حجۃ اللہ البالغۃ ا:۶۱'باب فی بیان حقیقۃ الشرک].

''آقا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہی مدبر ہے لیکن وہ کبھی اپنے بندوں کو بزرگی اور اُلوہیت کا لباس پہنا دیتا ہے اور اُن کو بعض خاص کاموں میں تصرف کرنے کا حق دے دیتا ہے اور اُن کی اپنے بندوں کے حق میں شفاعت قبول کر لیتا ہے'جیسے شاہان بڑے کاموں کے علاوہ خاص خاص صوبوں میں اپنے نائب مقرر کرتا ہے اور اُن خاص صوبوں کے کچھ اختیارات اُن کے سپرد کر دیتا

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

ہے، پھران لوگوں کی زبان اس سے لڑکھڑاتی ہے کہ ان کواللہ تعالیٰ کے بندے کہیں کہ وہ دوسروں کے برابر شمار ہوں اور اُنہیں اللہ تعالیٰ کے بیٹوں اور اُس کے چہیتوں جیسے ناموں سے نوازتے ہیں اور خود کو اُن لوگوں کے بندے قرار دیتے ہیں، جیسے عبدالمسیح اور عبدالعزیٰ وغیرہ، یہ بیش تر یہود و نصاریٰ اور مشرکین کا مرض ہے اور ہمارے اس دور میں رسول اللہ ﷺ کے دین کا نام لینے والے بعض انتہائی درجہ کے منافقوں کا بھی یہی عقیدہ ہے۔“

فصل دوم

اِثباتِ سماعِ موتیٰ

[مُردوں کے سننے کے اِثبات میں]

مولانا حمداللہ صاحب اس عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

سماعِ موتیٰ بہت سے دلائل سے ثابت ہے، جن میں سے ہم بقدرِ ضرورت نقل کرتے ہیں۔

حدیث قلیب بدر

حدیث قلیب بدر جو صحاح میں منقول ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے مقتولینِ قریش کو نام بنام پکار کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ جو وعدہ فرمایا تھا وہ تو پورا ہوا تو کیا تم سے کیا گیا وعدہ پورا ہوا؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یارسولَ اللهِ!أتكلمُ أجساداً بِلا أرواحٍ؟فقال ﷺ:والذي نفسي بيده ماأنتم بِأَسْمَعَ من هؤلاء ولكن لايُجيبون.

[البصائرلمنکری التوسل باہل المقابر:۱۶،مقصداول:اِثبات سماع موتی]

''یارسول اللہ ﷺ! آپ بغیر روحوں کے اَجساد سے گفتگو کرتے ہیں؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، تم ان کے مقابلہ میں زیادہ نہیں سنتے لیکن یہ جواب نہیں دیتے۔''

مولانا صاحب اس حدیث کو پیش کر کے لکھتے ہیں کہ:فهذاالحديث دليل و اضح على أن الموتى يسمعون،ولكن لايجيبون،بل سماعهم أشد من سماع الأحياء.

[البصائرلمنکری التوسل باہل المقابر:۱۶-۱۷]

''یہ حدیث اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مردے سنتے ہیں، لیکن وہ جواب نہیں دیتے، بلکہ اُن کے سننے کی قوت زندوں کی بنسبت زیادہ ہے۔''

مولانا صاحب نے حدیث تو صحیح پیش فرمائی، لیکن اُس سے عام سماعِ موتی کا جو استدلال کیا وہ محلِ نظر ہے اس لیے کہ یہ معجزہ اور رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت ہے، یہ ہم اپنی طرف سے نہیں کہتے

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

بلکہ امام ابن ہمام حنفی شارح ہدایہ (۱) اور امام ابوالاخلاص حسن بن عمار شرنبلالی مصری حنفی (۲) لکھتے ہیں کہ: وعندي أنَّ مَبنى ارتكاب هذا المجاز هاهنا عند أكثر مشائخنا هو أنَّ الميت لا يسمع عندهم، وأورد عليه قوله عليه السلام في أهل القليب: ما أنتم بأسمع منهم، وأجابوا بأنَّ تلك خصوصية له عليه السلام معجزة. [فتح القدیر ۲: ۱۰۴، کتاب الجنائز، امداد الفتاح شرح نور الایضاح: ۶۰۴]

"ہمارے اکثر مشائخ کے نزدیک مردے نہیں سنتے، اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے بدر کے مُردوں سے ہم کلامی فرمائی؟ اس اعتراض کا جواب فقہائے احناف نے یہ دیا ہے کہ بدر کے مُردوں سے کلام کرنا رسول اللہ ﷺ کا معجزہ اور اُن کی خصوصیت تھی۔"

شیخ الطائفہ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی (۳) کی اِملائی کتاب میں ہے کہ:

وماقال المثبتون: أنَّ خطابَ النبي ﷺ لأهل بدرٍ على رأس القليب ينادي على ثبوت السماع أعلى نداءً، فأجاب عنه المنكرون بعضهم من أنه من خصوصياته ﷺ بكفار بدرٍ، رَدَّ الله سبحانه أرواحهم في أجسامهم ليسمعوا خطاباً ...... وقال بعضهم: إنما خاطَبهم النبي ﷺ ليغيظ بذلك المشركون من قريش، ومعنى قوله ﷺ لعمر رضي الله عنه: ما أنتم

---

(۱) محمد بن عبدالواحد بن عبدالحمید بن مسعود سیواسی اسکندری کمال الدین، حنفی فقیہ اور عالم تھے۔ اصول، تفسیر، فرائض، فقہ، حساب، لغت، موسیقی اور منطق کے ماہر عالم تھے۔ ۷۹۰ھ = ۱۳۸۸ء کو اسکندریہ میں پیدا ہوئے۔ قاہرہ میں پرورش ہوئی۔ حلب میں کافی عرصہ تک رہے ہیں۔ ۸۶۱ھ = ۱۴۵۷ء کو قاہرہ میں وفات پائی۔
[الضوء اللامع ۸: ۱۰۸، ترجمہ: ۱۳۴۱، الاعلام ۶: ۲۵۵]

(۲) حسن بن عمار بن علی شُرُنْبُلَالی، مصری۔ منوفیہ [مصر] کے شبری بلولہ میں ۹۹۴ھ = ۱۵۸۵ء کو پیدا ہوئے۔ چھ سال کی عمر میں اپنے والد کی معیت میں وہاں سے قاہرہ آئے جہاں علم حاصل کیا۔ جامعہ ازہر میں درس دیتے رہے ہیں۔ اُن گنت مفید کتابیں لکھیں۔ ۱۰۶۹ھ = ۱۶۵۹ء کو قاہرہ میں وفات پائی۔
[خلاصۃ الاثر ۲: ۳۸، الاعلام ۲: ۲۰۸]

(۳) مولانا رشید احمد گنگوہی ۶ ذوالقعدہ ۱۲۴۴ھ = ۱۸۲۹ء کو گنگوہ [انڈیا] میں پیدا ہوئے۔ ابھی چھوٹے ہی تھے کہ اُن کے والد وفات پا گئے، اُن کے دادا نے اُن کی تربیت کی۔ شاہ عبدالغنی کے شاگرد رہے ہیں حاجی اِمداد اللہ مہاجر مکی سے بیعت کی اور خلافت سے نوازے گئے۔ ۸ یا ۹ جمادی الثانیہ ۱۳۲۳ھ = ۱۱ اگست ۱۹۰۵ء کو وفات پائی۔ [بیس بڑے مسلمان: ۱۲۵-۲۲۵]

بأسمع منهم أي : بأعلم منهم ' فَسَّرَتْهُ بذلك عائشة رضي الله عنها ' فلا يكون دليلاً للسماع 'فَالظَّاهِرُ إِنْكَارُ السَّمَاعِ' وَهُوَ الأَصَحُّ عِنْدَنَا . [الکوکب الدری ۱:۳۱۹]

''سماعِ موتی کے منتجین کہتے ہیں کہ قلیب بدر والوں کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کا خطاب کرنا مُردوں کے سننے پر واضح دلیل ہے۔ منکرینِ سماعِ موتی میں سے بعض نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ یہ نبی اکرم ﷺ کے خصوصیات میں سے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کے ارواح اُن کے اَجساد کی طرف لوٹا دیے تا کہ آپ ﷺ کی بات سن سکیں......اور بعض نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قریش کو غصہ دلانے کے لیے قلیب بدر والوں سے خطاب فرمایا۔ رہی رسول اللہ ﷺ کی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہی ہوئی بات کہ میں ان سے جو گفتگو کر رہا ہوں اُس کو یہ تم سے زیادہ سنتے ہیں' سو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اس کو تم سے زیادہ سمجھتے ہیں [اس لیے کہ انہوں نے عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھا] سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی یہی تفسیر کی ہے [کہ سمع سے مراد یہاں علم ہے] **پس یہ روایت سماعِ موتی کی دلیل نہیں بن سکتی' بہر حال ظاہر بات سماعِ موتی کا انکار ہے اور یہ ہمارے [علماءِ دیو بند اور علماءِ احناف] نزدیک سب سے زیادہ صحیح ہے۔''**

اِن فقہاء کا اس کو معجزہ اور خصوصیتِ نبی اکرم ﷺ کہنا بے دلیل نہیں ہے' اس لیے کہ حدیث میں وارِد ہے کہ: وقفَ النبي ﷺ على قَلِيْبِ بدرٍ فقال: هل وجدتم ما وعد ربكم حقًّا؟ ثم قال: إنهم الآن يسمعون ما أقولُ . [صحیح بخاری' کتاب المغازی [۶۴] باب قتل ابی جہل [۸] حدیث: ۳۹۸۱]

''رسول اللہ ﷺ قلیبِ بدر پر کھڑے ہو کر فرمانے لگے کہ تمہارے پروردگار نے تمہارے ساتھ جو وعدہ فرمایا تھا' تم نے اُس کو سچا پالیا؟ پھر [کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوال کے بعد] فرمایا یقیناً یہ [بدر کے مقتول مشرک جو اِس کنوئیں میں پھینکے ہوئے پڑے ہیں] خاص اِس وقت میں [جب میں اُن سے گفتگو کر رہا ہوں] میری خاص [یہ بات] سن رہے ہیں جو میں ان سے کہہ رہا ہوں۔''

رسول اللہ ﷺ نے اِس فصیح و بلیغ اور نہایت مختصر عبارت میں چار طرح کی تخصیصی کلمات ارشاد فرمائے ہیں۔ [۱] إِنَّهُمْ [۲] الآنَ [۳] يَسْمَعُوْنَ [۴] مَاأَقُوْلُ لَهُمْ.

[۱] إِنَّهُمْ : هُمْ ضمیر اہلِ بدر کی طرف راجع ہے' کیونکہ پہلے اُن کا ذِکر ہے۔ عام مُردوں کا کوئی ذِکر

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

نہیں اور ضمیرِ غائب اُسی کی طرف راجع ہوتی ہے جس کا پہلے ذِکر ہوا اس لیے هُــم ضمیر سے مراد بالخصوص بدر کے مشرک مقتول ہیں اور بس۔

[۲] اَلآنَ: یہ خصوصیتِ وقتی کے لیے موضوع ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ خاص اِس وقت جو گفتگو میں کررہا ہوں صرف یہی میری گفتگو یہ قلیبِ بدر کے مشرکین سن رہے ہیں۔

[۳] یَسْمَعُوْنَ: مضارع مثبت کا صیغہ ہے جسے واضع نے زمانہ حال کے لیے وضع کیا ہے جیسے شہادتین میں: اَشْهَدُ أَن لَّااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَاَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰهِ اس کے یہ معنی نہیں کہ شہادت دوں گا بلکہ یہ معنی ہے کہ میں شہادت دیتا ہوں اور دے رہا ہوں اور اگر بالفرض مضارع کو زمانہ حال واستقبال کے مابین مشترک مانیں تو چونکہ عموم المشترک ناجائز ہے اس لیے ایک ہی معنی لے سکتے ہیں۔ اگر متکلم ایک معنی کی تعیین کر دے تو یقیناً وہی معنی مراد ہوگا اور دوسرے معنی مراد نہیں لیے جاسکتے۔ یہاں رسول اللہ ﷺ نے اپنی معصوم زبان مبارک سے اَلآنَ کا لفظ بول کر یَسْمَعُوْنَ مضارع کے حال والے معنی کو متعین فرمایا اور استقبال والے معنی کی نفی فرمادی یعنی اب تو سن رہے ہیں۔ یہ نہیں کہ آیندہ جو بات میں ان سے کروں گا وہ بھی ضرور سنا کریں گے۔ پس اِس حدیث کے اِس لفظ کے رو سے آیندہ زمانہ کی نسبت سننے کا کچھ ثبوت نہیں ملتا خواہ یہی قلیب بدر والے مقتول مشرک ہی کیوں نہ ہوں جن کے بارے میں اِس وقت سننا ثابت کیا جارہا ہے۔ پھر دوسرے قبروں والوں کا سننا تو کسی طرح ثابت نہیں ہوسکتا۔

نیز یَسْمَعُوْنَ قضیہ شخصیہ ہے اور اہلِ منطق کے نزدیک قضیہ شخصیہ اُنہیں کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے جن پر حکم لگتا ہے۔ دوسرے اس حکم کے تحت نہیں آتے بلکہ مسکوت عنہ کے حکم میں ہوتے ہیں یہاں بھی یہی قاعدہ لاگو ہوگا یعنی صرف قلیب بدر والے مُردہ مشرکین نے وہ باتیں سن لیں اس میں دوسرے مُردوں کے متعلق نہ سننے کا اِثبات ہے اور نہ نفی اس لیے اس حکم کے حاصل کرنے کے لیے کوئی دوسری دلیل تلاش کرنی ہوگی۔

[۴] یَسْمَعُوْنَ کے بعد رسول اللہ ﷺ کی معصوم اور فصیح و بلیغ زبان مبارک نے یہ عبارت فرمائی: مَااَقُوْلُ لَهُمْ اور صرف یَسْمَعُوْنَ فرمانے پر اِکتفا نہیں کیا حالانکہ کسی فصیح و بلیغ شخص کے ہر لفظ میں کئی کئی نکتے ہوتے ہیں پھر افصح العرب اور صاحب جوامع الکلم ﷺ کس طرح بغیر نکتے کے

بات کریں گے؟ اگر یَسْمَعُوْنَ پر اکتفا کرتے تو چونکہ مفعول کا ترکِ ذِکر عموم پر دلالت کرتا ہے' اس لیے یہ ثابت ہوتا کہ قلیبِ بدر کے مقتول مشرک سب کی بات سنتے ہیں' لیکن مَا اَقُوْلُ لَهُمْ کا اِضافہ فرما کر تخصیص فرمادی' تو حدیث شریف کا مطلب یہ نکلا کہ صرف اِن کافروں سے [ان کی زجر و توبیخ کے لیے] اِس خاص وقت میں جو کچھ صرف میں ان سے کہہ رہا ہوں' صرف یہی میری بات سن رہے ہیں۔

چونکہ اِس حدیث میں تعمیم کا کوئی ایک لفظ بھی موجود نہیں ہے' اس لیے جہان بھر کے مُردوں کے لیے ہر زیارت کرنے والے کی ہر بات سننا' جس وقت بھی زیارت کرنے والا آئے اور میت سے گفتگو کرے' اس حدیث سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا' جب سننا ثابت نہیں تو جواب دینا کیسے ثابت ہوگا' جب کہ زیرِ بحث حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے تصریح فرمادی ہے کہ وَلٰكِنْ لَّا يُجِيْبُوْنَ کہ یہ سننے والے بھی جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے اور وہ بھی صاحبِ معجزہ نبی ﷺ کو' پھر جو سرے سے سنتے ہی نہیں بھلا اُن سے جواب دینے کی کیا توقع رکھی جا سکتی ہے' جب کہ قبر کے پاس کھڑے ہو کر کلام کرنے والے روحانی طاقتِ نبوت بھی نہ رکھتے ہوں؟

یہ صرف ہماری رائے نہیں ہے بلکہ مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندیؒ (۱) نے ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ:

''اس بارہ میں بندہ نے وہی لکھا ہے جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا جب اُن سے کہا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اہلِ قلیب کے بارہ میں فرمایا ہے: ما أنتم بأسمع منهم' کہ تم اموات سے زیادہ سننے والے نہیں ہو تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ما أنتم بأعلم منهم یعنی یہ کہ تم اُن سے زیادہ نہیں جانتے' غرض یہ کہ علم و اِدراک نہیں ہو سکتا۔

---

(۱) عزیز الرحمٰن بن مولانا فضل الرحمٰن۔ ۱۲۷۵ھ کو دیوبند میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد اپنے زمانہ کے عالم و فاضل' اردو ادب کے ماہر اور ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھے۔ دار العلوم دیوبند میں علم حاصل کیا۔ ۱۲۹۸ھ کو علوم و فنون کی تحصیل سے فراغت ہوئی۔ ۱۲۹۹ھ میں دار العلوم دیوبند میں بلاتنخواہ مدرس مقرر ہوئے۔ ۳۶ سال تک دار العلوم دیوبند کے مفتی رہے۔ ۱۷ جمادی الثانیہ ۱۳۴۷ھ کو وفات پا گئے۔ [اکابر علماءِ دیوبند: ۵۳-۵۹]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

بہروں کو علم و اِدراک ہوتا ہے اور سماع نہیں ہوتا۔ پس اِن قصوں میں نہ پڑیں اور اس کو کسی عالم سے سمجھ لیں اور یہ مسئلہ جان لیں کہ قرآن مجید میں سماع موتی کا اِنکار کیا گیا ہے لہذا احدیث شریف میں تاویل کرنا مناسب ہے۔'' [فتاویٰ دار العلوم دیوبند مکمل و مدلل ۵: ۳۱۳-۳۱۴، سوال: ۳۲۰۰]

شیخ الطائفہ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ لکھتے ہیں:

''الجواب: مسئلہ سماعِ موتی قرنِ اول میں مختلف فیہ ہوا ہے، اب اس کا فیصلہ تو ممکن ہی نہیں مگر بتقلید اپنے مجتہد مقلد کوئی ترجیح کی جانب اگر میلان کرے تو مضایقہ نہیں، سو مسلک سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا مثل طریقہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے یہ ہے کہ آیت قطعی کو اپنی حالت میں رکھ کر اور معنی حقیقی پر حمل کر کے -کہ اصل موضوع لہ ہے- حدیث میں -کہ شرح قرآن ہے- تاویل مناسب ہے جب تک قطعی معنی حدیث پر حاصل نہ ہو جائے چنانچہ اصول میں مبرہن ہے پس آیت اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى قطعی خاص اور احادیث وسماع ظنی۔ اخبارِ آحاد سے تخصیص کس طرح درست ہو سکتی ہے؟ پھر اس آیت میں استعارہ ہے کہ کفار کو اموات سے تشبیہ دیا ہے اور مستعار منہ میں معنی وجہ شبہ کی حقیقتاً ہوتی ہے، چنانچہ ظاہر ہے کہ میت اور اصم میں صلاحِ سماعت نہیں لہذا معنی عدمِ اجابت کی، جو مجاز ہے مشبہ بہ میں لینا کیسے درست ہوگا، البتہ مشبہ میں یہی مراد ہے، لہذا حسبِ قاعدہ مرجح جانب عدمِ سماع ہے۔...... الحاصل اَرجح مذہب عدم سماع کا ہے، حسبِ قواعد، پس احادیث سماع میں تاویل مناسب ہے۔'' [لطائف رشیدیہ: ۱۱-۱۲، ضمن تالیفاتِ رشیدیہ: ۶۷۶-۶۷۷]

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا سماعِ موتیٰ سے انکار

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سماع موتی [مُردوں کے سننے] سے انکار کرتی ہیں، ان کا انکار صرف قیاس وعقل پر مبنی نہیں بلکہ وہ اس دعوی پر اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى [سورۃ النمل ۲۷: ۸۰] اور فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى [سورۃ الروم ۳۰: ۵۲] سے استدلال کرتی ہیں، اور قلیب بدر والی روایت مَاأنتم بأ سمع منهم کی انہوں نے یوں تاویل کی ہے کہ:

إنما قال النبي ﷺ: إنهم ليعلمون الآن أن ما كنت أقول حق وقد قال الله تعالى: اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى. [صحیح بخاری، کتاب المغازی [۶۴] باب قتل ابی جہل [۸] احادیث: ۳۹۷۹-۳۹۸۰]

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ اب جان لیں گے کہ جو میں کہتا تھا وہ حق ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تو مُر دوں کو نہیں سنا سکتا۔''

اس استدلال کے جواب میں مولانا حمد اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ:

وأما إنكار عائشة رضي الله عنها فإنما هو لأجل تمسكها بظاهر قوله تعالى: اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى، وَمَآاَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ. [البصائر: ۱۷۰ مطبوعہ پشاور ۵۱۶ مطبوعہ ترکی]

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اِنَّكَ لَاتُسْمِعُ الْمَوْتٰى کے ظاہر سے استدلال کرتے ہوئے سماع موتی [مُر دوں کے سننے] سے انکار کیا ہے۔''

ایک جگہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام لے کر لکھا ہے: هذا التأويل جدير بأن يضحك به.

[البصائر مطبوعہ پشاور: ۶۸، مطبوعہ ترکی: ۵۷]

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ تأویل [کہ مردے سنتے نہیں، بلکہ عذاب کو محسوس کرتے ہیں] اس لائق ہے کہ اس کا مذاق اڑایا جائے۔''

جی جناب! شریر بچے اپنی ماں کا مذاق اڑاتے ہیں اور شریف بچے اپنی ماں کا ارشاد سر آنکھوں پر رکھتے ہیں۔

مولانا صاحب یہ بھی لکھتے ہیں: وبالجملة أن عائشه رضي الله عنها أنكرت سماع الموتى متمسكة بهاتين الآيتين ولكن العلماء أجابوا عن قولها.

[البصائر مطبوعہ پشاور: ۲۰، مطبوعہ ترکی: ۱۹]

''بے شک سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان دو آیتوں سے استدلال کرتے ہوئے سماع موتی کا انکار کیا ہے لیکن علماء نے ان کے قول کے جواب دیے ہیں۔''

سوال یہ ہے کہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ عنہما کا وہ قول جس کا ماخذ قرآن مجید ہے قابلِ تردید ہے یا قابل تقلید؟ اس سے بڑی گستاخی کیا ہو سکتی ہے کہ ام المؤمنین کے اس قول کو رد کیا جائے جس میں وہ نص قطعی سے ثبوت پیش کرتی ہیں۔

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی علمی حیثیت معلوم کرنے کے لیے سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ [(۱)] کی یہ شہادت کافی ہے کہ: ما أشكل علينا أصحاب رسول الله ﷺ حديثاً قط فسألنا عائشة إلّا وجدنا عندها منه علماً. [سنن ترمذی، کتاب المناقب [۵۰] باب فضل عائشہ رضی اللہ عنہا [۶۳] حدیث: ۳۸۸۳]

''ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں کو کبھی کوئی ایسی مشکل بات پیش نہیں آئی جس کو ہم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا ہو اور ان سے اس کے متعلق کچھ معلومات نہ ملی ہوں۔''

ابن شہاب زہریؒ [(۲)] کی شہادت ہے کہ: لو جُمِع علم عائشة إلى علم جميع أمّهات المؤمنين وعلم جميع النساء فكان علم عائشة أفضل وأكثر.

[مستدرک ۴: ۱۱، تہذیب الکمال ۳۵: ۲۳۵، الاصابہ ۴: ۳۶۰، واللفظ لہ]

''اگر امہات المؤمنین اور دوسری تمام عورتوں کا علم جمع کیا جائے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے علم سے اس کا موازنہ کیا جائے تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم وسیع تر ہوگا۔''

عروۃ بن زبیرؒ کا قول ہے: ما رأيت أحداً من الناس أعلم بالقرآن ولا بفريضة ولا بحلال ولا بحرام ولا بشعر ولا بطب ولا بحديث العرب ولا نسب من عائشة رضي الله عنها.

[مستدرک ۴: ۱۱، صفة الصفوة ۲: ۳۲]

''میں نے لوگوں میں قرآن، فرائض، حلال وحرام، شاعری، طب، تاریخِ عرب اور نسب کا سیدہ

---

(۱) عبداللہ بن قیس بن سُلیم بن حضّار، قحطان قبیلہ کی شاخ بنو اشعر سے تعلق رکھتے تھے۔ ۲۰، ۲۱ قبل ہجری کو زبید [یمن] میں پیدا ہوئے۔ ظہور اسلام کے ابتدائی دور میں اسلام قبول کیا۔ حبشہ ہجرت کی۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں زبید، عدن اور ساحل یمن کا عامل مقرر کیا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں ۱۷ ہجری کو کوفہ و بصرہ کا والی مقرر کیا۔ اصبہان اور اہواز آپ نے فتح کیے ہیں۔ ۴۴ھ = ۶۶۵ء کو مکہ میں وفات پائی۔ آپ سے ۳۵۵ احادیث روایت کی گئی ہیں۔ [الاصابہ ۲: ۳۵۹، الاعلام ۴: ۱۱۴]

(۲) محمد بن مسلم بن عبداللہ بن شہاب زہری، قریش کی شاخ بنو زہرہ بن کلاب سے تعلق تھا۔ ۵۱ھ = ۶۷۱ء کو پیدا ہوئے۔ مدینہ منورہ میں پلے بڑھے۔ حافظ وفقیہ تابعی ہیں۔ ۱۲۴ھ = ۷۴۲ء کو حجاز اور فلسطین کے بارڈر پر وفات پائی۔ [وفیات الاعیان ۴: ۱۷۷، غایۃ النہایۃ ۲: ۲۶۲، الاعلام ۷: ۹۷]

عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں دیکھا۔"

مشہور تابعی امام مسروقؒ (۱) سے پوچھا گیا: کیا عائشہ رضی اللہ عنہا علمِ فرائض [میراث] جانتی تھیں؟ انہوں نے فرمایا: إي! والذي نفسي بيده لقد رأيت مشيخة أصحاب محمد ﷺ والأكابر يسئلونها عن الفرائض.

[طبقات ابن سعد ۸: ۶۶' مستدرک ۴: ۱۱' تہذیب الکمال ۳۵: ۲۳۴' صفۃ الصفوۃ ۲: ۳۳]

"ہاں' اللہ کی قسم! بڑے بڑے صحابہ ان سے میراث کے مسائل پوچھا کرتے تھے۔"

عقائد کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ: والنُّصُوصُ مِنَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ تُحْمَلُ عَلَى ظَوَاهِرِهَا مَا لَمْ يُصْرَفْ عَنْهَا دَلِيْلٌ قَطْعِيٌّ. [النبراس شرح شرح العقائد: ۳۳۳]

"قرآن وسنت کے ظاہر پر عمل کیا جائے گا اور نصوص کو ظاہر پر محمول کیا جائے گا جب تک اس کے خلاف نص قطعی موجود نہ ہو۔"

اس کے برخلاف فرقہ باطنیہ -جو اسماعیلیہ فرقے کی ایک شاخ ہے- کا عقیدہ ہے کہ قرآن وحدیث کے ظاہری الفاظ کے باطنی معنی ہی مراد ہیں (۲) اور مولانا صاحب اہل سنت وجماعت کا مدعی ہونے کے باوجود لکھتے ہیں کہ: لأن الأخذ بظواهر الكتاب والسنة من أصول الكفر.

[البصائر لمنکری التوسل باہل المقابر: ۶۳' مطبوعہ پشاور' ۵۲' مطبوعہ ترکی]

"قرآن وسنت کے ظاہر پر عمل کرنا اصول کفر میں سے ہے۔"

---

(۱) مسروق بن أجدع بن مالک ہمدانی' وادِعی' ابوعائشہ' ثقہ اور جلیل القدر تابعی تھے۔ یمن کے باشندے تھے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مدینہ منورہ تشریف لائے' اس کے بعد کوفہ میں سکونت اختیار کی۔ ۶۳ھ = ۶۸۳ء کو وفات پائی۔ [الطبقات الکبریٰ ۶: ۷۶' الاعلام ۷: ۲۱۵]

(۲) تفصیل کے لیے علامہ عبدالقاہر بغدادیؒ کی الفَرقُ بَیْنَ الْفِرَقِ ۲۸۱-۳۱۳ دیکھئے۔

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا اپنے موقف سے رجوع

مولانا حمداللہ صاحب لکھتے ہیں: وذكرفي المواهب اللدنية أنه ذكرفي مغازي محمد بن إسحاق بإسناد جيد، وذكرالإمام أحمدأيضاً بإسناد حسن عن عائشة رضي الله عنها مثل حديث عمر رضي الله عنه، فعُلِمَ من هذا رجوع عائشة رضي اللّٰه عنها إلى كلامهم لأن الرواية قد ثبتت عن الصحابة الكبار وعائشة رضي اللّٰه عنها ماحضرت تلك القضية.

[البصائر لمنکری التوسل باہل المقابر: ۳۰]

''مواہب اللدنیہ میں مذکور ہے کہ مغازی محمد بن اسحاق میں جید سند سے اور امام احمد نے بھی حسن سند کے ساتھ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی طرح روایت ذکر فرمایا ہے جس سے سیدہ عائشہ کا اپنے موقف سے رجوع ثابت ہوتا ہے اس لیے کہ [سماع والی] روایت کبار صحابہ سے ثابت ہے، نیز سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس قضیہ میں حاضر بھی نہ تھیں (۱)۔''

---

(۱) شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر ؒ لکھتے ہیں: ''بقولِ حافظ ابن حجرؒ خود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا انکارِ سماعِ موتی سے رجوع کر کے جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہم نوا ہو گئیں اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے رجوع کی وہ صحیح روایت بھی تائید کرتی ہے جو ابن ابی ملیکہ سے یوں مروی ہے کہ: قال:توفي عبدالرحمن بن أبي بكر رضي الله عنه بالحُبْشِي قال:فحملَ إلى مكة فدفن فيهافلماقدمت عائشة رضي اللّٰه عنها أتت قبرعبدالرحمن بن أبي بكر رضي الله عنه......ثم قالت:واللّٰه لو حضرتُكِ مادُفِنتَ إلاّ حيثُ مِتَّ ولوشهدتُكَ مازُرتُكَ.

[ترمذی ۱: ۱۲۵]

''عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما [مکہ مکرمہ کے قریب دس بارہ میل کے فاصلے پر] حُبْشِی کے مقام پر وفات پاگئے اور اُن کو اُٹھا کر مکہ مکرمہ لایا گیا اور وہاں اُن کو دفن کیا گیا، جب سیدہ عائشہ [حج کے موقع پر] آئیں تو عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی قبر پر بھی آئیں...... پھر فرمایا: اللہ کی قسم! اگر میں تیری وفات کے وقت حاضر ہوتی تو تُو وہاں ہی دفن کیا جاتا جہاں تیری وفات ہوئی تھی اور اگر میں اُس وقت موجود ہوتی تو اب تیری قبر کی زیارت کے لیے نہ آتی۔''

ظاہر بات ہے کہ اگر یہ محض تحسّر اور افسوس کے طور پر خیالی رنگ میں سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے خطاب ہوتا تو سیدہ عائشہ کو اُن کی قبر پر حاضر ہو کر یہ کہنے کی حاجت نہ ہوتی، وہ مدینہ طیبہ میں یا دور ہی سے ایسا کہہ دیتیں۔ یہ خطاب اُن کے رجوع کا واضح قرینہ ہے۔'' [سماع الموتی، شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر: ۲۹۴-۲۹۵]

محترم شیخ الحدیث صاحب کی خدمتِ اقدس میں عرض ہے کہ اس روایت کی سند اس طرح ہے: ......

اس میں دو جملے ایسے ہیں جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا رجوع والا قول کمزور بنا دیتا ہے: ومن الغریب اور فإن کان محفوظاً یعنی خود انہیں ان روایات پر اطمینان حاصل نہیں۔

رہی یہ بات کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس واقعہ میں حاضر نہ تھی' سو اس کا جواب حافظ ابن حجرؒ نے یہ دیا ہے کہ: إنها لم تحضر صحيح' لكن لا يقدح ذلك في روايتها لأنه مرسل صحابي' وهو محمولٌ على أنها سمعت ذلك ممن حضره أو من النبي ﷺ ولو كان ذلك قادحاً في روايتها لقدح في رواية ابن عمر رضي الله عنه فإنه لم يحضر أيضاً.

[فتح الباری ٣: ٢٣٤-٢٣٥' کتاب الجنائز [٢٣] باب ماجاء فی عذاب القبر [٨٦] بذیل حدیث: ١٣٧١]

''یہ بات صحیح ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس واقعہ میں حاضر نہیں تھیں لیکن اُن کا موجود نہ ہونا اُن کی روایت کو قابل اعتراض نہیں بناتی' اس لیے کہ یہ صحابی کی مرسل روایت ہے [جو صحیح ہوتی ہے] مولانا صاحب نے مواہب اللدنیہ کی پوری عبارت نقل نہیں کی' جو اس طرح اور جو اصل میں حافظ ابن حجر عسقلانی کی عبارت ہے: ومن الغريب أنّ في المغازي لابن إسحاق من رواية يونس بن بُكير بإسنادٍ جيدٍ وفيه: ما أنتم بأسمع لما أقول منهم. وأخرجه الإمام أحمد بإسنادٍ حسنٍ فإن كان محفوظاً فكأنها رجعت عن الإنكار' لما ثبت عندها من رواية هؤلاء الصحابة' لكونها لم تشهد القصة. [فتح الباری ٧: ٣٠٣-٣٠٤' کتاب المغازی [٦٤] باب قتل ابی جہل [٨] بذیل حدیث: ٣٩٧٩' مواہب اللدنیہ بشرح الزرقانی ٢: ٣٠٨]

اور یہ اس پر محمول ہے کہ اُنہوں نے موقع پر موجود کسی حاضر صحابی سے یا رسول اللہ ﷺ سے یہ بات سنی ہے اور اگر اُن کا موجود نہ ہونا روایت کو قابلِ اعتراض بنا دیتی ہے تو پھر سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت پر بھی اعتراض وارد ہوگا اس لیے کہ آپ بھی اس موقع پر موجود نہیں تھے۔''

......حدثنا الحسينُ بنُ حُرَيثٍ. حدثنا عيسَى بنُ يونُسَ عن ابن جريج' عن عبدِاللّٰهِ بنِ أبي مُلَيكة.

[جامع ترمذی' کتاب الجنائز [٨] باب [٦١] حدیث: ١٠٥٥' مصنف ابن ابی شیبۃ ٧: ٣٦٨-٣٦٩ کتاب الجنائز [٦] باب من رخّص فی زیارۃ القبور [١٤٧] حدیث: ١١٩٣٣]

یہ روایت شیخ الحدیث صاحب کو مفید نہیں اس لیے کہ اس کی سند میں عبداللہ بن ابی ملیکہ کا شاگرد ابن جریج ہے جس کے متعلق محترم جناب مولانا صاحبؒ نے احسن الکلام ٢: ١٥٢ میں لکھا ہے کہ امام دار قطنیؒ علامہ ذہبیؒ اور مبارک پوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ وہ مدلس تھے۔ اور یہاں وہ عنعنہ سے روایت کرتے ہیں۔

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

سماع یا اِسماع

مولانا صاحب لکھتے ہیں: أنّ في الآيةِ نفي الإسماع، ولا يلزم منه نفيُ السماع.

[البصائر: ۱۷]

''اس آیت میں اِسماع [سنانے] کی نفی ہے، جس سے سماع [سننے] کی نفی لازم نہیں۔''

جب کہ مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندیؒ نے لکھا ہے: ''إِنَّكَ لَاتُسْمِعُ الْمَوْتٰى'' وغیرہ نصوص سے عدمِ سماعِ موتیٰ ظاہر ہے ' فَإنَّ عدم الإسماع يستلزم عدم السماع، وهو قول محققي الحنفية. '' [فتاویٰ دار العلوم دیوبند مکمل و مدلل ۵: ۲۹۶، سوال: ۳۱۴۳]

''اس لیے کہ عدمِ اِسماع [نہ سنا سکنا] عدمِ سماع [نہ سننے] کو ستلزم ہے اور یہی محققین احناف کا مذہب ہے۔''

شیخ الطائفہ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کی اِملائی کتاب میں ہے: إنه لماشَبَّهَ الكفارَ بالأمواتِ في عدم السماعِ علم أن الأموات لايسمعون وإلّا لم يصح التشبيه.

[الکوکب الدری ۱: ۳۱۹]

''جب کافروں کو مُردوں سے عدمِ سماع میں تشبیہ دی گئی تو معلوم ہو گیا کہ مُردے نہیں سنتے ورنہ تشبیہ صحیح نہیں ہوگی۔''

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ (۱) لکھتے ہیں: ''اصل تو یہی ہے کہ اَموات کا مستقل سننا ثابت نہیں، إِنَّكَ لَاتُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَاتُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ یہ آیتِ قرآنی اس بارے میں نص ہے اور اسی وجہ سے مشائخ قبور پر جا کر اُن کو مخاطب کر کے اُن سے طلب کو ناجائز کہتے ہیں۔''

[کتب فضائل پر اِشکالات اور اُن کے جوابات: ۱۹۹]

---

(۱) محمد زکریا بن مولانا محمد یحییٰ، کاندھلہ میں ۱۹۰۴ء کو پیدا ہوئے۔ اپنے چچا مولانا محمد الیاس سے قریباً تمام علوم اسلامیہ میں کسب فیض کیا۔ علوم حدیث اپنے والد سے پڑھے۔ مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ بیس سال کی عمر میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں مدرس مقرر ہوئے۔ ایک درجن سے زیادہ کتابیں لکھیں۔ ۱۹۷۶ء میں وفات پائی۔ [انسائیکلوپیڈیا مسلم شخصیات: ۵۵۹]

اصل میں سِماع [سننا] فرع ہے اِسماع [سنانے] کی جب اِنسان کی طرف سے بالکلیہ اِسماع [سنانا] نہیں تو سِماع [سننا] جو اِسماع [سننے] کی فرع ہے وہ بھی نہ ہوگا کیونکہ جب اصل ہی ثابت نہ ہوگی تو فرع کہاں سے ثابت ہوگی جب جڑ ہی نہیں تو ٹہنیاں کہاں پیدا ہوں گی۔ اِسماع کی نفی اس آیت میں ہے: وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ. [سورۃ فاطر ۳۵:۲۲]

''اور زندہ اور مردے یکساں نہیں ہیں۔ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے سناتا ہے اور تم اُن کو سنانے والے نہیں [بن سکتے] جو قبروں کے اندر ہیں۔''

محدث ابن التینؒ [(۱)] کہتے ہیں: لا مُعارَضَةَ بين حديث ابن عمرؓ و الآية لأن الموتى لا يسمعون بلاشك لكن إذا أراد الله إسماع ماليس من شانه السماع لم يمتنع كقوله: اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ وقوله: فَقَالَ لِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا. [فتح الباری ۳:۲۳۵، کتاب الجنائز [۲۳] باب ماجاء فی عذاب القبر [۸۶] تحت حدیث: ۱۳۷۱، عمدۃ القاری ۸:۲۰۲]

''سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث اور آیت کریمہ اِنَّكَ لَاتُسْمِعُ الْمَوْتٰى کے مابین کوئی تعارُض نہیں ہے کیونکہ اس بات میں تو واقعی کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ مُردے نہیں سنتے مگر جب کبھی اللہ تعالیٰ اُس ناقابل شے کو سنانا چاہے جس کی شان میں سننا نہ ہو تو اُس کو سنا سکتا ہے جیسا کہ زمین وآسمان سے اُس نے کلام کیا اور اپنی امانت کا بوجھ آسمان، زمین اور پہاڑوں پر رکھنا چاہا۔ نیز جیسے اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین ہر دو سے کہا میرا حکم مانو۔''

معلوم ہوا کہ مٹی، زمین، آسمان، پہاڑ اور پتھر کے اندر سننے کی صلاحیت نہیں ہے، پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو سنایا تو بالکل اِسی طرح مُردوں میں بھی سننے کی صلاحیت اور قابلیت نہیں ہے لیکن جب کبھی اَحیاناً وہ ذات قادر علی الاطلاق کسی مردے کو کچھ سنانا چاہے تو سنا سکتا ہے جیسے قلیبِ بدر والے

---

(۱) عبدالواحد بن التین ابومحمد الصفاقسی المغربی المالکی۔ فقیہ، محدث اور مفسر تھے۔ ۶۱۱ھ کو وفات پائی۔ المخبر الفصيح في شرح البخاري الصحيح اُن کی کتاب ہے جس پر حافظ ابن حجر نے اعتماد کرکے اُس سے پورا فائدہ اُٹھایا ہے۔ [شجرۃ النور الزکیۃ: ۱۶۸، ہدیۃ العارفین ۱:۶۳۵]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی آواز کو مُردوں کو سنادی اور اپنے پیارے نبی ﷺ کا معجزہ ظاہر کردیا۔

علامہ سعد الدین تفتازانیؒ نے لکھا ہے: وأماقوله: وَمَآ أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ فتمثيل لحال الكَفَرَةِ حال الموتى، ولانزاع في أن الميت لايسمع.

[شرح المقاصد ۳: ۳۶۵، المقصد السادس فی السمعیات، فصل فی المعاد]

''اور اللہ تعالیٰ کے اِرشاد ''وَمَآ أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ'' میں کفار کے حال کو مُردوں کے حال سے تشبیہ دی گئی ہے اور اس میں کوئی نزاع نہیں کہ مُردے نہیں سنتے۔''

حدیث خَفْقُ النِّعَالِ

مولانا حمداللہ صاحب لکھتے ہیں: ومنهاقوله ﷺ: إنَّ الميت ليسمعُ خَفق نعالهم، فهذا أيضاً دليلٌ على أن الميتَ يسمع صوتاً خفيًّا وهوصوت خفق النعال.

[البصائر لمنکری التوسل باہل المقابر: ۱۷]

''سماعِ موتی کے دلائل میں سے ایک دلیل رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشادِ مبارک ہے کہ بے شک مُردہ [زندوں کے] جوتوں کی آواز سنتا ہے، پس یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ مُردہ باریک آواز بھی سنتا ہے جیسے جوتوں کی آواز۔''

اس حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں: إنَّ الميتَ إذا وضعَ في قبره وتولّى عنه أصحابه إنه ليسمع قرعَ نِعالهم، قال: يأتيهِ ملكانِ فيُقعدانه فيقولانِ له. [صحیح مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمہا و اہلہا [۵۱] باب عرض مقعد المیت من الجنۃ او النار [۱۷] حدیث: ۷۰-[۲۸۷۰] واللفظ لہ، سنن ابی داود، کتاب السنۃ [۳۴] باب فی المسألۃ فی القبر وعذاب القبر [۲۷] حدیث: ۴۷۵۳]

''جب مُردہ کو قبر میں رکھا جاتا ہے اور اُس کے ساتھی اُس سے چلے جاتے ہیں، ابھی وہ ان جانے والوں کی جوتیوں کی کھٹکھٹاہٹ ہی سُن رہا ہوتا ہے کہ اچانک اس کے پاس دو ملائکہ آکر اُسے بٹھا

دیتے ہیں اور اُس سے کہتے ہیں......(۱)۔"

اس حدیث کا مطلب شیخ الطائفہ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے یہ بیان کیا ہے کہ:

كنايةٌ عن إتيانِ سرعة الملئكة. [الکوکب الدری ۱:۳۱۹]

"[حدیث خفق نعال کا مطلب یہ ہے کہ دفن کے بعد] ملائکہ کے فوراً آ جانے سے کنایہ ہے۔"

نیز اگر حدیث کو ظاہر پر حمل کیا جائے اور یہ کہا جائے کہ مُردہ [زندوں کے] جوتوں کی آواز سنتا ہے تو پھر بھی مضر نہیں کیونکہ اس کا تعلق غیب سے ہے اور یہ کوئی قیاسی مسئلہ نہیں کہ اس پر دوسری چیزوں کو قیاس کیا جائے۔ پس جب حدیث میں وارِد ہوا کہ مُردہ [زندوں کے] جوتوں کی آواز سنتا ہے تو بس وہی چیز سنتا ہے جس کی حدیث میں تصریح کی گئی، کسی دوسری چیز سننے کے لیے دوسری دلیل پیش کرنی ہوگی۔

---

(۱) شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ لکھتے ہیں:

"اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ مُردہ دفن کے بعد قبر میں قبر سے واپس ہونے والوں کی جوتیوں کی کھٹکھٹاہٹ اور آواز سنتا ہے اور جب یہ سنتا ہے تو انسانوں کی آواز بطریقِ اَولیٰ سنتا ہے۔" [سماع الموتی: ۱۴۷-۱۴۸]

اس بارے میں اپنی طرف سے کچھ کہنے کے بجائے مولانا عبدالمجید صاحب لدھیانوی، باب العلوم کہروڑ پکا، ضلع لودھراں کا ارشاد سنیے جو فرماتے ہیں:

"اس ضمن میں ضابطے کے تحت وہی باتیں آئیں گی جن کی صراحت حدیث میں آ گئی جیسے پاؤں کی آہٹ کا سننا یا سلام کا سننا۔ اس کے علاوہ باقی باتیں کسی ضابطے کے تحت نہیں ہیں۔"

[خطباتِ حکیم العصر ۲:۲۵۲، عنوان: سماع الموتی]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

سماعِ موتیٰ کے لیے مولانا صاحب کے قطعی دلائل

مولانا حمداللہ صاحب نے اعلان فرمایا ہے کہ:فجمعتُ دلائلَ قاطعةً و حججاً واضحةً لمن يَدَّعِي التوسل إلى الله ببركة الأنبياء و الأولياء المدفونين في المقابر ' ويَدَّعِي سماع الأموات في البرزخ.[البصائر:۲'مطبوعہ پشاور'صفحہ:۴'مطبوعہ ترکی'تسہیل البصائر:۵]

''میں نے اُن لوگوں کے لیے قطعی دلائل اورواضح حجتیں جمع کی ہیں جواللہ تعالیٰ کے سامنے انبیائے کرام اورقبروں میں دفن کیے گئے اولیاء کے توسل کے قائل اور برزخ میں مُردوں کے، سننے کا دعویٰ کرتے ہیں۔''

آیئے دیکھتے ہیں کہ مسئلہ سماع موتی پراُنہوں نے کون کون سے قطعی دلائل پیش کیے ہیں؟

[۱]ومنهاقوله تعالى: وَلَاتَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ اَمْوَاتًابَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ.قال في التفسير المظهري۲:۱۲۱:يعني أن الله تعالى يعطي لأرواحهم قوة الأجساد فيذهبون من الأرض و السماءِ و الجنة حيث يشاؤن وينصرون أوليائهم و يدمرون أعدائهم إن شاء الله تعالى ومن أجل ذلك الحياة لاتأكل الأرض أجسادهم.

[البصائر:۷'۱پشاور'۲۲'ترکی]

''سماع موتی کے دلائل میں سے ایک دلیل یہ آیت کریمہ بھی ہے''وَلَاتَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ اَمْوَاتًابَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّاتَشْعُرُوْنَ''تفسیر مظہری۲:۱۲۱[۱:۱۵۲'بذیل تفسیر سورۃ البقرۃ۲:۱۵۴'مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو'کوئٹہ] میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کے اَرواح کواَجساد کی طاقت دیتا ہے تووہ جنت اورزمین وآسمان میں جہاں کہیں بھی چاہیں وہاں جاتے ہیں اوراگراللہ تعالیٰ چاہے تواپنے دوستوں کی مدد کرتے اوراپنے دشمنوں کوہلاک کرتے ہیں اوراسی حیات کی وجہ سے زمین اُن کوجسموں کونہیں کھاتی۔''

مولانا صاحب! کیا قاضی ثناءاللہ صاحب پانی پتی نص قطعی ہیں؟اگرجواب نفی میں ہےتو آپ نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کی آیت کی ایسی تفسیر کیوں نقل کی ہے،جس پرکوئی دلیل قائم نہیں؟

رہی آیت کریمہ میں حیات کاذکر'سواس بارے میں عرض ہے کہ حیات[زندگی] کی درج ذیل

قسمیں ہیں:

[ا] غم کا دور ہونا؛ جیسے ان آیات میں: وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ. [سورۃ البقرۃ ۲:۱۵۴]

''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں اُن کی نسبت یہ نہ کہنا کہ وہ مرے ہوئے ہیں' بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم [اُن کی زندگی کی کیفیت کو] نہیں جانتے۔''

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ.

[سورۃ آل عمران ۳:۱۶۹]

''اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے گئے اُن کو مرے ہوئے نہ سمجھنا بلکہ وہ اپنے رب کے نزدیک زندہ ہیں اور اُن کو رزق مل رہا ہے۔''

سیدنا عبداللہ بن مسعود ﷛ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس آیت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو اُنہوں نے فرمایا:

أرواحهم في جوفِ طير خُضْرٍ' لها قناديلٌ معلقةٌ بالعرش' تَسرح من الجنة حيث شاء ت' ثم تأوي إلى تلك القناديل ' فاطَّلَعَ إليهم ربهم اطِّلَاعَةً فقال: هل تشتهون شيئًا؟ قالوا : أيُّ شيءٍ نشتهي ونحن نسرح من الجنة حيث شئنا؟ ففعل ذلك بهم ثلاث مراتٍ ' فلمَّا رأوا أنهم لن يتركوا مِن أن يُّسألوا قالوا : يا ربِّ ! نريدُ أن تَرُدَّ أرواحَنا في أجسادنا حتى نُقتَلَ في سبيلك مرةً أُخرى ' فلما رأى أنْ ليس لهم حاجةٌ تُرِكُوا. [صحیح مسلم ۳:۱۵۰۲-۱۵۰۳' کتاب الامارۃ [۳۳] باب بيان أن أرواح الشهداء في الجنة وأنهم أحياء عند ربهم يرزقون [۳۳] حدیث: ۱۲۱-[۱۸۸۷]

''شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے جسم میں ہوتی ہیں اور اُن کے لیے عرش کے ساتھ ساتھ کچھ قندیلیں لٹکی ہوئی ہیں۔ یہ روحیں جنت میں جہاں چاہتی ہیں' وہاں سیر کرتی پھرتی ہیں' پھر ان قندیلوں میں واپس آ جاتی ہیں۔ اُن کے پروردگار نے اُن کی طرف دیکھا اور پوچھا کیا تمہیں کسی چیز کی خواہش ہے؟ انہوں نے کہا: ہم کس چیز کی خواہش کریں۔ ہم جہاں چاہیں سیر

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

کرتی پھرتی ہیں۔ اُن کے رب نے اُن سے تین بار یہی سوال کیا' اُنہوں نے جب دیکھا کہ جواب دیے بغیر کوئی چارہ نہیں تو کہا اے ہمارے پروردگار! ہم یہ چاہتے ہیں کہ تو ہماری روحیں ہماری جسموں میں لوٹا دے' تاکہ ہم تیری راہ میں پھر جہاد کریں اور پھر شہید ہوں۔ اللہ تعالیٰ جب دیکھے گا کہ اُن کو کوئی اور حاجت نہیں' تو اُنہیں اُن کی حال پر چھوڑ دے گا۔"

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما(۱) فرماتے ہیں: مجھے رسول اللہ ﷺ ملے اور پوچھا:

یاجابرُ! مالي أراك منكسراً؟ قلتُ: یارسولَ اللّٰه استُشهِدَ أبي قُتِلَ یومَ أُحُدٍ، وترك عیالاً ودَیناً، قال: أفلا أُبشِّرُكَ بمالَقِيَ اللّٰهُ به أباك؟ قلتُ: بلى یارسولَ اللّٰه! قال: ما كَلَّمَ اللّٰهُ أحداً قطُّ إلّا من وراءِ حجاب، وأحیا أباكَ فكَلَّمَهُ كِفَاحاً فقال: یاعبدي تَمَنَّ عَلَيَّ أُعطِكَ. قال: یاربِّ تُحییني فأُقتَلَ فیكَ ثانیةً. قال الربُّ عزوجل: إنه قد سبق مني أَنَّهُمْ إِلَيْهَا لَا يَرْجِعُوْنَ، قال: وأُنزلت هذه الآیة: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتاً. الآیة.

[سنن ترمذی ۵:۲۱۵' کتاب تفسیر القرآن [۴۸] باب [۴] تفسیر سورۃ آل عمران' حدیث: ۳۰۱۰]

"کیا بات ہے جابر! میں تمہیں شکستہ خاطر دیکھ رہا ہوں؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے والد جنگ اُحد میں شہید ہو گئے اور قرض اور چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں یہ بشارت نہ دوں کہ اُس کی اللہ تعالیٰ سے کیسے ملاقات ہوئی؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ ضرور بتلائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کسی سے کلام نہیں کرتا مگر پردے کے پیچھے سے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے باپ کو زندہ کیا پھر اُس سے رُو در رُو بات کی اور پوچھا: کچھ آرزو کرو جو میں تمہیں عطاء کروں۔ تیرے باپ نے کہا: میرے پروردگار! مجھے دوبارہ زندگی دے تاکہ میں دوسری مرتبہ تیری راہ میں شہید ہو جاؤں۔ اللہ

---

(۱) جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بن عمرو بن حرام' خزرجی' انصاری' سُلمی '۱۶ق ھ=۶۰۷ء کو پیدا ہوئے۔ باپ بیٹا دونوں صحابی ہیں۔ ۱۹ غزوات میں حصہ لیا۔ صحیحین میں ان کی ۱۵۴۰ روایتیں ہیں۔ ۷۸ھ=۶۹۷ء کو وفات پائی۔ [الاصابہ ۱:۲۱۳' الاعلام ۲:۱۰۴]

تعالیٰ نے فرمایا: یہ بات پہلے سے طے ہو چکی ہے کہ لوگ دوبارہ دنیا کی طرف نہ لوٹیں گے۔ راوی کہتا ہے: یہ آیت اس بارے میں نازل ہوئی۔"

ان روایات کا مطلب یہ ہوا کہ وہ جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں اور اسی معنی میں شاعر نے کہا ہے:

لَیْسَ مَنْ مَّاتَ فَاسْتَرَاحَ بِمَیْتٍ

إِنَّمَا المَیْتُ مَیّتُ الْاَحْیَاءِ

"جو شخص مر کر راحت کی نیند سو گیا وہ درحقیقت مردہ نہیں ہے۔ حقیقتاً مردے وہ ہیں جو زندہ ہونے کے باوجود مردے بنے ہوئے ہیں۔"

[۲] وہ حیات جس سے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات متصف ہوتی ہے؛ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ کی صفت میں حَيّ کہا جاتا ہے تو اس سے مراد وہ ذاتِ اَقدس ہوتی ہے جس کے متعلق موت کا تصور بھی نہیں ہو سکتا: اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ. [سورۃ البقرۃ ۲:۲۵۵]

"وہ زندہ ہے۔ سب کا قائم رکھنے والا۔"

[۳] قوتِ عاقلہ عاملہ: اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ. [سورۃ الانعام ۶:۱۲۲]

"کیا وہ جو مردہ تھا تو ہم نے اُس کو زندہ کر دیا اور ہم نے اُس کو ایک روشنی بخشی جس کو لے کر وہ لوگوں میں چلتا ہے۔"

اور اس معنی میں شاعر نے کہا ہے کہ:

و قدْ نادَیْتَ لو أسمعتَ حَیًّا

و لکن لا حَیاۃَ لِمَنْ تُنادِي

"اگر تو کسی زندہ کو پکارتا تو وہ سن لیتا لیکن جس کو تم پکارتے ہو اُس میں زندگی نہیں ہے۔ [یعنی عقل سے محروم ہے]۔"

[۴] آخرت کی دائمی زندگی جو علم و عقل کے ذریعے حاصل ہوتی ہے:

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ. [سورۃ الانفال ۸:۲۴]

''مومنو! اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کا حکم قبول کرو جو تمہیں ایسے کام کے لیے بلاتے ہیں جو تم کو زندگی [جاوداں] بخشتا ہے۔''

يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ. [سورۃ الفجر ۸۹:۲۴]

''کہے گا: کاش! میں نے اپنی زندگی [جاودانی] کے لیے کچھ آگے بھیجا ہوتا۔''

[۵] حیات بمعنی قوتِ اِحساس، اور اسی قوت کی بناء پر حیوان کو حیوان کہا جاتا ہے:

وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَاءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ. [سورۃ فاطر ۳۵:۲۲]

''اور نہ زندے اور مردے برابر ہو سکتے ہیں۔''

[۶] قوت نامیہ، جو حیوانات اور نباتات دونوں میں پائی جاتی ہے:

اِعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا. [سورۃ الحدید ۵۷:۱۷]

''جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہی زمین کو اُس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے۔''

[المفردات: ۱۳۸-۱۳۹]

اس سے معلوم ہوا کہ امام راغب اصفہانیؒ نے اس آیت کریمہ میں حیات کے معنی تلذُّذ اور ارتفاعِ غم کے لیے ہیں، نہ کہ معنی متعارَف اور دلیل میں احادیث کثیرہ کا حوالہ پیش کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام راغبؒ کے نزدیک احادیث کثیرہ میں جو حیات کا ذکر ہے اس حیات سے مراد یہی تلذُّذ اور ارتفاعِ غم ہی ہے اور امام راغبؒ کے نزدیک حیات کا یہ معنی نہیں کہ ان شہداء کے اَجسادِ عنصر یہ میں روح داخل کر دی جاتی ہے یا ان کا باہم تعلق اِشراف یا اِشراق کا ہوتا ہے۔

علامہ سید آلوسی بغدادیؒ نے امام راغبؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

والإعتمادُ على كلام الراغب أرغبُ في مثل ذلك عندالمحققين.

[روح المعانی ۹-۱۰:۴:۷۴، بذیل تفسیر سورۃ التوبۃ ۹:۲۵]

''محققین کے نزدیک ایسے مواقع پر راغب کے کلام پر اعتماد کرنا بہت مرغوب ہے۔''

[۲] ایک اور قطعی دلیل مولانا صاحب نے یہ پیش کی ہے کہ: قال البغوي: قيل: إنَّ أرواحهم تركع وتسجدُ كل ليلةٍ تحت العرش إلى يوم القيامة. قال عليه الصلاة والسلام: إنَّ

الشهداءَ إذااستشهدوا أنزل الله جسداً كأحسن جسد ثم يقال لروحه أدخلي فيه فينظرإلى جسده الأول.......[البصائر:۱۷]

''امام بغویؒ (۱) نے فرمایا ہے کہ کہا گیا ہے کہ اُن کی روحیں ہررات قیامت تک عرش کے نیچے رکوع اور سجدہ کرتی ہیں۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: جب کوئی شہادت پاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایک حسین وجمیل جسم کو اُتارتا ہے پھر اُس[شہید] کی روح سے کہا جاتا ہے: اس میں داخل ہو جاؤ تو وہ اپنی پہلی جسد کی طرف دیکھتا ہے......''

سوال یہ ہے کہ اس میں سماع موتیٰ کے لیے کون سی قطعی دلیل ہے؟ کیا امام بغوی قطعی دلیل کا نام ہے؟ یا اُن کی وہ عبارت جسے وہ صیغہ تمریض وتضعیف کے ساتھ نقل کرتے ہیں؟

پھر یہ بھی ہے کہ یہ ساری عبارت امام بغویؒ کی نہیں ہے اور نہ مذکورہ حدیث اُنہوں نے پیش فرمائی ہے۔ملاحظہ ہو تفسیر بغوی' جلداول:۲۹۳' بذیل تفسیر سورۃ آل عمران ۳:۱۶۹۔

رہی مولانا صاحب کی پیش کردہ روایت جسے حافظ سیوطیؒ نے امام ابن مندہؒ کے حوالے سے باسند نقل کیا ہے:أخرج ابن مندة من طريق عبد الرحمن بن زياد بن أنعم عن حيان بن جبلة قال:بلغني أن رسول الله ﷺ قال:إنَّ الشهيد إذااستشهد.[شرح الصدور:۱۰۳]

اس کا پہلا راوی عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم افریقی ہے۔امام ابن حبان (۲) لکھتے ہیں:۱۵۶ھ کو فوت ہوا۔ثقات کے نام سے موضوعات نقل کرتا ہے۔[المجروحین۲:۱۵' ترجمہ:۵۸۱]

---

(۱) حسین بن مسعود بن محمد' الفراء' ابومحمد' محی السنۃ' البغوی' محدث' فقیہ اور مفسر تھے۔ہرات ومرو کے مابین واقع قصبہ ''بغا'' میں ۴۳۶ھ=۱۰۴۴ء کو پیدا ہوئے۔شافعی فقیہ تھے۔۵۱۰ھ=۱۱۱۷ء کو مروالروذ میں وفات پائی۔

[وفیات الاعیان۲:۱۳۶' الاعلام۲:۲۵۹]

(۲) ابوحاتم ابن حِبّان[بکسر الحاء وتشدید الباء] محمد بن حِبّان بن احمد بن حِبّان بن معاذ بن معبد' تمیمی' ابوحاتم' بستی بجستانی۔تاریخ' جغرافیہ' رجال اور حدیث کے بہت بڑے عالم تھے۔حصولِ علم کے سلسلہ میں خراسان' شام' مصر' عراق اور جزیرہ کے سفر کیے۔۳۵۴ھ=۹۶۵ء کو وفات پائی۔

[معجم البلدان۲:۱۷۱' تذکرۃ الحفاظ۳:۹۲۰-۹۲۴]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

امام بخاریؒ (۱) فرماتے ہیں: اس کی روایات میں بعض منکر ہوتی ہیں۔[الضعفاء الصغیر،ترجمہ:۲۰۷]

اس کا دوسرا راوی حیان [حبان] بن جبلة [یا ابن ابی جبلة] ہے، جس سے زیاد بن انعم روایت کرتا ہے۔[الجرح والتعدیل ۳:۲۴۸، ترجمہ:۱۱۰۴، ۳:۲۶۹، ترجمہ:۱۲۰۱]

امام بخاریؒ نے بھی صرف اُس کا نام ہی نقل کیا ہے اور یہ کہ اس نے عبیداللہ بن عیزار سے روایت کی ہے۔[التاریخ الکبیر ۳:۵۹، ترجمہ:۲۱۵]

یہ راوی آگے کا سلسلہ نہیں بتاتا بلکہ بَلَغَنِي [مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا] کہہ کر روایت بیان کرتا ہے۔ اب آگے کا سلسلہ کن اُفراد پر مشتمل ہے؟ کیا وہ ثقہ تھے یا غیر ثقہ؟ یہ تو مولانا صاحب کی جرأت ہے کہ ایک بے بنیاد روایت کو قطعی نص کا نام دے کر اس سے سماع موتی کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ یہ روایت معضل (۲) ہے، جو ضعیف ہوتی ہے۔

[۳] مولانا حمداللہ صاحب نے سماع موتی کے ثبوت کے لیے ایک دلیل یہ پیش کی ہے:

---

(۱) محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ، بخاری، ابوعبداللہ، امیر المؤمنین فی الحدیث، ۱۹۴ھ = ۸۱۰ء کو بخارا میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں یتیم ہو گئے۔ طلب حدیث کے سلسلے میں مشقتیں اٹھائیں اور لگ بھگ ایک ہزار اساتذہ سے کسب فیض کیا، ۲۵۶ھ = ۸۷۰ء کو خرتنگ میں وفات پائی۔ [تذکرۃ الحفاظ ۲:۵۵۵، الاعلام ۶:۳۴]

(۲) لغت میں أعضَلَهُ سے اسم مفعول ہے، جس کے معنی: سخت ہونے، مشکل ہونے اور تنگ ہونے کے ہیں۔ اصطلاح میں وہ حدیث ہے، جس کی سند کے درمیان میں سے دو یا دو سے زیادہ راوی مسلسل حذف ہو گئے ہوں:

مِن أقسام السَّقط من الإسناد: إن كان اثنتين فصاعداً مع التوالي فهو المعضل.

[مقدمہ ابن الصلاح:۸۱، نوع:۱۱]

مثلاً امام مالکؒ اس طرح کہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمایا اور امام شافعیؒ اس طرح کہیں کہ: ابن عمرؓ نے اس طرح فرمایا: كقول مالك: قال رسول الله ﷺ وقول الشافعي: قال ابن عمرؓ.

[قواعد التحدیث:۱۳۰]

معضل حدیث ضعیف ہوتی ہے اور اس کی حالت مرسل اور منقطع سے بدتر ہوتی ہے کیونکہ اسناد میں کئی راویوں کو حذف کیا جاتا ہے، جن کے ثقہ ہونے کا کوئی علم حاصل نہیں ہوتا، اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں، سب علماء اس پر متفق ہیں: المعضل لا حجة فيه. [فتح الباری ۵:۱۹۰]

قال البغوي:قال عبيد بن عمر:مَرَّ رسول الله ﷺ حين انصرف من أُحُدٍعلى مصعب ابن عمير رضی اللہ عنہ وهومقتولٌ فوقف عليه ، ودَعا له ، ثم قرأ : مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوااللّٰهَ ثم قال رسول الله ﷺ:أشهدُأنَّ هؤلاءِ شهدآء عندالله يوم القيٰمة ألافأتوهم وزوروهم وسلموا عليهم فوالذي نفسي بيده لايسلم عليهم أحدٌ إلى يوم القيامة إلّا ردُّوا عليه. فعُلِمَ من ردِّ السلامِ أنهم يسمعون سلام المسلِّمِ عليهم، و هذا هو سماع 6
الموتى و المظهري حنفيٌّ فعُلِمَ أنَّ هذا مذهب الأحناف. [البصائر:۱۹ پشاور ۲۴ ترکی]

''امام بغویؒ نے فرمایا ہے کہ عبید بن عمرؓ نے کہا ہے کہ اُحد سے واپسی کے وقت رسول اللہ ﷺ سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ(۱) کی لاش کے پاس کھڑے ہوگئے اور مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوااللّٰهَ [سورۃ الاحزاب ۳۳:۲۳] پڑھی، پھر فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ لوگ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے ہاں شہید ہوں گے۔خبردار! تم ان کے پاس آیا کرو، اُنہیں سلام دیا کرو، اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ قیامت تک کوئی انہیں کوئی سلام نہیں دیتا مگر یہ اُس کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔پس سلام کا جواب دینے سے معلوم ہوا کہ وہ سلام دینے والے کا سلام سنتے ہیں اور یہی سماع موتی ہے اور [صاحبِ تفسیر] مظہری حنفی ہے، پس معلوم ہوا کہ یہ اَحناف کا مذہب ہے۔''

شاباش مولانا صاحب! آپ ایک موضوع حدیث کو بنیاد بنا کر اسے قطعی دلیل کے طور پر پیش کر کے اس سے سماع موتی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر اسے احناف کا مذہب ہونے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں اس روایت کو امام حاکمؒ نے مستدرک ۲:۲۴۸ میں، امام بیہقی(۲) نے دلائل

---

(۱) مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف، قرشی رضی اللہ عنہ، بنوعبدالدار سے تعلق تھا۔صحابی ہیں۔سابقون اولون سے ہیں۔شجاع و بہادر تھے۔حبشہ اور مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔بدر میں شریک رہے۔اُحد میں علم اُٹھائے ہوئے تھے اور اسی میں ۳ھ=۶۲۵ء کو شہادت پائی۔[اسد الغابۃ ۴:۲۸۲، الاعلام ۷:۲۴۸]

(۲) احمد بن حسین بن علی ابوبکر، ائمہ حدیث میں سے تھے۔نیشاپور کے کے شہر بیہق کے مضافاتی گاؤں خسروجرد میں ۳۸۴ھ=۹۹۴ء کو پیدا ہوئے۔بیہق میں پلے بڑھے۔حصول علم کے سلسلے میں بغداد، کوفہ اور مکہ معظمہ کے سفر کیے۔۴۵۸ھ=۱۰۶۶ء کو نیشاپور میں وفات پائی۔اُن کا جسد خاکی بیہق منتقل کیا گیا، جہاں اُن کی تدفین ہوئی۔[سیر اعلام النبلاء ۱۳:۹:۵۷۹، الاعلام ۱:۱۱۶]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

النبوۃ ۳:۴ ۲۸۴ میں اور مفسر قرطبی [۱] نے الجامع لاحکام القرآن ۱۴: ۱۴۲-۱۴۳ [بذیل تفسیر سورۃ الاحزاب ۳۳: ۲۳] نقل کیا ہے۔ امام حاکمؒ اس کو نقل کرکے لکھتے ہیں: یہ روایت شیخین کے شرط کے مطابق ہے اور اُنہوں نے اس کی تخریج نہیں کی ہے۔ اس پر استدراک کرتے ہوئے حافظ ذہبیؒ نے لکھا ہے: كذا قال، وأنا أحسبه موضوعاً، و قطن لم يروله البخاري، وعبدالأعلى لم يخرجا له. [تلخیص المستدرک ۲: ۲۴۸]

''حاکمؒ نے اس طرح کہا ہے مگر میرے حساب سے یہ روایت موضوع ہے۔ قطن بن وہب کی کوئی روایت امام بخاریؒ نے نقل نہیں کی اسی طرح عبدالاعلیٰ بن عبداللہ کی کوئی روایت شیخین نے نقل نہیں کی [تو روایت اُن کی شرط پر کس طرح ہوئی؟]۔''

اس قسم کی ایک روایت امام طبرانیؒ کی معجم اوسط ۳: ۷ [حدیث: ۳۷۰۰] میں بھی ہے لیکن اس کی سند بھی شدید ضعیف ہے، اس کا ایک راوی یحییٰ بن العلاء رازی ہے جس کے بارے میں امام احمدؒ فرماتے ہیں: کذاب تھا اور احادیث وضع کرتا تھا۔ [میزان الاعتدال ۴: ۳۹۷، ترجمہ: ۹۵۹۱]

رہا اہلِ قبور کو سلام کرنا، جو صحیح احادیث سے ثابت ہے، اس کے بارے میں مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی دیوبندیؒ سے پوچھا گیا کہ:

سوال: انسان کے فوت ہو جانے کے بعد روح جنت یا دوزخ میں داخل ہو جاتی ہے پھر قبرستان میں سلام کا جواب کس سے ملتا ہے؟

تو آں جناب مفتی صاحبؒ نے اس کا جواب اس طرح دیا:

''مردے کی روح کا تعلق قبر سے رہتا ہے اس لیے اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ کہا جاتا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کتابُ الروح لابن القیم و شرح الصدور للسیوطی رحمهما اللّٰہ تعالیٰ، علاوہ

---

(۱) محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح انصاری خزرجی اندلسی ابوعبداللہ قرطبی، تاریخ ولادت معلوم نہ ہو سکی۔ بہت بڑے مفسر اور صالح و عابد تھے۔ قرطبہ [اندلس] سے تعلق تھا۔ شرق اوسط کے اَسفار کیے۔ مصر شمال میں اسیوط کے مضافات میں منیۃ ابن خصیب میں اقامت پذیر رہے اور وہیں ۶۷۱ھ = ۱۲۷۳ء کو وفات پائی۔ سادہ اور متقشفانہ زندگی گزارتے تھے۔ ایک ہی کپڑا زیب تن فرمایا کرتے تھے۔ [نفح الطیب ۱: ۴۲۸، الاعلام ۵: ۳۲۲]

ازیں مردے کی طرف سے جواب ملنا کتبِ صحاح سے ثابت نہیں اگر چہ غیر صحاح کی روایات میں ہے جس کی اَسناد میں کلام ہے۔ صحاح کی روایات میں صرف اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہنے کا حکم ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ مردہ اگر چہ نہ سنتا ہے اور نہ ہی جواب دے سکتا ہے مگر قبر پر یہ الفاظ محض زائر کے لیے عبرت ہونے کی وجہ سے مشروع ہیں چنانچہ اَنْتُمْ لَنَا سَلَفٌ وَنَحْنُ لَکُمْ خَلَفٌ...... و قول النبي ﷺ: كنتُ نهيتكم عن زيارة القبور ألا فزوروها فإنها تُذكرةُ الآخرة 'یہ جملے اسی کے مشعر ہیں کہ مقصد اعتبار للزائر ہے۔'' [احسن الفتاوی ۴: ۲۰۳-۲۰۴]

[۴] مولانا صاحب سماع موتی کے لیے ایک اور قطعی دلیل پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومنها: ماذكرفي شرح الصدور: ۸۳ أخرج ابن عساكرفي تاريخه بسنده من طريق الأعمش عن المنهال بن عمرو قال: أنا واللهِ رأيتُ رأس الحسين ﷺ حين حُمِلَ وأنا بدمشق وبين يدي الرأس رجل يقرأ سورة الكهف حتى بلغ قوله تعالى: **اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا** 'قال: فأنطق الله الرأس بلسان ذرب أي: فصيحٍ فقال: أعجبُ من أصحاب الكهفِ قتلي وحملي.

فعلم من هذا أنَّ رأس الحسين ﷺ كان يسمع تلاوة الكهف 'ولذا قال كذا' مع أنه رأسٌ فقط بلاجسدٍ. [البصائر: ۲۱ 'پشاور' ۲۷ 'ترکی]

''ان [قطعی دلائل] میں سے ایک وہ ہے جسے شرح الصدور: ۸۳ [1] میں ذکر کیا گیا ہے: ابن عساکرؒ [2] نے اپنی تاریخ [3] میں اپنی سند کے ساتھ اعمش [4] سے نقل کیا ہے۔ اعمش کہتے

---

(۱) صفحہ: ۸۸ 'مطبوعہ دار العربیۃ الکبریٰ مصر

(۲) علی بن حسن بن ہبۃ اللہ ابو القاسم ثقۃ الدین ابن عساکر الدمشقی '۴۹۹ھ = ۱۱۰۵ء کو دمشق میں پیدا ہوئے۔ اپنے زمانہ میں دیار مصریہ کے محدث تھے۔ مؤرخ اور حافظ حدیث تھے۔ حصول علم کے لیے لمبے لمبے سفر کیے۔ ۵۷۱ھ = ۱۱۷۶ء کو دمشق ہی میں وفات پائی۔ تاریخ دمشق الکبیر کے مصنف اور امام سمعانی صاحب الانساب کے رفیق رہے ہیں۔ [وفیات الاعیان ۳: ۳۰۹ 'الاعلام ۴: ۲۷۳]

(۳) تاریخ دمشق الکبیر ۶۰: ۳۷۰ 'بذیل ترجمہ منہال بن عمرو: ۷۸۴۳

(۴) سلیمان بن مہران 'اسدی 'ابو محمد 'اعمش ' تابعی ہیں '۶۱ھ = ۶۸۱ء کو پیدا ہوئے۔ کوفہ میں سکونت تھی اور وہیں ۱۴۸ھ = ۷۶۵ء کو وفات پائی۔ قرآن و حدیث اور علم فرائض [میراث] کے بہت بڑے عالم تھے۔ صدق......

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

ہیں: منہال بن عمرو نے کہا ہے: اللہ کی قسم! جب سیدنا حسین ؓ[1] کا سر دِمشق لایا گیا تو میں نے دیکھا کہ ایک شخص اُن کے سر کے قریب سورۃ الکہف [۱۸:۹] پڑھ رہا تھا وہ اَمۡ حَسِبۡتَ اَنَّ اَصۡحٰبَ الۡكَهۡفِ وَالرَّقِيۡمِ ۙ كَانُوۡا مِنۡ اٰيٰتِنَا عَجَبًا کو پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے سر کو نہایت فصیح زبان میں یوں گویائی دی کہ اصحابِ کہف کے واقعہ کے مقابلہ میں میرا قتل وحمل زیادہ عجیب اور حیران کن ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا حسین ؓ کا سر سورۃ الکہف کی تلاوت سن رہا تھا باوجود اس کے کہ اس کے ساتھ جسد نہیں تھا اس لیے تو اس نے یہ بات کہی۔"

ایسا معلوم ہوا کہ مولانا صاحب یا تو نص قطعی نہیں پہچانتے اور یا علم ودانش کا مذاق اڑاتے ہیں۔

حافظ سیوطیؒ اور مؤرخ ابن عساکرؒ کی روایت کس طرح دلیل اور نص قطعی بن گئی؟

اعمش کا نام سلیمان بن مہران ہے۔ جس کے بارے میں حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں: مدلس تھا اور کبھی کبھار بے خیالی میں ضعفاء سے تدلیس کرتا تھا اس لیے اُس کی عن والی روایت میں تدلیس کا اِحتمال زیادہ ہے۔ [میزان الاعتدال ۲:۲۲۴، ترجمہ: ۳۵۱۷]

اعمش منہال بن عمرو کا نام لے کر عن کہہ کر روایت کرتا ہے، اس لیے اس کی یہ روایت مردود ہوئی جسے مولانا صاحب نص قطعی سمجھ بیٹھے ہیں۔

منہال بن عمرو بھی صدوق ہونے کے باوجود وہم کا شکار ہوتا ہے۔

[تقریب التہذیب: ۵۷۷، ترجمہ: ۶۹۱۸]

علامہ محمد عبدالرؤوف مناویؒ نے ابن عساکرؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس روایت کی اِسناد مجہول ہے۔ [فیض القدیر ۱:۲۰۵، بذیل روایت: ۲۸۱]

لیکن تاریخ ابن عساکرؒ میں اس روایت کی ذیل میں یہ بات میری نظر سے نہیں گزری۔

......وسچائی کی وجہ سے "مصحف" کے نام سے مشہور تھے۔ ۱۳۰۰ احادیث کے راوی ہیں۔

[تذکرہ الحفاظ ۱:۵۴، الاعلام ۳:۱۳۵]

(۱) حسین بن علی رضی اللہ عنہما، ہاشمی قرشی ابومحمد، ۴ھ = ۶۲۵ء کو مدینہ منورہ میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ ۶۱ھ = ۶۸۰ء کو ظلماً شہید کیے گئے۔

[الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ۱:۳۳۲، الاعلام ۲:۲۴۳]

[۵] مولانا صاحب ایک اور قطعی دلیل پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومنها: ماأخرجه أبونعيم في الحلية من طريق عمرو بن واقد بن حليس أنه كان يمر على المقابر بدِمَشق ينحر يوم الجمعة فسمع قائلاً يقول: هذا يونس بن حليس قد هاجَرَ يحجون ويعتمرون كل شهر ويُصلُّون كل يوم خمس صلواتٍ، أنتم تعملون ولا تعلمون، ونحن نعلمُ ولا نعمل، قال: فالتفتَ يونس فسلَّمَ فلم يردوا عليه، فقال: سبحان الله! أسمع كلامكم وأسلم عليكم ولا تردُّون عَلَيَّ، قالوا: قد سمعنا كلامك، ولكنها حسنةٌ، وقد حيل بيننا وبين الحسنات والسيئات. [البصائر: ۲۱-۲۲، پشاور، ۲۷، ترکی]

''ان دلائل میں سے ایک وہ ہے جسے ابونعیمؒ نے حِلیۃ الاولیاء[1] میں عمرو بن واقد سے نقل کیا ہے کہ یونس بن حلیس دمشق کے مقبروں میں جمعہ کے روز قربانی کر کے جا رہے تھے، تو ایک کہنے والے کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا کہ یونس بن حلیس نے ہجرت کی یہ ہر سال حج اور ہر مہینہ عمرہ کرتے ہیں۔ روزانہ پنج وقتہ نماز پڑھتے ہیں۔ تم عمل کرتے ہو مگر علم نہیں رکھتے اور ہم علم رکھتے ہیں مگر عمل نہیں کرتے۔ یونس اُس آواز کی طرف ملتفت ہوئے، سلام کیا مگر اُنہوں نے ان کے سلام کا جواب نہیں دیا تو کہنے لگے: سبحان اللہ! میں تمہارا کلام سنتا ہوں، تمہیں سلام کرتا ہوں مگر تم میرے سلام کا جواب نہیں دیتے۔ وہ کہنے لگے: ہم نے تمہارا کلام سنا جو ایک نیکی ہے اور ہمیں نیکیوں اور بدیوں سے روکا گیا ہے۔''

مولانا صاحب! پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ نص قطعی نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ آپ کے نظریہ الأولياء ينصرون أوليائهم ويدمرون أعدائهم کے صریح معارِض ہے۔

اور تیسری بات یہ ہے کہ اس کا راوی عمرو بن واقد دِمَشقی ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں: متروک الحدیث ہے۔ امام دارقطنیؒ بھی اسے متروک کہتے ہیں۔ امام فسویؒ نے امام دُحَیمؒ کے حوالے سے کہا ہے کہ ہمارے اساتذہ اس سے روایت نہیں لیتے تھے، اُنہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اس راوی

---

(۱) حِلیۃ الاولیاء ۵: ۲۵۱، اور سیوطی نے شرح الصدور: ۸۹

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

کے جھوٹا ہونے میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ نہیں۔ مروان بن محمد بھی اسے کذاب کہتے تھے۔

[میزان الاعتدال ۳:۲۹۱' ترجمہ:۶۴۶۵]

[۶] مولانا صاحب ایک اور قطعی دلیل پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ومنها:ماأخرجه أبو نعيم عن عمرو بن دينار قال:مامِن ميتٍ إلّاوروحه في يدملَكٍ ينظر إلى جسده كيف يُغسَل و كيف يُكفَنُ و كيف يُمشٰى به ويقالُ له وهو على سريره:إسمَع ثناءَ الناسِ عليك.

[البصائر:۲۲' پشاور' ۲۷' ترکی]

''اور ان [قطعی دلائل] میں سے ایک وہ ہے جسے ابونعیم نے عمرو بن دینار سے نقل کیا ہے کہ ہر میت کی روح ایک فرشتہ کے ہاتھ میں ہوتی ہے جو اُس کے جسد کو دیکھتا ہے کہ اسے کیسے غسل دیا جاتا ہے؟ کفن کیسے پہنایا جاتا ہے؟ اور کس طریقے سے اسے لے جایا جارہا ہے؟ اور وہ اپنے چارپائی ہوتا ہے کہ اسے کہا جاتا ہے: لوگ تیری جو تعریفیں کرتے ہیں' اسے سن لیجیے۔''

حافظ ابونعیم اصفہانیؒ نے ایک جگہ اسے عمرو بن دینار کا قول کہہ کر نقل کیا ہے۔ [حلیۃ الاولیاء ۳:۳۴۹]

جس کا راوی عبداللہ بن محمد بن سعید بن ابی مریم ہے۔ حافظ ابن عدی لکھتے ہیں:

مصري' يُحَدِّثُ عن الفريابي وغيره بالبواطيل. [الکامل فی ضعفاء الرجال ۵:۴۱۹]

''مصری ہے۔ فریابی وغیرہ سے باطل روایات نقل کرتا ہے۔''

حافظ ذہبیؒ نے اس پر یہ اِضافہ کیا ہے: فإمّاأن يكون مغَفَّلاً أو أنه يتعمَّدُ.

[المغنی فی الضعفاء ۱:۳۵۳' ترجمہ:۳۳۲۸]

''وہ ایسا یا تو غفلت کی وجہ سے کرتا ہے یا قصداً۔''

اور ایک جگہ سفیان ثوری کا قول کہہ کر نقل کیا ہے۔ [حلیۃ الاولیاء ۷:۵۴]

اس کا ایک راوی محمد بن علی بن سہل انصاری مروزی ضعیف ہے۔ [الکامل ۷:۵۵۸]

اور حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ متساہل ہے۔ [المغنی فی الضعفاء ۲:۶۱۷' ترجمہ:۵۸۴۳]

پھر یہ بھی ہے کہ عمرو بن دینارؒ [وفات:۱۲۶ھ=۷۴۳ء] اور سفیان بن سعید ثوریؒ [وفات:۱۶۱ھ=۷۷۸ء] نص قطعی بھی نہیں ہیں۔

[۷] مولانا صاحب ایک اور قطعی دلیل پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومنہا: ماأخرجه أبو الشيخ من مرسل عبيد بن مرزوق قال: كانت امرأة تقمُّ المسجد فماتت فلم يعلم بها النبي ﷺ فمرَّ على قبرها فقال: ماهذا القبر؟ قالوا: أم محجن، قال: التي كانت تقم المسجد، قالوا: نعم، فصفَّ الناس فصلّى عليها ثم قال: أيُّ العملِ وجدتِ أفضلَ؟ قالوا: يارسولَ الله! أتسمع؟ قال: ماأنتم بأسمع منها، فذُكرَ أنها أجابته: قمُّ المسجد. [البصائر: ۲۲، پشاور، ۲۸، ترکی]

''ان [قطعی دلائل] میں سے ایک وہ ہے جسے ابوالشیخ نے مرسل عبید بن مرزوق کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ایک خاتون جو مسجدِ [نبوی] کی صفائی ستھرائی کرتی تھی، وہ مرگئی اور رسول اللہ ﷺ کو اس کی وفات کی خبر نہ ہوئی۔ آپ ﷺ اُس کی قبر کے پاس سے گزرے تو پوچھا کہ یہ قبر کیسی ہے؟ اُنہوں نے کہا: اُمِّ مِحجَن کی قبر ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: وہ جو مسجد کی صفائی ستھرائی کرتی تھی؟ اُنہوں نے ہاں میں جواب دیا۔ لوگوں نے صف بنائی تو آپ ﷺ نے نمازِ [جنازہ] پڑھی، پھر اُس [عورت] سے پوچھا: تو نے کس عمل کو افضل پایا؟ اُنہوں نے سوال کیا: یارسول اللہ! کیا یہ سنتی ہے؟ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: تم اس سے اچھے سننے والے نہ ہو۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے آپ ﷺ کو جواب دیا کہ مسجد کی صفائی ستھرائی۔''

یہ روایت صحیحین [صحیح بخاری اور صحیح مسلم] میں بھی ہے، جس میں صرف نماز جنازہ تک کا ذکر ہے۔

عبید بن مرزوق کی اس مرسل روایت میں جو اِضافہ ہے، مولانا صاحب اُس کو بنیاد بنا کر اسے نص قطعی قرار دیتے ہیں۔ فَیَاضَیْعَةً لِّلْعِلْمِ!

مولانا صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ مرسل حدیث کے بارے میں حافظ ابن الصلاح ؒ(1) لکھتے

---

(۱) عثمان بن عبدالرحمٰن صلاح الدین بن عثمان بن موسیٰ بن ابی نصر، شہرزوری، کردی، ابوعمرو، تقی الدین ابن الصلاح، ۵۷۷ھ=۱۱۸۱ء کو شرخان میں پیدا ہوئے، جو شہرزور کے قریب ہے۔ موصل، خراسان اور بیت المقدس آتے جاتے رہے۔ بیت المقدس کے مدرسہ صلاحیہ میں مدرس تھے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، اصولِ حدیث اور اسماء رجال کے بہت بڑے عالم تھے۔ تیرہ سال تک دمشق کے دارالحدیث کے مدرس رہے ہیں۔ دمشق ہی میں ۶۴۳ھ=۱۲۴۵ء کو وفات پائی۔ [وفیات الاعیان ۳: ۲۴۳، الاعلام ۴: ۲۰۷]

MAKTABA TUL ISHAAT - مکتبۃ الاشاعت

ہیں: وماذ كرناه من سُقوطِ الإحتجاج بالمرسل والحكم بضعفه هو المذهب الذي استَقَرَّ عليه آراء جماهير حُفَّاظِ الحديث ونُقَّادِ الأثر وتَدَاوَلُوهُ في تصانيفهم.

[مقدمۃ ابن الصلاح:۷۳]

''مرسل حدیث دین میں حجت نہ ہونے اور اس کے ضعیف ہونے کا جو حکم لگایا ہے' حدیث نبوی کے جمہور حفاظ ونقاد کی آخری وحتمی رائے یہی ہے اور اسی فیصلہ کو انہوں نے اپنی تصانیف میں درج کیا ہے۔''

امام مسلمؒ(۱) فرماتے ہیں: المرسل من الروايات في أصل قولنا وقول أهل العلم بالأخبار ليس بحجة. [صحیح مسلم' المقدمۃ' ۱:۳۰]

''ہمارے اور محدثین کے اصل قول کے مطابق مرسل حجت نہیں۔''

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں: المرسل ضعيفٌ 'لا حُجَّة فيه. [فتح الباری ۱:۲۵۱' ۲:۵۷۵' ۵:۱۹۰' ۱۱:۲۶۷]

''مرسل ضعیف ہوتی ہے اور حجت نہیں ہوتی۔''

مولانا صاحب نے یہ روایت شرح الصدور[ص:۴۰] کے حوالے سے لکھا ہے' جسے حافظ ابن رجبؒ نے فتح الباری[۲:۵۲۹' کتاب الصلاۃ[۸] باب کنس المسجد[۷۲] میں اور سید آلوسیؒ نے اپنی تفسیر روح المعانی[۲۱-۲۲:۶۷' بذیل تفسیر سورۃ الروم۳۰:۵۳] میں ابوالشیخؒ کی کتاب ثواب الاعمال کے حوالے سے لکھا ہے۔ سید آلوسیؒ نے اس پر اپنا تبصرہ ان الفاظ میں لکھا ہے:

وحديث أبي الشيخ مرسلٌ' وحكم الإستدلال به معروفٌ.

[تفسیر روح المعانی ۲۱-۲۲:۶۷' بذیل تفسیر سورۃ الروم۳۰:۵۳]

''ابوالشیخ کی حدیث مرسل ہے اور اس سے استدلال کا حکم جانی پہچانی ہے[کہ نادرست ہے]۔''

[۸] مولانا صاحب ایک اور قطعی دلیل پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

(۱) مسلم بن حجاج بن مسلم' قشیری' نیشاپوری' ابوالحسین' ۲۰۴ھ=۸۲۰ء کو نیشاپور میں پیدا ہوئے۔ کبار ائمہ اور حفاظ حدیث میں سے تھے۔ حجاز' شام اور عراق کے سفر کیے۔ نیشاپور ہی میں ۲۶۱ھ=۸۷۵ء کو وفات پائی۔

[وفیات الاعیان ۵:۱۹۴' تذکرۃ الحفاظ ۲:۵۸۸' الاعلام ۷:۲۲۱]

وقد قال عليه الصلاة والسلام: مَن صَلّٰى عَلَيَّ عندَ قبري سمعتُه ومَن صَلّٰى عَلَيَّ نائياً أبلغتُه. [البصائر: ۲۳' پشاور' ۲۹' ترکی]

"اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص میرے اوپر میری قبر کے قریب درود بھیجتا ہے میں اس کو خود سنتا ہوں' اور جو دور سے مجھ پر درود بھیجتا ہے وہ مجھ کو پہنچا دیا جاتا ہے۔"

[فضائل درود: ۱۸' تسکین الصدور: ۳۳۲]

مولانا صاحب! یہ موضوع روایت ان کتابوں میں موجود ہے۔

[تاریخ بغداد ۳: ۲۹۲' شعب الایمان ۲: ۲۱۸' مشکاۃ المصابیح' حدیث: ۹۳۴' الجامع الصغیر: ۸۸۱۲]

خطیب بغدادیؒ (۱) اس روایت کو نقل کر کے لکھتے ہیں: میں نے محدث ابن نُمیرؒ (۲) سے اس روایت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: اس کو چھوڑ دیجئے' اس لیے کہ اس کا راوی محمد بن مروان سُدی صغیر لیس بشيء ہے۔ امام یحییٰ بن معینؒ (۳) فرماتے ہیں: ثقہ نہیں اور محدث صالح بن محمدؒ (۴) نے فرمایا ہے: موضوع روایات نقل کرتا ہے۔ [تاریخ بغداد ۳: ۲۹۲-۲۹۳]

---

(۱) احمد بن علی بن ثابت' بغدادی' ابو بکر' خطیب' حافظ حدیث اور مؤرخ اسلام تھے۔ ۳۹۲ھ = ۱۰۰۲ء کو غزیہ [بالتصغیر] میں پیدا ہوئے' جو مکہ مکرمہ اور کوفہ کے بالکل درمیان میں مساوی مسافت پر واقع ہے۔ بغداد میں رہائش پذیر تھے' اور وہیں ۴۶۳ھ = ۱۰۷۲ء کو وفات پائی۔ [سیر اعلام النبلاء ۱۸: ۲۷۰' الاعلام ۱: ۱۷۲]

(۲) محمد بن عبد اللہ بن نُمَیر' حافظ' حجت' شیخ الاسلام' ابو عبد الرحمٰن ہمدانی۔ ۱۹۰ ہجری کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ امام احمد اور امام علی بن المدینی کے اَقران میں سے تھے۔ علم و عمل کا نمونہ تھے۔ علم' فہم' سنت اور زہد کے جامع تھے ۲۳۴ھ کو وفات پائی۔ [سیر اَعلام النبلاء ۱۱: ۴۵۵' ترجمہ: ۱۱۱]

(۳) یحییٰ بن مَعین [بفتح المیم] بن عون بن زیاد' ابوزکریا' سید الحفاظ' ناقد' مؤرخ اور بہت بڑے محدث ہیں۔ جرح و تعدیل کے امام ہیں۔ اصلاً سرخس سے تعلق تھا۔ انبار کے قریب ۱۵۸ھ = ۷۷۵ء کو نقیا نامی گاؤں میں پیدا ہوئے' اُن کے والد محکمہ خراج میں عامل تھے۔ مدینہ منورہ میں ۲۳۳ھ = ۸۴۸ء کو فوت ہوئے۔ آپ فرمایا کرتے تھے: میں نے اپنے ہاتھوں سے لاکھوں احادیث لکھی ہیں۔

[تاریخ بغداد ۱۴: ۱۷۷' تذکرۃ الحفاظ ۲: ۴۲۹' الاعلام ۸: ۱۷۲]

(۴) صالح بن محمد بن عمرو بن حبیب بن منذر بن ابی الاشرس [عمار] امام' حافظ کبیر' حجۃ' محدث مشرق' ابو علی اسدی بغدادی' جَزَرَۃ' نزیل بخاریٰ ۲۰۵ھ کو بغداد میں پیدا ہوئے۔ امام مسلم کے استاذ رہے ہیں۔ صدوق اور ثبت تھے۔ مزاح کیا کرتے تھے۔ ۲۹۳ھ کو وفات پائی۔ [سیر اَعلام النبلاء ۱۴: ۲۳' ترجمہ: ۱۲]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

امام عقیلیؒ (۱) فرماتے ہیں: یہ روایت بے اصل ہے۔ اعمش سے اس کا کوئی ثبوت نہیں اور یہ روایت محفوظ نہیں ہے۔ [الضعفاء الکبیر ۴: ۱۳۷]

حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: وهذا قد رواه محمد بن مروان السدي عن الأعمش عن أبي صالح عن أبي هريرة ﷺ وهذا هو السدي الصغير، وليس بثقة، وليس هذا من حديث الأعمش. [مجموع الفتاویٰ ۱: ۱۹۸]

”اسے محمد بن مروان سدیؒ نے اعمش از ابی صالح از سیدنا ابو ہریرۃؓ (۳) کی روایت سے نقل کیا ہے اور یہ سدی صغیر غیر ثقہ تھا۔ نیز یہ روایت اعمش کی مرویات میں سے بھی نہیں ہے۔“

یہ بھی ارشاد فرمایا: و هذا إنما يرويه محمد بن مروان السدي عن الأعمش، وهو كذابٌ بالاتفاق، وهذا الحديث موضوع على الأعمش بإجماعهم. [مجموع الفتاویٰ ۲۷: ۱۰۹]

”محمد بن مروان سدی صغیر اعمش کا نام لے کر اسے نقل کرتا ہے، حالانکہ محدثین کے ہاں بالاتفاق کذاب تھا اور یہ روایت ان کے اجماع کے مطابق اعمش پر وضع کی گئی ہے۔“

علامہ ابن عبد الہادیؒ (۲) فرماتے ہیں: قلتُ: هذا الحديث موضوعٌ على رسول الله ﷺ ليس له أصلٌ، و لم يحدث به أبو هريرة، ولا أبو صالح، ولا الأعمش، ومحمد بن مروان السدي متهمٌ بالكذب والوضع. [الصارم المنکی: ۲۱۶]

”یہ روایت موضوع ہے اسے نہ تو سیدنا ابو ہریرۃؓ نے روایت کیا ہے، نہ ابو صالح نے اور

---

(۱) محمد بن عمرو عقیلی مکی ابو جعفر، حافظ حدیث تھے۔ کئی مفید کتابوں کے مصنف ہیں۔ حرمین شریفین میں اقامت تھی۔ ۳۲۲ھ = ۹۳۴ء کو مکہ مکرمہ میں وفات پائی۔ [تذکرۃ الحفاظ ۳: ۸۳۳، الاعلام ۶: ۳۱۹]

(۲) محمد بن احمد بن عبد الہادی بن عبد الحمید بن عبد الہادی شمس الدین ابو عبد اللہ ابن قدامہ مقدسی جماعیلی دمشقی صالحی، حافظ حدیث تھے۔ ادب میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ اپنے جد اعلیٰ کی طرف منسوب ہو کر ابن عبد الہادی کہلائے۔ ۷۰۵ھ = ۱۳۰۵ء کو پیدا ہوئے۔ حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ذہبی کے شاگرد رہے ہیں۔ ۷۰ سے اوپر کتابیں لکھیں۔ ۷۴۴ھ = ۱۳۴۳ء کو دمشق میں وفات پائی۔

[الدرر الکامنۃ ۳: ۳۳۱، ترجمہ: ۸۸۸، الاعلام ۵: ۳۲۶]

(۳) ابو ہریرۃؓ مشہور صحابی ہیں، ان کے نام کے سلسلے میں محدثین و مؤرخین کے مابین اختلاف موجود ہے۔۔۔۔۔۔

نہ اعمش نے بلکہ اسے محمد بن مروان نے وضع کیا ہے جو بڑا جھوٹا تھا اور روایات وضع کیا کرتا تھا۔"
حافظ ابن جوزیؒ(۱) حافظ ذہبیؒ اور علامہ مناویؒ اس روایت کو موضوع قرار دیتے ہیں۔

[الموضوعات ۱:۳۰۳:۳۳۳' میزان الاعتدال ۴:۳۳' فیض القدیر ۶:۱۷۰]

حافظ ابن قیمؒ اس قسم کی ایک روایت ان الفاظ میں لکھتے ہیں: ابوالشیخ [اصبہانی] نے اپنی کتاب الصلاة على النبيﷺ میں عبدالرحمٰن بن احمد الاعرج' از الحسن بن الصباح' از ابومعاویہ' از اعمش' از ابوصالح' از سیدنا ابوہریرۃؓ مرفوعاً روایت کرتے ہیں:

مَن صَلّٰى عَلَيَّ عندَ قبري سمعتُه ومَن صَلّٰى عَلَيَّ من بعيدٍ أُعلِمْتُهُ.

[جلاء الافہام:۹۲' حدیث:۳۳]

"جس نے میری قبر کے پاس درود پڑھا تو میں اُسے خود سنتا ہوں اور جس نے مجھ پر دُور سے درود پڑھا تو وہ مجھے [بواسطہ فرشتوں کے] بتلایا جاتا ہے۔" [تسکین الصدور:۳۱۸-۳۱۹]

حافظ ابن قیمؒ اس روایت کو غَرِيبٌ جِدًّا کہتے ہیں۔ [جلاء الافہام:۹۲' حدیث:۳۳]

حافظ ابن قیمؒ نے اس روایت کو بروایت معاویہ عن الاعمش نقل کیا ہے' اس سلسلہ میں علامہ ابن عبدالہادیؒ فرماتے ہیں: وقد روى بعضهم هذاالحديث من رواية أبي معاوية عن الأعمش ' وهو خطأٌ فاحشٌ ' وإنما هو حديث محمد بن مروان ' تفرَّد به' وهو متروك الحديث 'متهمٌ بالكذب. [الصارم المنکی:۲۱۶]

"اس روایت کو بواسطہ ابومعاویہ نقل کرنا صریح غلط ہے یہ بواسطہ محمد بن مروان منقول ہے جو اس

......اس بارے میں ان کے اٹھارہ اقوال ملتے ہیں۔ ایک جم غفیر کے نزدیک ان کا نام عبدالرحمٰن بن صخر تھا۔ قبیلہ دوس سے تعلق رکھتے تھے' اُن کے مرویات کی تعداد ۵۳۷۴ ہے۔ ۸۰۰ کے لگ بھگ ان کے شاگرد تھے۔ ۵۹ھ =۶۷۹ء کو مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ [تلقیح فهوم اهل الاثر:۳۶۳' الاعلام ۳:۳۰۸]

(۱) عبدالرحمٰن بن علی بن محمد' جوزی' قرشی' بغدادی' ابوالفرج' بغداد میں ۵۰۸ھ=۱۱۱۴ء کو پیدا ہوئے۔ حدیث' تفسیر' تاریخ اور مواعظ کے کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ تین سو کے قریب کتابیں لکھیں۔ مقام جوز پر پانی کے ایک گھاٹ کی طرف ان کے آباء واجداد میں سے کوئی ایک منسوب تھے' اسی لیے ابن جوزی کہلائے۔ ۵۹۷ھ= ۱۲۰۱ء کو بغداد ہی میں وفات پائی۔ [وفیات الاعیان ۳:۱۴۰' تذکرۃ الحفاظ ۴:۱۳۴۲' الاعلام ۳:۳۱۶]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

کے نقل کرنے میں منفرد ہے اور وہ متروک الحدیث اور جھوٹ بولنے سے متہم تھا۔"

حافظ ابن قیمؒ اس روایت کو غَریبٌ جدًّا فرمانا بالکل درست ہے اس لیے کہ ابوالشیخ اصبہانیؒ کا استاذ عبدالرحمٰن بن احمد الاعرجؒ اس قدر گم نام [مجہول/مستور] ہے کہ اُن کا تذکرہ اسماء الرجال کی متداول کتابوں میں نہیں ملتا اور اگر ملتا ہے تو صرف حافظ ابونعیمؒ کی اخبار اصبہان ۱:۲۹۴، ۲:۱۱۳ میں، جن سے قاضی ابواحمد محمد بن احمد بن ابراہیمؒ نے روایت لی ہے۔ معلوم ہوا کہ اُن کے شاگرد اس کی ساری زندگی میں صرف دو ہوئے: ایک ابوالشیخ اصبہانیؒ اور دوسرا قاضی ابواحمد محمد بن احمد ابن ابراہیمؒ پھر حافظ ابونعیمؒ نے عبدالرحمٰن بن احمد الاعرجؒ کی توثیق نہیں کی ہے، اس لیے اس مجہول شخص کی روایت دلیل میں پیش نہیں کی جاسکتی، خصوصاً بابِ عقائد میں اسے پیش کرنا حق وانصاف کا خون کرنا ہے۔

سوال: حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: أخرجه أبو الشيخ في كتاب الثواب بسند جيد.

[فتح الباری ۶:۴۸۸، کتاب احادیث الانبیاء [۶۰] باب قول اللہ: واذكر في الكتٰب مريم [۴۸] بذیل حدیث: ۳۴۳۱]

"اسے ابوالشیخؒ نے جید سند کے ساتھ کتاب الثواب میں نقل کیا ہے۔"

اور حافظ سخاویؒ لکھتے ہیں: قلتُ: وسنده جيدٌ، كما أفاده شيخنا.

[القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع: ۳۲۵، تحقیق: استاذ ابوعوامۃ]

"میں [حافظ سخاوی] کہتا ہوں اس کی سند جید ہے جیسا کہ ہمارے شیخ [حافظ ابن حجر] نے فرمایا ہے۔"

جواب: حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں: مجہول الحال [مستور] وہ مُقِل [کم حدیث والا] راوی ہے جس سے نام لے کر ایک سے زائد راویوں نے روایت کی ہو مگر کسی امام نے اُس کی توثیق نہ کی ہو۔

مجہول الحال کو مستور بھی کہتے ہیں: وإن رَوَى عنه اثنان فصاعداً ولم يوثق فهو مجهول الحال وهو المستور. [شرح نخبۃ الفکر: ۱۰۰]

جمہور کے نزدیک مستور کی روایت مقبول نہیں ہے، وہ تب روایت کو قبول کرتے ہیں جب راوی کا ثقہ ہونا متحقق ہو جائے اور چونکہ مستور کا حال مخفی ہے اس لیے اُس کی روایت قبول نہیں ہوگی اس

باب میں تحقیقی بات یہ ہے کہ کسی مقبول راوی کی روایت اُس وقت تک مقبول یا مردود نہیں ہوگی جب تک اُس کی حالت واضح نہ ہوجائے: وقد قبل روايته جماعةٌ بغير قيد، ورَدَّها الجمهور، والتحقيق: أن رواية المستور ونحوه مما فيه الإحتمال، لا يُطلق القول بِرَدِّها ولا بِقبولها بل هي موقوفةٌ إلى إستبانة حاله كما جزم به إمام الحرمين.[شرح نخبة الفكر:۱۰۰-۱۰۱]

حافظ صاحب موصوف یہ بھی لکھتے ہیں: الجهالةُ تستوجبُ ضعف الحديث، ولا حُجَّةَ في رواية المجهول.[فتح الباری ۱:۲۴۶، ۳:۳۴۸، ۶:۶۳۵، ۹:۱۷۴، ۱۰:۴۰، ۱۹۵]

''جہالت، حدیث کے ضعف کا موجب ہے اور مجہول کی روایت میں کوئی حجت نہیں۔''

اور یہ بھی لکھتے ہیں: ليس بمجهولٍ مَن رَوَى عنهُ أربعة ثقات.[الہدی الساری:۳۹۸]

''جس راوی سے چار ثقہ راویوں نے روایت کی ہو وہ مجہول نہیں رہتا۔''

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے ان اقوال کے تناظر میں معلوم ہوا کہ اس روایت کو جید کہنا حافظ صاحب موصوف کا تسامح ہے۔ عَافَانَا اللّٰه وَ إِيَّاهُ (۱)۔

---

(۱) شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر لکھتے ہیں: ''مشہور محدث امام دارقطنی [وفات: ۳۸۵ھ] لکھتے ہیں کہ: وارتفاعُ اسم الجهالة أن يروي عنه رجلان فصاعداً، فإذا كان هذه صفته ارتفع عنه اسم الجهالة، وصار حينئذٍ معروفاً.[الدارقطنی ۲:۳۶۱، وفي نسخة دار نشر الكتب الإسلامية ۳:۱۷۴]

''جب دو یا دو سے زیادہ راوی کسی سے روایت کریں تو وہ جہالت کے دائرہ سے نکل جاتا ہے اور جب یہ صفت اس میں پائی جائے تو وہ مجہول نہیں رہتا بلکہ معروف ہوجاتا ہے۔''

امام دارقطنی کے اس ضابطہ کے مطابق عبدالرحمٰن بن احمد الاعرج مجہول نہیں بلکہ معروف ہے اور عن قریب ذکر ہوگا کہ حافظ ابن حجر اور امام سخاوی وغیرہ محدثین اس حدیث کی سند کو جید کہتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ عبدالرحمٰن بن احمد الاعرج نہ تو مجہول العین ہیں اور نہ مجہول العدالت بلکہ ثقہ ہے لہٰذا ان کو مجہول قرار دے کر اُن کی حدیث سے اِعراض کرنا علم و انصاف سے کوسوں دور ہے۔''[تسکین الصدور:۳۱۸، بذیل چھٹی دلیل]

محترم شیخ الحدیث صاحب کی خدمتِ اَقدس میں مؤدبانہ عرض ہے کہ:

۱- حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے قول: وإن رَوَى عنه اثنان فصاعداً ولم يوثق فهو مجهول الحال وهو المستور.[شرح نخبۃ الفکر:۱۰۰] کے تناظر میں عبدالرحمٰن بن احمد الاعرج مجہول ہے۔ امام دارقطنی کا قول پیش کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ جب کہ اس بارے میں حافظ ابن حجر کا اپنا قول موجود ہے؟

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

-۲: آپ کے اس قول پر کہ "نافع بن محمود مجہول ہیں۔" مولانا مبارک پوری صاحب نے فرمایا تھا کہ "نافع بن محمود سے مکحول اور حرام بن حکیم روایت کرتے ہیں لہٰذا یہ مستور نہ ہوں گے۔" جس کے جواب میں آپ نے اپنی کتاب احسن الکلام فی ترک القراءۃ خلف الامام ایک طویل بحث کی ہے، جو من وعن سپرد قلم ہے، اب یہ آپ پر ہے کہ آپ کے نزدیک آپ کی ان ہر دو تحقیقات میں کون سی تحقیق درست اور کون سی نادرست ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:

"(۲) امام ابن حبانؒ اور دارقطنیؒ کا توثیق رجال کے بارے میں مسلک ہی جمہور محدثین سے الگ ہے۔ جمہور تو یہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی راوی سے دو راویوں نے روایت کی ہو اور اُس کی توثیق کسی سے ثابت نہ ہو (حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ وہ متفرد خود یا غیر جب کہ توثیق کا اہل ہو اور اُس کی توثیق کرے تو صحیح قول پر وہ ثقہ ثابت ہو جائے گا۔ شرح نخبۃ الفکر، ص: ۷۰ اور اسی قاعدہ سے مؤلف خیر الکلام نے ص: ۲۳۶ میں سہارا لیا ہے لیکن شرح نخبۃ الفکر ص: ۷۰ میں اسی قول کے رد میں لکھا ہے: الصحیح الذي علیه أکثر العلماء من أهل الحدیث وغیرهم أنه لا یُقبلُ مطلقاً کہ اکثر محدثین وغیرہم کے نزدیک مطلقاً یہ توثیق غیر مقبول ہے) تو وہ مجہول و مستور ہی رہتا ہے چنانچہ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ:

إن روی عنهُ اثنان فصاعداً ولم یوثق فهو مجهول الحال وهو المستور. [شرح نخبۃ الفکر: ۷۰]

" اگر کسی شخص سے دو یا دو سے زیادہ راوی روایت بیان کریں اور اس کی توثیق نہ کی گئی ہو تو وہ مجہول الحال ہوتا ہے اور وہی مستور کہلاتا ہے۔"

اور امام ابن الصلاحؒ [وفات: ۶۴۳ھ] نے نچلے دو راویوں کے عادل ہونے کی قید بھی لگائی ہے۔ [شرح شرح نخبۃ الفکر، ص: ۱۵۴، طبع مصر] لیکن امام ابن حبانؒ اور امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص سے دو راویوں نے روایت کی ہو تو وہ مجہول نہیں رہتا اور اس کی عدالت ثابت ہو جاتی ہے چنانچہ امام دارقطنیؒ لکھتے ہیں:

وارتفاع اسم الجهالةِ له عنه أن یروي عنه رجلان فصاعداً، فإذا کانت هذه صفته ارتفع عنه اسم الجهالة، وصار حینئذ معروفاً. [دارقطنی جلد ۲ صفحہ: ۳۶۱، وفي نسخة دار نشر الکتب الإسلامیة ۳: ۱۷۴]

"راوی سے جہالت کا اسم اس وقت اٹھتا ہے جب کہ اس سے دو یا دو سے زیادہ راوی روایت کریں جب ایسا ہو تو اس سے جہالت کا اسم مرتفع ہو جاتا ہے اور وہ راوی معروف ہو جاتا ہے۔"

اور علامہ سخاویؒ [وفات: ۹۰۲ھ] نے ان کا مسلک یوں نقل کیا ہے کہ: من روی عنه ثقتان فقد ارتفعت جهالته وثبتت عدالته. [فتح المغیث، ص: ۱۳۷، وفي نسخة المدینة المنورة ۱: ۲۹۸]

"جس شخص سے دو ثقہ راوی روایت کریں تو اُس سے جہالت رفع ہو جاتی ہے اور اس کی عدالت ثابت ہو جاتی ہے۔"

مطلب یہ ہوا کہ جمہور کے نزدیک اس صورت میں راوی اگرچہ مجہول العین نہیں رہا مگر مجہول الوصف اور مجہول

الحال بدستور رہے گا لیکن امام دارقطنی وغیرہ کے نزدیک باوجود مجہول الحال اور مستور ہونے کے وہ عادل ہو جاتا ہے اور اس کی حدیث حسن، صحیح اور جید ہو جاتی ہے اور جمہور نہ تو اس کو ثقہ اور عادل تسلیم کرتے ہیں اور نہ اس کی روایت کو قبول کرتے ہیں چنانچہ علامہ خطیب الشافعیؒ [وفات: ۴۶۳ھ] لکھتے ہیں کہ:

قلتُ: إلا أنه لا يثبت له حكم العدالة بروايتها عنه، وقد زعم قومٌ أن عدالته تثبت بذلك، ونحن نذكر فساد قولهم بمشية الله تعالى وتوفيقه. [الکفایۃ فی علم الروایۃ، ص:۸۹]

''میں [خطیب بغدادی] کہتا ہوں کہ ایسے مجہول راوی سے دو راویوں کی روایت کر لینے سے اس کی عدالت ثابت نہیں ہو سکتی اور ایک قوم نے (مثلاً ابن حبانؒ اور دار قطنیؒ وغیرہ۔ صفدر) یہ خیال کیا ہے کہ اس طرح اس کی عدالت ثابت ہو جائے گی مگر ہم ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس قول کا فساد اور بطلان ذکر کریں گے۔''

اور جو مسلک امام دار قطنیؒ کا ہے سو وہی نظریہ امام ابن حبان کا ہے چنانچہ اس کی تصریح موجود ہے کہ:

وتبعه ابن حبانؒ إذِ العدلُ عنده مَن لا يعرفُ فيه الجرح. [شرح شرح نخبۃ الفکر، ص:۷۱]

''ابن حبانؒ بھی اسی نظریہ کے حامی ہیں کیوں کہ ان کے نزدیک بھی ثقہ وہ ہے جس پر کوئی جرح معلوم نہ ہو۔''

علامہ ذہبیؒ، عمارۃؒ بن حدیدؒ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں: إنه مجهولٌ، ولا تفرح بذكر ابن حبانؒ له في الثقات، فإن قاعدته معروفة من الإحتجاج لمن لا يعرف.

[میزان الاعتدال، جلد۲، صفحہ:۲۲۳؛ وطبع دار المعرفۃ ۳:۱۷۵، ترجمہ:۶۰۲۰]

''وہ مجہول ہے اور اس پر خوش مت ہو کہ ابن حبانؒ نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے اس لیے کہ ان کا قاعدہ ہی یہ مشہور ہے کہ مجہول راویوں سے بھی احتجاج کر لیتے ہیں۔''

اور حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ: ويحيى الكندي غير معروف، ذكره البخاريؒ وابن أبي حاتمؒ ولم يذكرا فيه جرحاً، وذكره ابن حبانؒ في الثقات كعادته فيمن لم يجرح.

[فتح الباری، پ:۲۱، ص:۵۴، باب ما تحل من النساء وما تحرم، وطبع دار نشر الکتب الاسلامیۃ ۹:۱۵۶]

''یحییٰ الکندی مجہول ہے۔ امام بخاریؒ اور ابن ابی حاتمؒ نے اس کا ذکر کیا ہے لیکن اس پر انہوں نے جرح ذکر نہیں کی اور ابن حبانؒ نے اس کو ثقات میں لکھا ہے جیسا کہ ان کی عادت ہے کہ جن راویوں پر جرح نہیں ہوتی وہ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔''

ان تمام ٹھوس حوالوں سے یہ امر ثابت ہو گیا کہ جس راوی کو امام دار قطنیؒ اور امام ابن حبانؒ ثقہ اور عادل کہتے ہیں وہ جمہور کے نزدیک بدستور مجہول الحال اور مستور رہتا ہے اس لیے ان کے نافع کو ثقہ کہنے میں اور جمہور کے اس کو مستور اور مجہول کہنے میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ:

تھیں میری اور رقیب کی راہیں جدا جدا
آخر کو ہم دونوں درِ جاناں پہ جا ملے

[احسن الکلام فی ترک القراءۃ خلف الامام ۲:۱۰۱-۱۰۳، طبع نہم ۲۰۰۴ء]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

[۹] مولانا صاحب ایک اور قطعی دلیل پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومنہا: ماذُکر في الکبیري: إنَّ المیت لا یزال یسمع الأذان مالم یطین، ولا شك أن لفظ لا یزالُ یدلُّ علی الدوام لأن نفي النفي ثبات. [البصائر: ۲۵، پشاور، ۳۱، ترکی]

"ان دلائل [قطعیہ] میں سے ایک وہ ہے جسے کبیری [شرح منیۃ المصلی] میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب تک قبر کی لپائی نہ کی جائے اُس وقت تک مُردہ قبر کے اندر سے اذان کی آواز سنتا رہتا ہے، اور لا یزال کے الفاظ دوام پر دلالت کرتی ہیں اس لیے کہ نفی کی نفی کا مطلب اِثبات ہوتا ہے۔"

اس روایت کے الفاظ یہ ہیں: لا یزال المیت یسمع الأذان مالم یطین قبرہ.

[الفردوس، حدیث: ۷۵۸۷، زہر الفردوس ۴: ۲۱۱، کبیری: ۵۹۹]

"جب تک قبر کی لپائی نہ کی جائے اُس وقت تک مُردہ قبر کے اندر سے اذان کی آواز سنتا رہتا ہے۔" [سماع الموتی، شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدرؒ: ۲۳۱]

حافظ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں: یہ روایت موضوع ہے اور اس کی سند میں کئی کمزوریاں ہیں:

- حسن بصریؒ کی سیدنا ابن مسعودؓ سے سماع ثابت نہیں۔
- اس کی سند میں کثیر بن شنظیر ہے، جس کے بارے میں امام یحیٰی بن معینؒ فرماتے ہیں:
  لیس بشيء تھا۔ [التاریخ ۲: ۴۹۳، ۴: ۲۱۲]
- اس کی سند میں ابو مقاتل سمرقندی [حفص بن سلم] کے بارے میں امام عبدالرحمٰن بن مہدیؒ کہتے ہیں: اللہ کی قسم! اس سے روایت لینا جائز نہیں۔ [الضعفاء والمتروکین، ابن جوزی ۱: ۲۲۱]
- اس کی سند میں محمد بن قاسم طایکانی بھی ہے، جس کے بارے میں امام حاکمؒ فرماتے ہیں:
  اس نے کئی موضوع روایات نقل کی ہیں۔ [المدخل الی الصحیح: ۲۱۰، ترجمہ: ۱۹۵]
  یہ راوی کذابین و وضاعین کے رؤساء میں سے تھا۔ [الموضوعات ۳: ۲۳۸]

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: اس کی سند باطل ہے اور اس کا راوی محمد بن قاسم طایکانی کذاب تھا۔ [تلخیص الحبیر ۲: ۱۳۳]

امام ابن عراقؒ اور امام محمد طاہر ہندیؒ بھی اس روایت کو موضوع قرار دیتے ہیں۔

[تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ ۲: ۳۶۳، تذکرۃ الموضوعات: ۲۱۹]

فصل سوم

مسئلہ توسل

وسیلہ کا لغوی معنیٰ

علامہ جوہری [1] لکھتے ہیں: الوسیلۃُ: مایُتَقَرَّبُ به إلی الغیر، والجمعُ: الوسیلُ والوسائلُ. والتَّوسیل والتوسل واحدٌ. یقالُ: وَسَّلَ فلانٌ إلی ربه وسیلةً، وتَوَسَّلَ إلیه بوسیلةٍ أي: تَقَرَّبَ إلیه بعملٍ. [الصحاح ۵:۱۸۴۱]

''وسیلہ وہ عمل ہے جس کے ذریعہ کسی کا قُرب حاصل کیا جاتا ہے، اس کی جمع وسیل اور وسائل ہے۔ توسیل اور توسل ایک ہی ہیں۔ وَسَّلَ فلانٌ إلی ربه وسیلةً اور تَوَسَّلَ إلیه بوسیلةٍ کا معنیٰ ہے: تَقَرَّبَ إلیه بعملٍ، یعنی: عمل کے ذریعہ اس کا قرب حاصل کیا۔''

امام راغب اَصفہانی [ابوالقاسم حسین بن محمدؒ، وفات: ۵۰۲ھ] لکھتے ہیں:

الوسیلةُ: التوصُّلُ إلی الشئ برَغْبَةٍ، وهي أخصُّ من الوصیلةِ لِتَضَمُّنِهَا لِمعنَی الرَّغْبَةِ. [المفردات فی غریب القرآن: ۵۲۳-۵۲۴]

''وَسِیْلَةٌ کے معنیٰ کسی چیز کی طرف رغبت کے ساتھ پہنچنے کے ہیں، لہٰذا [مفہوم کے اعتبار سے] یہ لفظ وَصِیْلَةٌ سے زیادہ خاص ہے [کیونکہ وَصِیْلَةٌ کے معنیٰ کسی چیز تک پہنچنے کے ہیں] اور اس [وَسِیْلَةٌ] کے معنیٰ رغبت کے ساتھ پہنچنے کے ہیں۔''

امام بغوی لکھتے ہیں: الوسیلةُ: القُربةُ، فعیلةٌ، مِن تَوَسَّلَ إلی فلانٍ بکذا، أي: تَقَرَّبَ إلیه، و جمعها وسائل. [معالم التنزیل ۲:۲۷-۲۸، بذیل تفسیر سورۃ المائدۃ ۵:۳۵]

---

(۱) اسماعیل بن حمّاد جوہری، ابونصر، جس نے سب سے پہلے پرندوں کی طرح اُڑنا چاہا مگر کامیاب نہ ہوسکے اور اسی کوشش میں ۳۹۳ھ=۱۰۰۳ء کو وفات پائی۔ اُن کا تعلق فاراب سے تھا۔ بچپن میں عراق چلے آئے، وہاں سے حجاز مقدس اور وہاں سے واپس خراسان آئے اور نیشاپور میں رہائش اختیار کی۔
[معجم الادباء ۲:۲۶۹، الاعلام ۱:۳۱۳]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

"وسیلة،فَعِیْلَةٌ کے وزن پر قُرب کے معنیٰ میں ہے۔تَوَسَّلَ إلی فلانٍ بکذا کے معنی ہیں: تَقَرَّبَ إلیہ، یعنی اُس کا قرب حاصل کیا اس کی جمع وسائل ہے۔"

وسیلہ کا شرعی معنی

امام راغب اَصفہانی لکھتے ہیں: و حقیقةُ الوسیلةِ إلی اللّٰه تعالی مُراعاةُ سبیله بالعلمِ و العبادةِ و تَحَرِّي مکارمِ الشریعةِ، و هي کالقُربةِ، والوَاسِلُ: الرَّاغِبُ إلی اللّٰه تعالی.

[المفردات فی غریب القرآن:۵۲۴]

"توسل الی اللہ کی حقیقت یہ ہے کہ علم وعبادت اور مکارمِ شریعت کی بجا آوری سے طریقِ الٰہی کی محافظت کا خیال رکھا جائے۔ یہی معنی تقرب الی اللہ کا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت کرنے والے کو وَاسِلٌ کہا جاتا ہے۔"

قرآن مجید میں وارد ہے: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰه وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ. [سورۃ المائدۃ ۵:۳۵]

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اُسی کے تقرب کے طالب بنو اور اُس کی راہ میں برابر سرگرمِ کار رہو تا کہ فلاح پاؤ۔"

وسیلہ کے معنی قربت کے ہیں اور اِلَیْهِ کی تقدیم سے حصر کا مضمون پیدا ہو گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہی کا قرب اور اُسی کا تقرب ڈھونڈھو جس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اَحکام وحدود کی پوری پوری پابندی کرو اور اُن کی خلاف ورزی کے نتائج سے ڈرتے رہو۔

اللہ تعالیٰ اور اُس کے بندوں کے درمیان واسطہ اور وسیلہ کتاب اللہ اور شریعت ہی ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا. [سورۃ آل عمران ۳:۱۰۳]

"اور اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے پکڑو اور پراگندہ نہ ہو۔"

حَبْلٌ کے معنی رسی کے ہیں۔ اپنے اسی معنی سے ترقی کر کے یہ لفظ تعلق اور ربط کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے اس لیے کہ رسی دو چیزوں میں ربط و تعلق کا ذریعہ ہوتی ہے۔ ایک حماسی شاعر کا شعر ہے:

وَلٰكِنِّي وَصَلْتُ الْحَبْلَ مِنْهُ مُوَاصَلَةً بِحَبْلِ أَبِيْ بَيَان

''لیکن میں نے اس سے اپنا تعلق جوڑے رکھا، ابو بیان کے تعلق سے وابستگی کی بنا پر۔''

پھر مزید ترقی کر کے یہ لفظ معاہدہ کے مفہوم میں بھی استعمال ہونے لگا اس لیے کہ رسی جس طرح دو چیزوں کو ایک ساتھ باندھ دیتی ہے اسی طرح معاہدہ بھی دو قوموں کو ایک دوسرے سے باندھ دیتا ہے۔ معاہدہ کے مفہوم میں یہ لفظ خود قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے:

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَاثُقِفُوْۤا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ. [سورۃ آل عمران ۳:۱۱۲]

''وہ جہاں کہیں بھی ہیں اُن پر ذلت تھوپ دی گئی ہے۔ بس کچھ سہارا ہے تو اللہ اور لوگوں کے کسی عہد کے تحت۔ وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹے ہیں اور اُن پر پست ہمتی تھوپ دی گئی ہے (۱)۔''

---

(۱) ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ: یعنی جس طرح دیوار پر گیلی مٹی تھوپ دی جاتی ہے اسی طرح ان پر ذلت تھوپ دی گئی ہے۔ اس میں اشارہ اس بات کی طرف بھی ہے کہ اُنہوں نے عزت کی جگہ ذلت کی راہ اختیار کی تو ان پر پوری طرح ذلت مسلط کر دی گئی۔

اَيْنَ مَاثُقِفُوْا: سے ذلت کے احاطہ اور اس کی ہمہ گیری کی طرف اشارہ ہے کہ جہاں کہیں بھی یہ ہیں، ذلت ان پر مسلط ہے، یہاں تک کہ اپنے مرکز میں بھی یہ ذلیل وخوار ہیں۔ دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں جہاں ان کو عزت حاصل ہو اور یہ اپنی کمر کے بل بوتے پر کھڑے ہوں۔

اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ: میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر یہ کہیں قائم ہیں تو اپنی سطوت و عزت کے اعتماد پر نہیں بلکہ یا تو اللہ والوں کے کسی معاہدے نے ان کو امان دے رکھی ہے یا اپنے پاس پڑوس کے قبائل سے انہوں نے اس قسم کا کوئی سہارا حاصل کر رکھا ہے۔ یہ سہارے وقتی اور عارضی ہیں۔

اس زمانے میں یہود کی نام نہاد سلطنت ''اسرائیل'' بھی اسی حکم میں داخل ہے، وہ بھی درحقیقت اپنے بل بوتے پر نہیں بلکہ بِحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ ' امریکہ اور انگلستان کے سہارے پر کھڑی ہے اور جو چیز دوسرے کے سہارے پر کھڑی ہو اس کا کھڑا ہونا اور نہ ہونا دونوں برابر ہیں۔

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ: مسکنت سے مراد بے حوصلگی اور پست ہمتی ہے۔ قرآن مجید نے اہل کتاب کی پست ہمتی کو نہایت حقیقت افروز تمثیلوں سے جگہ جگہ واضح فرمایا ہے۔ ان تمثیلوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہود پر دنیا پرستی کا اتنا غلبہ تھا کہ آخرت کی طلب اور اس کے لیے ایثار و قربانی کا کوئی حوصلہ ان کے اندر باقی رہ ہی نہیں گیا تھا۔ وہ آخرت کے بڑے سے بڑے نَسِیَہ [قرض ثواب] کے لیے اپنی دنیا کے چھوٹے سے چھوٹے نقد کو قربان کرنے کی بھی ہمت اپنے اندر نہیں پاتے تھے۔ [تدبر قرآن ۲:۱۶۱-۱۶۲]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

اس آیت میں حبل سے مراد قرآن مجید ہے اس لیے کہ یہی ہمارے اور ہمارے رب کے درمیان ایک عہد و میثاق ہے' اس کو مضبوطی سے پکڑنے کی یہی شکل ہو سکتی ہے کہ ہم اس کتاب کو مضبوطی سے پکڑیں جو ہمارے اور اُس کے درمیان واسطہ ہے۔

سورۃ آل عمران کی اس آیت کے تناظر میں کتاب اللہ اور شریعت کو مضبوطی سے تھامنا ہی اللہ تعالیٰ سے قربت کا واسطہ ہے۔ گویا آیت میں تنبیہ ہے کہ جن لوگوں نے اللہ اور اُس کی شریعت سے بے پروا ہو کر دوسروں کا تقرب ڈھونڈا اور ان کو اپنی نجات وفلاح کا ضامن سمجھے بیٹھے ہیں وہ بڑی غلط امیدوں اور بڑے ہی غلط سہاروں پر جی رہے ہیں۔ فوز وفلاح کی راہ یہی ہے کہ اللہ ہی سے ڈرو اور اسی کا قرب ڈھونڈو۔

قرآن مجید میں دوسری جگہ اس بات کی بھی تصریح ہے کہ ملائکہ -جن کو نادانوں نے اللہ تعالیٰ کی قربت کا ذریعہ سمجھ کر معبود بنایا- وہ خود ہر لحہ اللہ تعالیٰ کے قرب کے لیے ساعی وسرگرم اور اس کے عذاب ڈرتے رہتے ہیں: أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا۔ [سورۃ بنی اسرائیل ۱۷:۵۷]

''وہ لوگ جن کو یہ [مشرکین] پکارتے ہیں خود اپنے رب کے حصول کے لیے ساعی رہتے ہیں کہ کون زیادہ سے زیادہ قرب حاصل کرتا ہے' اس کی رحمت کی امید کرتے ہیں اور اُس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ بے شک تیرے رب کا عذاب ڈرنے ہی کی چیز ہے۔''

وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ: لفظ ''جہاد'' یہاں وسیع معنوں میں ہے' اس سے مراد ہر وہ سعی وسرگرمی اور ہر وہ محنت وکوشش ہے جو اللہ تعالیٰ کے اَحکام کی پابندی' اُس کے دین کے قیام اور اُس کی رضا طلبی کی راہ میں کی جائے' عام اس سے کہ وہ تلوار کے ذریعے سے ہو یا اپنی دوسری قوتوں' صلاحیتوں اور اسباب ووسائل سے۔ یہ گویا وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ کا عملی ثبوت ہے' یعنی اللہ تعالیٰ سے قربت کا طالب اُس کی راہ میں ہر لحہ سرگرم عمل رہے۔

نظم کلام کے پہلو سے یہ اس سے پہلے مذکور تعزیری احکام اور آگے چوری کی سزا کے حکم کے بیچ میں مسلمانوں کو تنبیہ وتذکیر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اَحکام وحدود کی پابندی کے معاملے میں دوسری

امتوں کی طرح تم ڈھیلے نہ پڑنا۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق اس کی شریعت ہی کے واسطہ سے قائم ہوتا ہے اس کے سوا فلاح کی کوئی اور راہ نہیں ہے۔ اگر اللہ کی شریعت کو چھوڑ کر تم یہود و نصاریٰ کی طرح دوسرے سہاروں پر اعتماد کر بیٹھے تو یہ سہارے نافع ہونے کے بجائے صرف مُوجبِ وبال ہوں گے۔ [تدبر قرآن ۲:۵۱۰-۵۱۱]

وسیلہ کی قسمیں

بنیادی طور پر وسیلہ کی دو قسمیں ہیں: مشروع اور غیر مشروع

مشروع وسیلہ کی قسمیں

[۱] اسماءِ حسنیٰ اور صفاتِ عالیہ کے وسیلہ سے دعاء

مشروع وسائل میں یہ سب سے اعلیٰ اور افضل وسیلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا. [سورۃ الاعراف ۷:۱۸۰]

"اور اللہ کے نہایت اچھے نام ہیں پس اُس سے اِن [ناموں کے وسیلہ] سے دعاء مانگو۔"

علامہ حصکفیؒ (۱) اور علامہ شامیؒ لکھتے ہیں: في التاتر خانية معزياً للمنتقى عن أبي يوسف عن أبي حنيفة: لاينبغي لأحدٍ أن يدعوَ الله إلّا به، والدعاء المأذون فيه المأمور به ما استفيد من قوله تعالى: وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا. [ردالمحتار مع الدرالمختار ۵:۲۸۰-۲۸۱]

"فتاویٰ تاتر خانیہ میں بحوالہ مُنتقیٰ امام ابو یوسفؒ (۲) کے سند کے ساتھ امام ابو حنیفہؒ سے اُن کا یہ

---

(۱) محمد بن علی بن محمد الحصني، عرف علاء الدين الحصكفي، منسوب بہ حصن كيفاد [كيفادقلعہ] جو جزیرۂ ابن عمر اور میافارقین کے مابین واقع ہے۔ قیاس تو یہ ہے کہ اُنہیں الحصني کہا جاتا لیکن خلاف قیاس الحصكفي کہلائے۔ ۱۰۲۵ھ = ۱۶۱۶ء کو دمشق میں پیدا ہوئے۔ عالی ہمت، فاضل اور احناف کے مفتی تھے۔ دمشق ہی میں ۱۰۸۸ھ = ۱۶۷۷ء کو فوت ہوئے۔ [طرب الاماثل، ترجمہ: ۳۸۳، الاعلام ۶:۲۹۴]

(۲) یعقوب بن ابراہیم بن حبیب الانصاری الکوفی البغدادی ابو یوسف، امام ابوحنیفہ کے سب سے قریبی ساتھی ہیں۔ کوفہ میں ۱۱۳ھ = ۷۳۱ء کو پیدا ہوئے۔ فقیہ، علامہ اور حافظ حدیث تھے۔ مہدی، ہادی اور ہارون الرشید کے عہد میں قاضی اور چیف جسٹس رہے ہیں۔ امام ابوحنیفہ کے مذہب کے مطابق سب سے پہلے اصول فقہ کی تدوین کی۔ تفسیر، مغازی اور ایامِ عرب کے بلامدافعت امام ہیں۔ ۱۸۲ھ = ۷۹۸ء کو وفات پائی۔ [تاریخ بغداد ۱۴:۲۴۲، الاعلام ۸:۱۹۳]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

ارشاد منقول ہے کہ کسی کے لیے جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اُس کی ذات کے سوا کسی اور ذریعہ سے پکارے اور جس دعاء کا حکم اور اجازت دی گئی ہے وہ آیت کریمہ: وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا کے مطابق ہے۔"

شیخ محیی الدین ابن عربی نے لکھا ہے: إنّ اللّٰه تعالى لم يترك لعبده حجةً عليه، بل للّٰه الحجة البالغةُ، فلا يُتَوَسَّلُ إليه بغيره، إنماهو طلبُ القرب، وقد أخبرنا أنه قريبٌ، وخبره صدقٌ.

[فتوحات مکیۃ ۴:۲۲۶]

"اللہ تعالیٰ نے اپنی حجت اپنے بندوں پر قائم کر دی ہے اور ان کو اللہ پر حجت قائم کرنے کا موقع نہیں دیا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے پاس اُس کی ذات کے سوا کسی اور چیز کا وسیلہ جائز نہیں، اس لیے کہ وسیلہ "قرب حاصل کرنے کو" کہتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے کہ وہ ہم سے قریب ہے اور اُس کی خبر سچی ہے۔"

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے کسی نام کو مفید جملہ کے ضمن میں پڑھنا چاہیے۔ اکثر لوگ یا اللہ، یا رحمان، یا رحیم کہہ کر خیال کرتے ہیں کہ ہم نے اسمائے حسنیٰ کے وسیلہ سے دعاء کی، حالانکہ بات ایسی نہیں ہے، چنانچہ سید آلوسی بغدادیؒ لکھتے ہیں:

ومماينبغي أن يُعْلَمَ أنه قد صَرَّحَ بعض الأجلة كالنووي: أن ذكر اللّٰه تعالى المعتبر شرعاً أن يكون في ضمن جملةٍ مفيدةٍ كسبحٰن اللّٰه، والحمدللّٰه، واللّٰه أكبر، ولا حول ولاقوة إلّا باللّٰه، ونحو ذلك، ومالايكون بمفرد لا يُعدُّ شرعاً ذِكراً نحو: اللّٰه، أوقادرٌ، أوسميعٌ، أو بصيرٌ، إذا لم يقدر هناك مايصير به اللفظ كلاماً، والناس عنه غافلون.

[روح المعانی جلد: ۲۱-۲۲: ۲۲۴-۲۲۵، بذیل تفسیر سورۃ أحزاب ۳۳:۲۱]

"امام نوویؒ اور اُن جیسے کئی جلیل القدر علماء نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ شرعاً ذِکرِ الٰہی وہی معتبر ہے جو کسی مفید کلام کے ضمن میں ہو مثلاً: سبحٰن اللّٰه، الحمدللّٰه، اللّٰه أكبر، لا حول ولاقوة إلّا باللّٰه، اور ذِکرِ مفرد مثلاً: اللہ، قادر، سمیع اور بصیر شرعی طور پر اُس وقت تک ذِکر نہیں ہے، جب تک اس میں کسی ایسے کلام کو مقدر نہ مانا جائے جس سے یہ مفید کلام بن سکے، مگر لوگ اس بات سے غافل ہیں۔"

[۲] اپنے اعمالِ صالحہ کے وسیلہ سے دعاء

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پہلی امتوں میں سے کسی امت کے تین آدمیوں کا ذکر فرمایا، جس کا انتہائی اجمالی خلاصہ یہ ہے کہ:

اُن میں سے ایک شخص والدین کا بہت زیادہ فرمان بردار تھا حتی کہ اپنی صُلبی معصوم اولاد پر بھی والدین کو ترجیح دیتا تھا۔ دوسرا اپنی چچازاد بہن پر عاشق ہی نہیں بلکہ فریفتہ تھا چنانچہ اُس نے اُس لڑکی کے اشارہ سے کہیں سے سو اشرفیاں مہیا کیں اور دل کے ارمان نکالنے کے لیے اُس عورت سے بغل گیر ہونے لگا کہ اُس عورت نے کہا: اللہ تعالیٰ کا خوف کر اور میری عصمت دری مت کر، اُس شخص پر خوف طاری ہوا تو وہ اپنے اِس فعلِ بد سے بالکل باز آ گیا تیسرے نے ایک آدمی کو اپنا مزدور اور اجیر بنایا۔ اجرت میں چند سیر مونجی طے کی [یا بعض روایات کے پیش نظر باجرہ] مگر کسی نا معلوم وجہ سے مزدور ناراض ہو گیا اور اُس نے اپنی اُجرت نہ لی۔ مستاجر نے اُس کو زمین میں بو دیا۔ پیداوار بڑھی۔ پھر دوسری فصل پر اُس نے بو دیا حتی کہ اس سے بڑی آمدنی ہوئی اور جب کسی وقت مزدور آیا تو مستاجر نے وہ اصل اور اس سے حاصل شدہ سب مزدوری اجیر کے حوالہ کر دی۔ پھر کسی موقع پر یہ تینوں سفر کر رہے تھے کہ زور کی بارش آ گئی، وہ تینوں مجبور ہو کر کسی پہاڑ کے ایک غار میں گھس گئے، اللہ کی شان اس غار کے منہ پر ایک وزنی چٹان پھسل کر آ دھمکی اور اُن کے نکلنے کا راستہ بالکل مسدود ہو گیا، اِن تینوں میں سے ہر ایک نے اپنی سابقہ نیکیوں کو بطورِ توسُّل بالاعمال کے پیش کر کے اِن الفاظ سے دعاء کی:

اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنِّیْ قَدْفَعَلْتُ ذٰلِکَ اِبْتِغَاءَ وَجْھِکَ فَافْرُجْ لَنَامِنْھَا، فَفَرَجَ لَھُم فَرْجَۃً.

"یا اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ کام صرف تیری رضا کے لیے کیا ہے تو اس چٹان کو اپنی جگہ سے کچھ سرکا دے [تا کہ بیرونی دنیا اور ایک روایت میں ہے کہ ہم آسمان کو دیکھ سکیں] چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے اس پتھر کو اپنی جگہ سے کچھ ہٹا دیا۔"

اِسی طرح دوسرے اور تیسرے نے دعاء کی تو اللہ تعالیٰ نے وہ چٹان اُس غار کے دہانہ سے بالکل ہی ہٹا دی اور وہ نکل کر اپنے اپنے گھروں کو پہنچے۔" [صحیح بخاری، کتاب الاجارۃ [۳۷] باب من استاجر

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

اجیر أفترک اجرہ[۱۲] حدیث:۲۷۲۷،۲۲۲۷ صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء[۴۸] باب:۲۷،۲۷ حدیث:۱۰۰-[۲۷۴۳]

[۳] کسی زندہ مؤمن کی دعاء کا وسیلہ

کسی نیک اور زندہ ہستی کو اللہ تعالیٰ کے ہاں بطورِ وسیلہ پیش کیا جائے بایں طور کہ اُس سے دعاء کی التجا کی جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے دست بدعا ہو اور حاضرین مجلس بھی اس کے ساتھ اپنے ہاتھ اُٹھا کر خالقِ کائنات کے ہاں عاجزی اور زاری کریں۔

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ایک دفعہ خشک سالی ہوئی اور کافی عرصہ تک بارش نہ ہوئی جس کی وجہ سے لوگ خاصے پریشان ہوئے، اسی اَثناء میں:

أتَی رجُلٌ أعرابيٌّ مِن أهل البدوِ إلى رسول اللّٰه ﷺ يومَ الجمعة فقال: يارسول اللّٰه! هَلَكَتِ الماشيةُ، هلك العيالُ، هلك الناسُ، فرفع رسول اللّٰه ﷺ يَدَيْهِ، ورفع الناسُ أيديهم معه يدعون. [صحیح بخاری، کتاب الاستقاء[۱۵] باب رفع الناس ایدیہم مع الامام فی الاستسقاء[۲۱] حدیث: ۱۰۲۹]

''ایک دیہاتی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جمعہ کے دن حاضر ہوا تو اُس نے کہا: یارسول اللہ! مواشی ہلاک ہو گئے۔ اہل وعیال تباہ ہو گئے۔ لوگ خستہ حال ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ اُٹھائے اور دعاء کی اور لوگوں نے بھی رسول اللہ کے ساتھ اپنے ہاتھ اُٹھائے اور دعاء کی۔''

اس آنے والے دیہاتی کا مقصد بھی یہی تھا کہ رسول اللہ ﷺ جو اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبر اور مقبول الدعاء ہیں دعاء فرمائیں تا کہ بارش ہو، اسی روایت میں آتا ہے کہ دعاء کا نتیجہ فوراً ظاہر ہوا اور خوب بارش ہوئی۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ (۱) کے دَورِ خلافت میں جب بھی ایسی ہی خشک سالی کی تکلیف پیش آئی تو

---

(۱) عمر فاروق رضی اللہ عنہ بن خطاب، قرشی، عدوی، کنیت ابو حفص تھی اور لقب فاروق۔ مکہ معظمہ میں ۴۰ قبل ہجری = ۵۸۴ء کو پیدا ہوئے۔ خلفائے راشدین میں سے دوسرے نمبر پر ہیں۔ سب سے پہلے ان کو امیر المؤمنین کہہ کر پکارا گیا۔ جلیل القدر صحابی تھے۔ نہایت شجاع، جری اور بہادر تھے۔ نوجوانانِ قریش میں سے تھے۔ ۱۳ھ کو خلیفہ چنے گئے۔ ان کی عدالت ضرب المثل ہے، ان کے دورِ خلافت میں شام، عراق، بیت المقدس، مدائن، مصر اور جزیرہ فتح ہوئے۔ بارہ ہزار مسجدیں بنوائیں۔ سن ہجری کی ابتدا آپ کے عہد زرین میں ہوئی۔ آپ سے ۵۳۷......

رسول اللہ ﷺ کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ (۱) سے بارش کی دعاء کرواتے، چنانچہ صحیح حدیث میں ہے:

أنّ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ كان إذا قحطوا استسقى بالعباس بن عبدالمطلب فقال:
أللهم إنا كنا نتوسل إليك بنبينا فتسقينا، وإنا نتوسّلُ إليك بعم نبينا فاسقِنا، قال: فيُسقون.
[صحیح بخاری، کتاب الاستسقاء [۱۵] باب سوال الناس الامام اذا قحطوا [۳] حدیث: ۱۰۱۰، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ [۶۲] باب ذکر العباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ [۱۱] حدیث: ۳۷۱۰]

''سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے جب لوگوں کو قحط سالی کا سامنا کرنا پڑتا تو آپ سیدنا عباس ابن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے ذریعے [اللہ تعالیٰ سے] بارش کی درخواست کرتے اور یوں دعاء کرتے کہ اے اللہ! بے شک ہم تیرے سامنے اپنے نبی کو بطورِ توسُّل پیش کیا کرتے تھے سو تو ہم پر بارش نازل کیا کرتا تھا اور اب ہم تیرے سامنے اپنے نبی ﷺ کے چچا کو بطورِ وسیلہ پیش کرتے ہیں سو تو ہم پر بارش نازل فرما تو اُن پر بارش برسائی جاتی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: يُستفادُ من قصّةِ العباس رضی اللہ عنہ إستحبابُ الإستشفاع بأهل الخير والصلاح وأهل بيت النبوة. [فتح الباری ۲: ۴۹۷]
''سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اہلِ خیر وصلاح اور خاندانِ نبوت سے تعلق رکھنے والے افراد کو بطورِ توسُّل پیش کرنا مستحب ہے۔''

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اس حدیث سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں: ازیں جا ثابت شد کہ توسل بگذشتگاں وغائباں جائز نداشتہ اند، وگرنہ عباس رضی اللہ عنہ از سرورِ عالم ﷺ بہتر نبود چرا نگفت کہ توسل میکردیم بہ پیغمبر تو والحال توسل می کنیم بروح پیغمبر تو؟ [البلاغ المبین: ۳۶-۳۷]

...... احادیث روایت کی گئی ہیں۔ ۲۳ھ=۶۴۴ء کو رحلت کر گئے۔ نماز جنازہ سیدنا صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ رومی نے پڑھایا۔ [صفۃ الصفوۃ ۱-۲: ۱۱۸، ترجمہ: ۳، تہذیب الکمال ۲۱: ۳۱۷، الاعلام ۵: ۴۵]

(۱) عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف رضی اللہ عنہ، ابوالفضل، قرشی، جاہلیت اور اسلام دونوں میں قریش کے سردار سمجھے جاتے تھے۔ عباسی خلفاء کے جدامجد ہیں۔ ۵۱ قبل ہجری=۵۷۳ء کو پیدا ہوئے۔ ہجرت سے پہلے اسلام قبول کیا اور اسے چھپائے رکھا۔ مدینہ منورہ ہجرت کی۔ غزوۂ حنین میں شرکت کی۔ ۳۲ھ=۶۵۳ء کو مدینہ منورہ میں وفات پاگئے۔ [اسد الغابہ ۲: ۵۲۹، ترجمہ: ۲۸۰۰، الاعلام ۳: ۲۶۲]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

”اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ غائب اور مُردوں کا وسیلہ بنانا جائز نہیں ورنہ سیدنا عباس ﷛ رسول اللہ ﷺ سے بہتر نہیں تھے، پھر سیدنا عمر ﷛ نے یہ کیوں نہیں فرمایا کہ پہلے تیرے پیغمبر کو وسیلہ بناتے تھے اور اب تیرے پیغمبر کی روح کو وسیلہ بناتے ہیں؟“

اس مطلب کو مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ (۱) نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

ليس فيه التوسلُ المعهودُ الذي يكون بالغائب حتى قد لايكون به شعورٌ أصلاً، بل فيه توسل السَّلَف، وهو أن يُقدم رجلاً ذا وجاهةٍ عند الله تعالى ويأمره أن يدعو لهم، ثم يحيل عليه في دعائه كمافُعِلَ بالعباس ﷛ عَمِّ النبي ﷺ، ولو كان فيه توسل المتأخرين لمااحتاجوا إلى إذهاب العباس ﷛ معهم، ولكفى لهم التوسل بنبيهم ﷺ بعد وفاته أيضاً، أو بالعباس ﷛ مع عدم شهوده معهم، وهذاالنحو جائزٌ عندالمتأخرين، ومنع منه الحافظ ابن تيمية رحمه الله تعالى، وإني متردد فيه. [فیض الباری۲:۴۹۶، بذیل حدیث:۱۰۱۰]

”اس میں وہ معہود توسل نہیں جو غائب سے کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ اسے بالکل شعور وخبر تک ہی نہ ہو، بلکہ اس حدیث میں سلف کے توسل کا ذکر ہے، وہ یہ کہ کسی ایسے شخص کو آگے کیا جائے جس کا اللہ تعالیٰ کے ہاں درجہ ہو اور اس سے التجا کی جائے کہ وہ اُن کے لیے دعاء کرے، پھر دعاء اس کے حوالے سے دعاء کی جائے جیسا کہ سیدنا عباس ﷛ — جو رسول اللہ ﷺ کے چچا تھے — سے کروایا گیا اور اگر اس میں متاخرین کا توسل مراد ہوتا تو سیدنا عباس ﷛ کو ساتھ لے جانے کی اُن کو ضرورت وحاجت ہی نہ پڑتی اور اُن کے لیے کافی تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کا توسل

---

(۱) محمد انور شاہ بن محمد اعظم شاہ بن شاہ عبدالکبیر۔ اُن کے بزرگوں کا اصل وطن بغداد تھا، وہاں سے ملتان آئے۔ لاہور منتقل ہوئے پھر کشمیر میں سکونت اختیار کی۔ آپ ۲۷ شوال المکرم ۱۲۹۲ھ = ۱۸۷۵ء کو اپنے ننھیال دودھواں [علاقہ لولاب] کشمیر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی اسباق اپنے والد محترم سے لیے پھر تین سال تک ہزارہ [سرحد] کے متعدد علماء وصلحاء کی خدمت میں رہے۔ ۱۳۰۷ یا ۱۳۰۸ھ کو سولہ سترہ سال کی عمر میں دارالعلوم دیوبند آ گئے جہاں چار سال تک علوم وفنون حاصل کرتے رہے۔ بیس اکیس سال کی عمر میں ۱۳۱۲ھ کو سند فضیلت حاصل کیا۔ بہت بڑے محدث تھے۔ قادیانیوں کے خلاف تیغ بُرّاں تھے۔ ۱۳۵۲ھ = ۲۹ مئی ۱۹۳۳ء کو دیوبند میں وفات [... بڑے مسلمان:۳۶۹]

کرتے یا سیدنا عباس ﷛ سے اُن کی غیر حاضری میں توسل کر لیتے' جب کہ متاخرین کے نزدیک ایسا وسیلہ جائز ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ نے اس سے روکا ہے اور میں خود اس مسئلے میں متردد ہوں۔''

مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ نے یہ بھی لکھا ہے: قلتُ: و هذا توسلٌ فعلي' لأنه كان يقول له بعدذلك : قم ياعباس فـاستَسقِ' فكان يستسقي لهم' فلم يَثْبُتُ منه التوسل القولي' أي: الإستسقاءُ بأسماء الصالحين فقط' بدون شركتهم.

[فیض الباری ۴: ۴۳۸' بذیل حدیث: ۳۷۱۰]

''میں کہتا ہوں کہ یہ توسل فعلی ہے کیونکہ سیدنا عمر ﷛ نے اس کے بعد سیدنا عباس ﷛ سے فرماتے کھڑے ہوں اور بارش طلب کریں تو وہ لوگوں کے لیے بارش طلب کرتے' تو اس سے توسل قولی ثابت نہیں ہوتا یعنی نیک لوگوں کی شرکت کے بغیر محض اُن کے ناموں کی برکت سے بارش طلب کرنا۔''

اس طرح کا توسل سیدنا معاویہ ﷛ (۱) کے دورِ خلافت میں بھی ہوا' چنانچہ معتبر کتابوں میں ہے:

أنَّ السماء قَحِطَتْ فخرج معاوية بن أبي سفيان رضي اللّٰه عنهما وأهل دمشق يستسقون ' فلما قعد معاوية ﷛ على المنبر قال: أين يزيد بن الأسود الجرشي؟ فناداه الناسُ فأقبلَ يتخطى فأمره معاوية فصعد المنبر فقعد عند رجليه فقال معاوية ﷛: أللهم إنَّا نستشفعُ إليك اليوم بخيرنا وأفضلنا أللهم إنَّا نستشفعُ إليك بيزيد بن الأسود الجرشي ﷛ يا يزيد ارفع يديك إلى اللّٰه ' فرفع يزيد يديه ورفع الناسُ أيديهم' فما كان أوشك أن ثارت سحابةٌ في المغرب وهبَّت لها ريحٌ' فسُقِينا حتى كاد الناسُ لا يصلون إلى منازلهم

[طبقات ابن سعد ۷: ۴۴۴' المعرفۃ والتاریخ ۲: ۲۲۱' سیر أعلام النبلاء ۴: ۱۳۷]

---

(۱) معاویہ بن ابی سفیان [صخر] رضی اللہ عنہما بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف' قرشی اموی' ۲۰ ق ھ = ۶۰۳ء کو مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ فصیح و حلیم اور باوقار تھے۔ عمرۃ القضاء کے سال اسلام قبول کیا۔ شام میں دولت اموی کے بانی ہیں اُنہیں پہلا بحری اسلامی جنگ لڑنے کا شرف بھی حاصل ہے۔ کاتب وحی تھے۔ ۶۰ھ = ۶۸۰ء کو دمشق میں وفات پائی۔ [اسد الغابۃ ۴: ۳۰۵' ترجمہ: ۴۹۸۶' الاعلام ۷: ۲۶۱]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

''سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے دَورِ خلافت میں قحط سالی شروع ہوئی۔ سیدنا معاویہ ﷺ اور اہل دمشق استسقاء کے لیے باہر نکلے' جب سیدنا معاویہ ﷺ منبر پر تشریف لا کر بیٹھ گئے تو لوگوں سے پوچھا: [سیدنا] یزید بن اسود جُرشی ﷺ (۱) کہاں ہیں؟ لوگوں نے اُنہیں آواز دی وہ لوگوں کے کاندھوں کو پھلانگتے ہوئے اُن کے پاس پہنچے۔ سیدنا معاویہ ﷺ نے اُنہیں منبر پر آنے کے لیے کہا۔ آپ منبر پر چڑھ کر اُن کے پاؤں میں بیٹھ گئے۔ سیدنا معاویہ نے فرمایا: اے میرے اللہ! ہم اپنے میں سے بہتر شخص کو تیرے سامنے سفارشی پیش کرتے ہیں۔ [پھر فرمایا] اے یزید! اپنے ہاتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے اُٹھاؤ تو اُنہوں نے اپنے ہاتھ اُٹھائے اور دعاء کی اور لوگوں نے بھی دعاء کی' پس بہت جلد مغرب کی طرف سے بادل اُٹھا اُس سے پہلے ہوائیں چلیں اور اتنی بارش ہوئی کہ لوگوں کا اپنے گھروں کو واپس لوٹنا دشوار ہوا۔''

غیر مشروع وسیلہ کی قسمیں

[۱] کسی شخص کی ذات کا وسیلہ

کسی ذات اور شخص کو وسیلہ بنانا' مثلاً کسی مخصوص آدمی کا نام لے کر کہے کہ: اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں فلاں شخص کو وسیلہ بنا کر پیش کرتا ہوں کہ تو اس کے وسیلہ سے میری حاجت پوری فرمادے' اس میں ''فلاں شخص'' سے مراد اُس شخص کی ذات مراد ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کسی کی ذات اور شخصیت کا وسیلہ بنانا ایک غیر شرعی عمل ہے' جس کا نہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ نے اس کی تبلیغ فرمائی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے عمل واتباع سے خالی اس وسیلہ کی مذمت بھی فرمائی ہے جیسا کہ اس مذموم وسیلہ کے مرتکب مشرکین کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ اِنَّ اللّٰهَ

---

(۱) یزید بن اسود جُرَشی' رسول اکرم کی حیات میں اسلام قبول کیا اور شام چلے گئے اور وہاں ''زبدین'' نامی گاؤں میں سکونت اختیار کی۔ [تاریخ الاسلام ۲: ۵۸۵' ترجمہ: ۲۱۲]

لَا یَھْدِیْ مَنْ ھُوَ کٰذِبٌ کَفَّارٌ. [سورۃ الزمر ۳۹:۳]

''دیکھو! خالص عبادت تو اللہ ہی کے لیے ہے اور جن لوگوں نے اُس کے سوا اور کارساز بنا رکھے ہیں وہ کہتے ہیں: ہم تو ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو اللہ تعالیٰ سے قریب تر کر دیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے درمیان اس بات کا فیصلہ کرے گا جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو بامراد نہیں کرے گا جو جھوٹے اور ناشکرے ہیں۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کی ذات کو وسیلہ بنانے کو رد کر دیا ہے اور اسے قبول نہیں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دو باتوں پر مذمت فرمائی ہے:

—اول: اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کی بندگی پر

—دوم: اَشخاص اور مخلوقات کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تقرب کا ذریعہ بنانے پر؛ اس لیے کہ یہ دونوں باتیں عیب، گناہ، باطل، جھوٹ اور گمراہی ہے۔

یہ بھی ارشاد ہے: وَمَآ اَمْوَالُکُمْ وَلَآ اَوْلَادُکُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُکُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓی اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ لَھُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَھُمْ فِی الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ. [سورۃ سبا ۳۴:۳۷]

''اور تمہارے مال اور تمہاری اولاد وہ چیز نہیں ہے جو تم کو ہمارا مقرب بنا دینے والی ہو۔ البتہ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے وہ لوگ ہیں کہ اُن کے لیے اُن کے اعمال کا مضاعف صلہ ہوگا اور وہ بالا خانوں میں چین سے براجمان ہوں گے۔''

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جو اللہ تعالیٰ کے مقرب ہوتے ہیں اور بڑے بڑے رُتبے پاتے ہیں اور جن کی نیکیوں کا اجر بڑھایا جاتا ہے تو یہ سب اُن کے اعمالِ صالحہ کی وجہ سے ہوتا ہے، اُن کے مرتبہ اور واسطے سے کچھ نہیں ملتا، بلکہ ان مقرب بندوں کے بارے میں یہ بھی ارشاد ہے کہ:

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّھِمُ الْوَسِیْلَةَ اَیُّھُمْ اَقْرَبُ وَیَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَیَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ کَانَ مَحْذُوْرًا. [سورۃ بنی اسرائیل ۱۷:۵۷]

''جن کو یہ پکارتے ہیں وہ تو خود ہی اپنے رب کے قرب کی طلب میں سرگرم ہیں کہ ان میں سے کون سب سے زیادہ قرب حاصل کرتا ہے اور وہ اپنے رب کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اس کے

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

عذاب سے ڈرتے ہیں۔ بے شک تمہارے رب کا عذاب چیز ہی ڈرنے کی ہے۔"

[۲] کسی کی حرمت [رُتبہ و درجہ] کا وسیلہ

اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی کے رُتبہ' درجہ یا کسی کی حرمت وعزت کا وسیلہ لینا غیر شرعی عمل ہے۔ اسے نہ تو اللہ تعالیٰ نے مشروع کیا' نہ رسول اللہ ﷺ نے اس کا حکم دیا' نہ اس کی تاکید کی اور نہ ہی صحابہ کرام ؓ میں سے کسی کا اس پر عمل ثابت ہے۔

قابل قدر حنفی عالم و مصنف علامہ علی بن علی بن محمد بن ابی العز دمشقیؒ (1) لکھتے ہیں:

إنَّ فلاناً و إن كان له حقٌّ على اللّٰه بِوعده الصادق فلا مُناسَبَةَ بين ذلك و بين إجابةِ دعاءِ هذا السائل' فكأنه يقولُ: لكونِ فلانٌ من عبادك الصالحين أجِبْ دعائي! و أيُّ مناسَبَةٍ في هذا و أيُّ ملازَمةٍ؟ و إنما هذا من الإعتداء في الدعاء' وقد قال تعالى: ﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعاً وَّخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾ [سورۃ الاعراف ۷:۵۵] و هذا و نحوُه من الأدعيةِ المبتدعةِ ' ولم يُنقَلْ عن النبي ﷺ ولا عَنِ الصحابة ' ولا عَنِ التابعين ' ولا عَن أحدٍ من الأئمة ؒ' و إنما يوجدُ مثلُ هذا في الحُروزِ و الهياكل التي يكتبها الجُهَّالُ و الطُّرُقية. و الدعاءُ مِن أفضل العباداتِ' و العباداتُ مَبناها على السنة و الإتباع' لا عَلى الهوَى و الإبتداع. [شرح العقیدۃ الطحاویۃ ۱:۲۹۶-۲۹۷]

"بالفرض اگر اللہ تعالیٰ کے سچے وعدہ کے مطابق اُس نے اپنے اوپر کسی کا حق تسلیم کیا ہے' پھر بھی سوال قبول کرنے اور اس چیز کے مابین کیا مناسبت و تعلق ہے؟ گویا کہ یہ شخص کہتا ہے کہ اے اللہ! فلاں شخص تیرا نیک بندہ ہے لہٰذا میری دعاء قبول کیجیے۔ دعاء کی قبولیت اور صاحبِ وسیلہ کی نیکی کے درمیان کیا تعلق؟ یہ تو دعاء میں اِعتدا اور ہٹ دھرمی ہوئی' حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(1) ابوالحسن علی بن علاء الدین علی بن شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن شرف الدین ابوالبرکات محمد بن عزالدین ابوالعز صالح بن ابی العز بن وُہَیب بن عطاء بن جبیر بن جابر بن وہب اذرعی دمشقی صالحی حنفی' عرف: ابن ابی العز۔ ۷۳۱ھ = ۱۳۳۱ء کو پیدا ہوئے۔ دمشق اور پھر دیارِ مصریہ کے قاضی رہے ہیں۔ اونچے پائے کے عالم ہیں۔ کئی مفید کتابیں لکھیں۔ ۷۹۲ھ = ۱۳۹۰ء کو وفات پائی۔
[إنباء الغمر ۳:۵۰' الدرر الکامنۃ ۳:۸۷' ترجمہ: ۱۸۸' الاعلام ۴:۳۱۳]

''اپنے رب سے چپکے چپکے اور عاجزی سے دعائیں مانگا کرو، وہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔'' یہ اور اس قسم کی دعائیں اہلِ بدعت ہی کا وظیفہ ہیں اور نبی کریم ﷺ، صحابہ کرام، تابعین عظام اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ غرض کسی سے بھی اس قسم کی دعائیں منقول نہیں ہیں بلکہ اِن کا رواج تعویذ گنڈے والے اصحابِ طریقت ہی کے یہاں ہے۔ دعا تو افضل ترین عبادت ہے اور عبادت کی بنیاد سنت اور اِتباع پر ہے، خواہشات و بدعات پر نہیں۔''

[۳] اللہ تعالیٰ پر صاحبِ وسیلہ کی قسم کھانا

قسم و حلف کی حقیقت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نام سے لی جائے، کیونکہ قسم عبادت ہے، اور عبادت غیر اللہ کی جائز نہیں۔ صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

مَن كانَ حالِفاً فَلْيَحلِف باللّهِ أوْ لِيصمُت.

[صحیح بخاری، کتاب الشہادات [۵۲] باب کیف یُستحلَفُ [۲۶] حدیث: ۲۶۷۹، واللفظ لہ، صحیح مسلم، کتاب الایمان [۲۷] باب النہی عن الحلف بغیر اللہ [۱] حدیث: ۳-[۱۶۴۶]]

''جس کو قسم کھانی ہو وہ اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم کھائے، ورنہ چپ رہے۔''

اور ایک دوسری روایت میں ہے: مَن حَلَفَ بغير الله فقد أشرَكَ.

[سنن ابی داود، کتاب الایمان والنذور [۱۶] باب فی کراہیۃ الحلف بالآباء [۵] حدیث: ۳۲۵۱، واللفظ لہ، سنن ترمذی، کتاب النذور والایمان [۲۱] باب ماجاء فی کراہیۃ الحلف بغیر اللہ [۸] حدیث: ۱۵۳۵]

''جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اُس نے شرک کیا۔''

اس سے معلوم ہوا کہ جب مخلوق کی قسم مخلوق پر حرام ہے تو پھر کسی مخلوق کے نام کی قسم خالق پر کیسے جائز ہو سکتی ہے؟ مثلاً کوئی کہے: اے اللہ! تجھے فلاں بزرگ کی قسم، یا فلاں کے حق کے وسیلے سے تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میری حاجت پوری کر، ایسا کرنا سراسر حرام ہے۔

علامہ ابن ابی العز رحمہ اللہ لکھتے ہیں: لأنَّ الإقسام بالمخلوق على المخلوق لايجوزُ فكيف على الخالق؟ وقد قال ﷺ: مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ أَشْرَكَ، ولهذا قال أبو حنيفة وصاحباه رحمہم اللہ: يُـكرهُ أن يقول الداعي: أسألُكَ بحقِّ فلانٍ، أو بحق أنبيائك و رسلك، وبحق البيت

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

الـحرام'والمشعرالحرام' ونحوذلك ' حتى كره أبو حنيفة ومحمد رضي اللّٰه‌عنهما أن يقولَ الرجلُ : أللهم إني أسألكَ بِمَعْقِدِ العِزِّ مِنْ عرشكَ'ولم يكرههُ أبويوسف رحمه اللّٰه لِمَا بلغه الأثرفيه.[شرح العقيدة الطحاويۃ ۱:۲۹۷]

"کسی کے حق کی اللہ تعالیٰ پر قسم کھانی حرام ہے کیونکہ مخلوق کی قسم مخلوق پر تو جائز نہیں' پھر بھلا خالق پر کیسے جائز ہو سکتی ہے؟ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اُس نے شرک کیا۔" امام ابوحنیفہ اور اُن کے صاحبین رحمہما اللہ کا قول ہے کہ دعاء کرنے والے کے لیے یہ حرام ہے کہ وہ یوں دعاء کرے: اے اللہ! میں تجھ سے فلاں کے حق کے واسطے سے سوال کرتا ہوں' تیرے نبیوں اور رسولوں کے حق کے واسطے سے اور یا بیت اللہ اور مشعر حرام کے حق کے واسطے سے' وغیر ذلک' یہاں تک کہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد (۱) نے اسے بھی حرام قرار دیا ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ مَعْقِدُ العِزِّمِنْ عَرْشِكَ (۲) کے حق سے سوال کرتا ہوں لیکن امام ابو یوسف نے اسے حرام نہیں جانا اس لیے کہ انہیں اس سے متعلق روایت پہنچی ہے (۳)۔"

---

(۱) محمد بن حسن بن فرقد - فرقد بنوشیبان کے موالی میں سے تھے - ابوعبداللہ' فقہ اور اصول کے امام تھے۔ امام ابوحنیفہ کے علم کو آپ نے پھیلایا اُن کی اصل غوطة دمشق کے گاؤں حرستة سے تھا۔ ۱۳۱ھ = ۷۴۸ء کو واسط میں پیدا ہوئے۔ کوفہ میں پلے بڑھے۔ امام ابوحنیفہ کے قریبی ساتھی رہے ہیں' اُن سے حصول علم کے بعد بغداد تشریف لے گئے' وہاں ہارون الرشید نے انہیں قضا کی ذمہ داری سونپ دی پھر انہیں معزول کیا اور جب خراسان جانے کے لیے نکل پڑے تو انہیں اپنے ساتھ لے لیا اور اسی سفر کے دوران ۱۸۹ھ = ۸۰۴ء کو آپ نے "رے" میں وفات پائی۔ [الفوائد البہیۃ :۲۶۸' ترجمہ:۳۴۳' الاعلام ۶:۸۰]

(۲) امام ابن اثیر جزری لکھتے ہیں: أسألك بمعاقدالعزمن عرشك أي: بالخصال التي استحقّ بهاالعرش العزَّ أو بمواضع انعقادها منه ' وحقيقة معناه: بعِزِّعرشك. وأصحابُ أبي حنيفة يكرهون هذا اللفظ من الدُّعاء. [النہایۃ ۳:۲۴۵]

"معاقدالعزمن عرشك کے معنی ہیں: وہ خصلتیں وخصوصیات جس کی وجہ عرش قابل عزت ٹھہرا اور اس معنی کی حقیقت ہے: تیرے عرش کی عزت کے وسیلہ سے' اور امام ابوحنیفہ کے ساتھی دعاء میں یہ لفظ حرام سمجھتے ہیں۔"

(۳) ان کا اشارہ اس حدیث کی طرف ہے' جس میں مذکور ہے: اثنتا عشرة ركعة تصليهن من ليل أو نهارٍ وتتشهدبين كل ركعتين' فإذاتشهدتَّ في آخر صلاتك فأثنِ على اللّٰه‌عزوجل' وصل على النبي......

...... ﷺواقرأوأنت ساجدٌ:فاتحة الكتاب سبع مرات‘وآية الكرسي سبع مرات‘وقل:لاإله إلا الله وحده لا شريك له‘له الملك وله الحمد‘ و هو على كل شيء قدير‘عشرمرات ‘ثم قل:أللهم إني أسألك بمعاقدالعزمن عرشك ‘ومنتهى الرحمة من كتابك ‘ واسمك الأعظم‘و كلماتك التامة ‘ثم سل حاجتك ‘ثم ارفع رأسك ‘ثم سلم يميناً و شمالاً ‘ ولا تعلموها السفهاء فإنهم يدعون بها فيُستحاب. [الدعوات الكبير‘بیہقی‘۲:۱۸‘حدیث:۴۴۳]

لیکن یہ روایت بھی قابل استدلال نہیں اس لیے کہ اس کے بارے میں حافظ ابن جوزیؒ لکھتے ہیں: یہ روایت بغیر کسی شک وشبہ کے باطل وموضوع ہے۔اس کی سند میں عمر بن ہارون راوی ہے جس کے بارے میں امام یحییٰ بن معینؒ کہتے ہیں: کذاب تھا۔امام ابن حبانؒ کہتے ہیں: ثقات سے معضلات نقل کرتا ہے اور ایسے راویوں سے احادیث روایت کرتا ہے جن سے اس کی ملاقات ثابت نہیں۔[الموضوعات ۲:۴۶۴‘حدیث:۱۰۲۹]

علامہ زیلعی حنفیؒ نے حافظ ابن جوزی کی رائے بغیر کسی تنقید کے ذکر کیا ہے۔
[نصب الرایہ ۴:۲۷۳‘حدیث:۷۴۶۹]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

مسئلہ توسل اور البصائر لمنکری التوسل باہل المقابر

مولانا حمد اللہ صاحب نے البصائر کے اَلْمَقْصَدُ الثَّانِي کے تحت صفحہ ۲۶ سے صفحہ ۶۴ تک [۳۳-۸۷ طبع ترکی ۱۹۹۱ء] مسئلہ توسل کے عنوان پر بہت کچھ لکھا ہے۔ ہم مولانا صاحب سے یہ توقع رکھنے میں حق بجانب ہیں کہ وہ اس مسئلہ پر واضح قطعی دلیل پیش فرمائیں گے اس لیے کہ اُنہوں نے کتاب کے مقدمہ میں لکھا ہے: فجمعتُ دلائلَ قاطعةً و حججاً واضحةً لمن يَدَّعِي التوسل إلى الله ببركة الأنبياء و الأولياء المدفونين في المقابر، ويَدَّعِي سماع الأموات في البرزخ. [البصائر: ۲، پشاور، ۴، ترکی، تسہیل البصائر: ۵]

''میں نے اُن لوگوں کے لیے قطعی دلائل اور واضح حجتیں جمع کی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سامنے انبیائے کرام اور قبروں میں دفن کیے گئے اولیاء کے توسل کے قائل اور برزخ میں مُردوں کے سننے کا دعویٰ کرتے ہیں۔''

مولانا صاحب نے اس سلسلے میں سب سے پہلے وسیلہ کے معنی لکھے ہیں، جس میں کوئی اختلاف نہیں، اُنہوں نے پھر انواعِ توسل کا ذکر فرمایا ہے جن میں سے ایک تَوَسُّلُ بِالأَعْمَالِ الصَّالِحَةِ ہے، جس میں بھی کوئی اختلاف نہیں۔ اختلاف تو توسل بالذوات کے بارے میں ہے، جس کی مولوی صاحب نے دو قسمیں لکھی ہیں: قبل از وفات اور بعد از وفات۔ [البصائر: ۳۸]

مولوی صاحب نے جواز التوسل بالأحیاء کے لیے درج ذیل دلیل پیش کی ہے:

❁ سیدنا ابوجُری ﷛ [1] فرماتے ہیں: میں مدینہ منورہ آیا وہاں ایک شخص دیکھا کہ لوگ اس کے فرمان بردار ہیں اور اس کی رائے کے مطابق اٹھتے بیٹھے اور چلتے پھرتے ہیں۔ میں نے پوچھا: یہ کون [صاحب] ہیں؟ اُنہوں نے کہا یہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ میں نے اُن کے قریب جا کر دو بار عَلَيْكَ السَّلَامُ کہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عَلَيْكَ السَّلَامُ مت کہو یہ میت کا سلام ہے بلکہ اَلسَّلَامُ

---

(۱) جابر بن سُلَیم ابوجُری تمیمی هُجَيمِي ﷛، بَلْهُجَيم بن عمرو بن تمیم سے تعلق تھا۔ بصرہ میں رہائش تھی۔ [اسد الغابہ ۱: ۳۲۵، ترجمہ: ۶۳۷]

عَلَيْكَ کہا کرو[1]۔ میں نے اُن سے پوچھا: آپ اللہ کے رسول ہیں؟ آپ نے فرمایا:
أَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ، الَّذِي إِنْ أَصَابَكَ ضُرٌّ فَدَعَوْتَهُ كَشَفَهُ عَنْكَ، وَإِنْ أَصَابَكَ عَامُ سَنَةٍ فَدَعَوْتَهُ أَنْبَتَهَا لَكَ، وَإِنْ كُنْتَ بِأَرْضٍ قَفْرٍ أَوْ فَلَاةٍ فَضَلَّتْ رَاحِلَتُكَ فَدَعَوْتَهُ رَدَّهَا عَلَيْكَ[2].

[البصائر: ۲۹، پشاور، ۲۷، ترکی]

”میں اُس اللہ کا رسول ہوں کہ جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچے اور تو اُس [اللہ] کو پکارے تو وہی تم سے تکلیف ہٹا دے گا، اگر تمہیں قحط سالی کا سامنا کرنا ہو اور تو اُس [اللہ] کو پکارے تو وہی تمہارے لیے غلہ اُگائے گا اور اگر تو جنگل میں ہو اور تمہاری سواری کا جانور گم ہو جائے اور تو اُسی [اللہ] کو پکارے تو وہی تم کو اُسے واپس لوٹا دے گا۔“

مولوی صاحب اس روایت کو لکھ کر اس سے ان الفاظ میں استدلال کرتے ہیں:

فعُلِمَ منهُ أنَّ النبي ﷺ وسيلة إلى اللّٰه تعالى في قضاء الحاجات من دفع الضرو إنبات النبات وإنزال المطرو رد الضالة. [البصائر: ۳۰، طبع پشاور]

”اس [حدیث] سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ حاجات پورا کرنے، تکلیف اور نقصان کو ہٹانے، بارش برسانے اور گم شدہ اشیاء کو واپس دلانے میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں وسیلہ ہیں۔“

مولوی صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ کوئی بھی مسلمان اس سے منکر نہیں کہ کسی زندہ شخص کے پاس جا کر اُس سے اپنے حق میں دعاء کروائی جائے، لیکن اس پیش کردہ روایت کا اِس مسئلہ سے کوئی تعلق ہی نہیں۔

۞ مولوی صاحب نے جواز التوسل بالأموات کے لیے درج ذیل دلائل پیش کیے ہیں:

[۱] ارشادِ ربانی ہے: وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا. [سورۃ البقرۃ ۲:۸۹]

---

(۱) اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ عَلَيْكَ السَّلَامُ سے مُردوں کو سلام کیا جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عربوں کے ہاں ایسا کرنے کا رواج تھا جس سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا اور مقبروں میں جا کر اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ کہہ کر واضح فرمایا کہ سلام کرنے کے معاملے میں زندے اور مردے دونوں ایک جیسے ہیں۔
[معالم السنن ۴: ۳۴۴]

(۲) سنن ابی داوٗد، کتاب اللباس [۲۶] باب ماجاء فی إسبال الازار [۲۸] حدیث: ۴۰۸۴

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

''اور وہ اس سے پہلے کافروں کے مقابلے میں فتح کی دعائیں مانگ رہے تھے۔''

یہ آیت لکھ کر مولوی صاحب لکھتے ہیں: سید آلوسیؒ نے [تفسیر روح المعانی ۱-۲:۴۳۵] سدی کی سند سے روایت نقل کی ہے کہ جب اوس وخزرج اور مشرکین کے درمیان لڑائی چھڑ جاتی تو وہ تورات کو نکال کر، اُس میں رسول اللہ ﷺ کا نام مبارک نکال لیتے اور اُس کے اوپر اپنے ہاتھ رکھ کر دعاء کرتے کہ: اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْئَلُكَ بِحَقِّ نَبِيِّكَ الَّذِيْ وَعَدْتَّنَا أَنْ تَبْعَثَهٗ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ أَنْ تَنْصُرَنَا عَلٰى عَدُوِّنَا الْيَوْمَ 'تو اُن کی مدد کی جاتی. [البصائر: ۳۰ 'پشاور' ۳۸ 'ترکی]

مولانا شوکت علی صاحب لکھتے ہیں: ''روایت میں آیا ہے کہ یہود میدانِ جنگ میں دشمن کے مقابلے میں آپ ﷺ پر [قبلِ بعثت] توسل کیا کرتے تھے اور اس دعاء بالتوسل کے سبب اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اُن کی مدد ہو جاتی تھی۔ پس قرآن کا، اُن کے اس فعل کو بغیر نکیر کے ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ عنداللہ مباح اور مشروع ہے اور یہی ہماری شریعت کا حکم ہے۔ اگر یہ فعل صرف اُن کے لیے جائز اور ہمارے حق میں ناجائز ہوتا تو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نکیر وارِد ہوتی۔'' [تسکین الخواطر فی اثبات التوسل بالذوات الفواضل: ۱۷۵]

یہ روایت مسئلہ توسل بالذوات الفاضلہ پر مولانا احمد اللہ صاحب کی قطعی دلیل ہے، جس کا راوی سدی ہے [1] اور مولانا شوکت علی صاحب کے نزدیک بھی یہ برہانِ قاطع ہے، لیکن اس کو

---

(۱) شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدرؒ نے بھی تفسیر روح المعانی کی یہ عبارت درج کی ہے۔ [تسکین الصدور: ۴۰۶]

مولانا شوکت علی صاحب لکھتے ہیں: ''منکرین کہتے ہیں کہ یہ دعاء جس حدیث میں نقل کی گئی ہے وہ حدیث ضعیف ہے لہٰذا اس کو نقل کرنے سے توسل ثابت نہیں ہوسکتا۔ **الجواب**: قارئین پر یہ بات مخفی نہیں کہ یہ حدیث جمہور محدثین نے نقل کر کے اس سے آیت کا مفہوم واضح کر دیا ہے لہٰذا تعاملِ امت کی وجہ سے حدیث کا ضعف مضر نہیں رہا۔'' [تسکین الخواطر فی اثبات التوسل بالذوات الافاضل: ۱۹۹-۲۰۰]

مولانا شوکت علی صاحب نے اس زیرِ بحث شانِ نزول کے لیے مفسر بغوی، خازن، قرطبی، قاضی ثناء اللہ، ابن جزی کلبی، ابومحمد عبدالحق حقانی، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مولانا شبیر احمد عثمانی، حافظ سیوطی اور سید آلوسی کی عبارتیں پیش کی ہیں۔ یہ اُن کے ہاں جمہور محدثین ہیں؟

مولانا صاحب محدثین اور مفسرین کے مابین فرق نہ کر سکے۔ ہم کہتے ہیں: کسی بھی معتبر محدث نے اس......

کیا کہیں گے کہ اس تفسیر کو جس شخصیت نے سیدنا ابن عباس ﷺ کے حوالے سے نقل کیا ہے اُس کا نامِ نامی اور اسمِ گرامی محمد بن مروان سدی ہے، جس کے بارے میں:

-امام بخاریؒ فرماتے ہیں: اُس کی روایت نہ لکھی جائے۔ [تہذیب الکمال ۲۶: ۳۹۳]

-حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں: متروک اور جھوٹ بولنے سے بدنام ہے۔ [میزان الاعتدال ۴: ۳۲]

-امام ابن نصیرؒ فرماتے ہیں: محمد بن مروان کذاب ہے۔ [الضعفاء الکبیر ۴: ۱۳۶]

کسی متروک، جھوٹ بولنے سے بدنام اور کذاب راوی کی روایت تو موضوع ہوتی ہے، جس سے کسی مسئلہ کے جواز، عدمِ جواز یا اِستحباب و اِباحت کے لیے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

[۲] مولانا صاحب نے سورۃ المائدۃ [۵: ۳۵] کی آیت کریمہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ.

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اُسی کے تقرب کے طالب بنو اور اُس کی راہ میں برابر سرگرم کار رہو، تاکہ فلاح پاؤ۔'' بھی استدلال میں پیش کی ہے۔ [البصائر: ۳۵، پشاور، ۴۴، ترکی]

حالانکہ اس آیت کریمہ کا مطلب قطعاً یہ نہیں کہ ہم کسی بڑی ہستی کی وساطت سے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی حاجات پیش کریں، اس آیت کی تفسیر میں امام بیضاویؒ (۱) لکھتے ہیں:

أي: ماتتوسّلون به إلى ثوابه والزلفى منه مِن فعلِ الطاعات وترك المعاصي، مِن: وَسَلَ إلى كذا: إذا تقرب إليه. [انوار التنزیل ۲: ۱۳۴]

''وہ چیز تلاش کرو جس سے تم اللہ تعالیٰ کا قرب اور اُس کا اجر حاصل کر سکو، جو اللہ تعالیٰ کی فرمان برداری کرنا اور اُس کی نافرمانی سے بچنا ہے۔''

......روایت کو اپنی کتاب میں نقل نہیں کیا ہے۔ یہ بھی پیش نظر رہے کہ یہ روایت موضوع ہے۔ ضعیف نہیں ہے کہ تعاملِ امت سے اس کو صحیح کہا جائے۔

(۱) عبداللہ بن عمر بن محمد بن علی، شیرازی، ابوسعید، بیضاوی، قاضی [Judge] مفسر تھے۔ فارس کے شہر شیراز کے قریبی گاؤں ''بیضاء'' میں پیدا ہوئے۔ عرصہ تک شیراز کے قاضی رہے ہیں۔ تبریز میں ۶۸۵ھ = ۱۲۸۶ء کو وفات پائی۔ [طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۵: ۵۹، الاعلام ۴: ۱۱۰]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

اوراخوند درویزہ باباؒ(۱) اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"طالبانِ عزیز! اس آیت کے معنی کو اچھی طرح بگوش ہوش سنو اور اسے سیکھو۔ وہ کون سی چیز ہے جو وسیلہ کے طور پر اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش کی جاتی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کو ہمارے ذمہ فرض کیا ہے، اُنہیں بجالایا جائے اور جن چیزوں کو حرام ٹھہرایا اُن سے اِجتناب کیا جائے۔ تفسیر بیضاوی میں اس آیت کے یہی معنی لکھے ہیں، مگر بہت سے گمراہ کہتے ہیں کہ پیر جی اللہ تعالیٰ کے ہاں وسیلہ ہیں، اس لیے لوگ پیروں کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ یہ گمراہ ہلاک ہو جائیں کہ آیت کریمہ کے معنی میں تغیر کے مرتکب ہوتے ہیں اور جب [صحیح] تفسیر سے بے خبر ہیں، تو غلط تفسیر کیوں پیش کرتے ہیں؟" [مخزن اسلام:۲۹]

دراصل اردو میں "وسیلہ" کے معنی ہیں: ذریعہ، اور عربی میں "وسیلہ" کے معنی قُربْ [نزدیکی] کے ہیں اس لفظی تشابہ سے بعض لوگ اس غلطی میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ اللہ کے قرب کا ذریعہ ذوات فاضلہ ہیں، چنانچہ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ(۲) لکھتے ہیں:

"جن لوگوں نے "وسیلہ" کے تحت بزرگانِ دین کی استعانت اور انبیاء واولیاء سے استغاثہ جائز رکھا ہے، انہوں نے عربی کے وسیلہ بمعنی قُربْ کو اردو کے وسیلہ بمعنی ذریعہ کا مرادف سمجھ لیا ہے اور ایسی شدید وفاحش غلطیاں نادر نہیں، کثیر الوقوع ہیں۔" [تفسیر عبدالماجد دریابادی:۲۵۱]

[۳] مولوی صاحب مشکاۃ المصابیح کے حوالے سے ایک اور قطعی دلیل یوں پیش کرتے ہیں:

---

(۱) اخوند درویزہ ننگرہاری، ثم پشاوری، شمالی پشاور کے گاؤں تنگر زئی میں ۹۴۰ھ کے نواح میں پیدا ہوئے، اس علاقے میں تحصیلِ علم کی اور سید علی ترمذی عرف پیر بابا سے روحانی فیض حاصل کیا انہوں نے اپنی عمر کا معتد بہ حصہ سوات سے لے کر تیرہ تک افغانوں کے علاقے میں بسر کیا اور بہت رسوخ حاصل کر لیا۔ سو سال سے زیادہ عمر پا کر ۱۰۴۸ھ میں وفات پائی اور ہزار خوانی میں دفن ہوئے۔ [اردو دائرہ معارف اسلامیہ ۲:۲۱۲]

(۲) عبدالماجد، ۱۸۹۲ء کو قصبہ دریا آباد [ہند] میں عبدالقادر کے گھر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ کینگ کالج لکھنؤ سے گریجویشن کیا۔ ۱۹۱۳ء میں فلسفہ پڑھنے کی خاطر علی گڑھ کالج کا رُخ کیا لیکن ایم اے کے امتحان میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ۱۹۲۸ء میں مولانا اشرف علی صاحب تھانوی سے استفادہ شروع کیا۔ ۱۹۶۷ء میں فوت ہوئے۔ [مسلم شخصیات کا انسائیکلوپیڈیا:۴۱۵]

روى أبو الجوزاء:قحط أهل المدينة قحطاً شديداً فشكوا إلى عائشة رضي الله عنها فقالت : أنظروا قبر النبي ﷺ فاجعلوا فيه كُوىً إلى السماء، حتى لايكون بينه وبين السماء سقفٌ،ففعلوا، فمطروا مطراً حتى نَبَتَ العُشُبُ،وسَمُنَتِ الإبل حتى تَفَتَّقَتُ مِن الشَّحُمِ،فسُمِّيَ عام الفَتُق.[البصائر:۳۰-۳۱،پشاور،۳۸،ترکی]

''ابوالجوزاء سے روایت ہے کہ مدینہ منورہ کے لوگ بڑے شدید قحط میں مبتلا ہوگئے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس شکایت لے کر گئے۔آپ نے فرمایا:رسول اللہ ﷺ کی قبر کی طرف دیکھو اور قبر سے آسمان تک ایک جھروکہ کھولو تاکہ آسمان اور قبر کے درمیان چھت حائل نہ ہو۔لوگوں نے ایسا ہی کیا تو بارش ہوئی، اتنی کہ خوب سبزے اُگے۔اونٹ سبزے چر کر اتنے موٹے ہوگئے کہ چربی بہنے لگے۔یہ سال عَامُ الْفَتُقِ کہنے لگا۔''

یہ روایت مشکاۃ المصابیح[۳:۳۱۶-۳۱۷، کتاب الفضائل، باب الکرامات[۸] حدیث:۵۹۵۰] میں سنن دارمی[۱:۵٦،مقدمہ،باب ما اکرم اللہ تعالیٰ نبیہ ﷺ بعد موتہ[۱۵] حدیث:۹۲] کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے۔امام دارمی (۱) نے اس کی سند اس طرح نقل کی ہے:حدثنا أبو النعمان، ثنا سعيد بن زيد ثنا عمرو بن مالك النُّكرِي،حدثنا أبو الجوزاء أوس بن عبدالله.[سنن دارمی۱:۵٦]

یہ روایت معلول ہے اس لیے کہ:

- اس کا پہلا راوی[امام دارمی کے استاذ] ابوالنعمان[محمد بن الفضل المعروف بعارم] ہے جس کے بارے میں امام ابن ابی حاتم (۲) لکھتے ہیں: اِختلطَ عارِم في آخر عمره،وزال عقله،فمن

---

(۱) عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن فضل بن بہرام، تیمی، دارمی، سمرقندی، ابومحمد، ۱۸۱ھ=۷۹۷ء کو پیدا ہوئے۔حافظ حدیث تھے۔حجاز، مصر، عراق اور خراسان تک حصولِ علم کے سلسلے میں تشریف لے گئے۔سمرقند کے قاضی بنادیے گئے۔صرف ایک فیصلہ دیا اور مستعفی ہوئے۔عالم وفاضل، محدث ومفسر اور فقیہ تھے۔سمرقند میں علوم حدیث کی نشرواشاعت کا سہرا اُن کے سر ہے۔۲۵۵ھ=۸٦۹ء کو وفات پائی۔
[تذکرۃ الحفاظ۲:۵۳۴، تہذیب التہذیب۵:۲٦۱، الاعلام۴:۹۵]

(۲) عبدالرحمٰن بن محمد ابوحاتم بن ادریس بن منذر، تمیمی، حنظلی، رازی، ابومحمد۔''رے''میں ۲۴۰ھ=۸۵۴ء کو پیدا ہوئے۔کبار حفاظ حدیث میں سے تھے۔رجالِ حدیث کے ماہر عالم تھے۔۳۲۷ھ=۹۳۸ء کو وفات پائی۔
[تذکرۃ الحفاظ۳:۸۲۹، الاعلام۳:۳۲۴]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

سمع عنه قبل الإختلاط فسماعه صحيحٌ.[الجرح والتعدیل ۸:۵۹'ترجمہ:۲۶۷]

''عارم آخری عمر میں اِختلاط کا شکار ہوا'اُس کی عقل زائل ہوگئی'پس جس نے قبل اَز اِختلاط اُس سے کوئی روایت سنی ہے تو وہ صحیح ہے (۱)۔''

اور یہ بات نہیں معلوم کہ امام دارمیؒ نے اُن سے قبل از اِختلاط روایتوں کا سماع کیا ہے یا بعد از اِختلاط؟ اس لیے یہ روایت معلول اور نامقبول ہوئی۔

– اس کا دوسرا راوی سعید بن زید بن درہم الازدی ہے'جس کی بعض محدثین توثیق کرتے ہیں لیکن امام سعدیؒ فرماتے ہیں: حجت نہیں۔ محدثین اس کی روایت کو ضعیف جانتے ہیں۔ امام نَسائیؒ فرماتے ہیں: قوی نہیں۔[میزان الاعتدال ۲:۱۳۸'ترجمہ:۳۱۸۵]

–اس کا تیسرا راوی عمرو بن مالک نکری بصری ہے'جس کے بارے میں حافظ ابن عدیؒ لکھتے ہیں:

---

(۱) مولانا شوکت علی صاحب تہذیب التہذیب ج۹'صفحہ:۳۵۷ کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''بہر حال اس کو أحد الثقات قبل أن یختلط بھی مان لیں تب بھی بالکل یہ مجروح نہیں ہے جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ یہ روایتُ اُس نے بعد الاختلاط نقل کیا ہے۔''[تسکین الخواطر فی إثبات التوسل بالذوات الاقاضل:۳۶۲]

سوال یہ ہے کہ کیا مولانا شوکت علی صاحب کو یہ معلوم ہوا ہے کہ امام دارمی نے اُن سے قبل از اختلاط روایت سنی ہے؟ اگر ایسا ہے تو کسی ایک محدث کا نام بتایئے جنہوں نے لکھا ہو کہ امام دارمی نے ابوالنعمان سے قبل از اِختلاط حدیث کی سماع کی ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب التہذیب ۹:۳۴۹'بذیل ترجمہ:۶۵۱۶ لکھا ہے کہ: وقع في حديثه المناكير الكثيرة فيجب التنكب عن حديثه فيما رواه فإن لم يُعلم هذا من هذا تُرِك الكل ولا يُحتج بشيء منها.

''اس کی روایات میں بکثرت منکر روایتیں داخل ہوئیں'اس لیے جن لوگوں نے ان سے بعد از اِخلاط روایتیں لی ہیں اُن سے دور رہنا واجب ہے اور اگر کچھ معلوم نہ ہو کہ کون سی روایتیں قبل از اِختلاط ہیں اور کون سی بعد از اِختلاط تو ساری روایتیں متروک ہوں گی اور ان میں سے ایک بھی قابل احتجاج نہ ہوگی۔''

اور ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں: والحكم فيه أن ماحدث قبل اختلاطِ اذا تُمُيِّزَ قُبِل'واذا لم يتميّز تُوُقِّفَ فيه و كذا مَنِ اشتبه الأمر فيه.[شرح نخبۃ الفکر:۱۰۴-۱۰۵]

''ایسے راوی نے اختلاط سے پہلے جو روایتیں بیان کی ہیں وہ تو مقبول ہیں اور جو اختلاط کے بعد بیان کی ہیں وہ غیر مقبول ہیں اور جن کی قبلیت و بعدیت کا علم نہ ہو سکے وہ حصول علم پر موقوف رہیں گی۔''

جب کہ مولانا صاحب بغیر کسی دلیل و برہان کے اس روایت سے استدلال کرتے ہیں۔

ثقہ راویوں کی سند سے منکر روایتیں نقل کرتا اور احادیث کی چوری کرتا ہے(۱)۔

[الکامل فی ضعفاء الرجال ۶: ۲۵۸؛ ترجمہ: ۳۴۷-[۱۳۱۵]

یہ تو رہی اس روایت کی اِسنادی حالت، اس کے متن پر بھی کئی اعتراض وارِد ہوتے ہیں:

-پہلا: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف یہ منسوب کرنا کہ اُنہوں نے لوگوں کو حکم دیا کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر کے اوپر مکان کی چھت کھول دی جائے تاکہ آسمان اور قبر کے درمیان چھت کا پردہ حائل نہ ہو۔ یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کیونکہ ہر مسلمان جانتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی جب وفات ہوئی تو آپ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کے گھر میں دفن کیے گئے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی بدستور اسی کمرے میں رہتی رہیں، پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے ہی گھر کو منہدم کر دینے اور ویرانہ بنا دینے کا حکم دیں گی اور گھر میں بلا چھت کے سکونت پذیر رہیں گی؟

-دوسرا: اگر یہ بات صحیح ہے کہ سیدہ عائشہ کے مشورہ کے مطابق چھت ہٹا دی گئی اور قبر سے آسمان تک ایک جھروکہ نکال دیا گیا تو کیا جسم مبارک کو ظاہر کرنے کے لیے قبر بھی کھول دی گئی؟ اور اس حدیث کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ ایسا کیا گیا تو بتایا جائے کہ ایسا کب کیا گیا اور کس طرح کیا گیا؟ اور اتنی اہم خبر تاریخ کے صفحات سے اب تک کیسے غائب اور مخفی رہ گئی؟

-تیسرا: اگر جسمِ اَطہر کو کھولتے ہی آسمان سے بارش شروع ہو جایا کرتی تھی تو رسول اللہ ﷺ کے عہدِ مبارک میں جب قحط پڑا تھا اور لوگوں کے مال و اسباب تباہ ہو رہے تھے اُس وقت رسول اللہ ﷺ کا جسمِ اَطہر آسمان کے سامنے کھلی فضا میں موجود تھا لیکن اس کے سبب بارش نہیں ہوئی بلکہ رسول اللہ ﷺ کو شہر سے نکل کر میدان میں جانا پڑا تھا اور اِستسقاء کے لیے نماز پڑھانی پڑی اور تضرع و عاجزی کے ساتھ دعاء مانگنی پڑی پھر کہیں آپ کی نماز و دعاء کی برکت سے بارش ہوئی۔

---

(۱) حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں: جو راوی کسی ایک سند کے ساتھ ایسی متن لگائے جو اُس نے شیخ سے نہیں سنی، یا کسی نام کو بدل ڈالا مثلاً مرۃ بن کعب کے بجائے کعب بن مرۃ یا سعد بن سنان کے بجائے سنان بن سعد کہے۔ اب اگر غلطی سے ایسا کرتا ہے تو اُسے قریب الحدیث کہا جائے گا اور اگر عمداً ایسا کرتا ہے تو اسے سارق الحدیث کہتے ہیں۔

[الموقظة فی علم مصطلح الحدیث: ۶۰، بذیل مقلوب: ۲۲]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

-چوتھا: جب رسول اللہ ﷺ کی قبر سے آسمان تک روشن دان کھول دیا گیا تو بارش کے بعد پانی قبر میں بھی آیا ہوگا اور حجرے میں بھی' اُس وقت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہاں رہی ہوں گی؟

-پانچواں: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو جب بارش کا یہ نسخہ معلوم تھا تو قحط پڑنے پر فوراً کیوں نہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہلوا دیا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی قحط کی اس سختی وشدت میں عوام کو خواہ مخواہ مبتلا رکھا۔ قحط پڑتے ہی کیوں نہ قبر سے جسمِ اطہر کو جھروکے کے ذریعہ کھلی فضا کے سامنے کر دیا؟ آخر کیا وجہ تھی کہ اُنہوں نے اِس نسخہ کو استعمال نہیں کیا اور رسول اللہ ﷺ کی طرح خود بھی لوگوں کو لے کر میدان میں پہنچے اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے دعاء کرائی تب کہیں جا کر بارش ہوئی۔

-چھٹا: صحیح روایات کے مطابق جب دیہاتی صحابی رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں داخل ہوئے اور رسول اللہ ﷺ منبر پر کھڑے جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے اور دیہاتی نے شدید قحط سالی اور اس کے سبب مال و اسباب کی بربادی کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فوراً دعاء کے لیے ہاتھ اُٹھا دیے اور دیکھتے ہی دیکھتے مُوسلا دھار بارش شروع ہوگئی جو ہفتہ بر جاری رہی یہاں تک کہ دوسرے جمعہ کو پھر وہی دیہاتی صحابی ٹھیک اُسی وقت جب کہ آپ ﷺ منبر پر کھڑے خطبہ دے رہے تھے' مسجد میں آئے اور بارش کی کثرت کا رونا رو کر فریاد کی کہ سیلاب سے راستے بند ہو گئے ہیں۔ آپ بارش بند ہونے کی دعاء فرمائیں۔ آپ نے دعاء کے لیے ہاتھ اُٹھائے' بارش تھم گئی اور سورج چمکنے لگا۔

یہ سب کچھ اس حالت میں ہوا جب آپ ﷺ کا جسمِ اطہر مسجد کی چھت کے نیچے چُھپا ہوا تھا' اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے محض آپ کی دعاء کی برکت سے بارش نازِل بھی فرمائی اور روک بھی دی۔ اگر جسمِ اطہر کے فضا میں کھلتے ہی بارش ہونے لگتی تو آپ منبر پر کھڑے ہو کر دعاء نہ فرماتے بلکہ صحنِ مسجد میں آکر کھڑے ہو جاتے اور بارش ہو گئی ہوتی لیکن آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا۔ کیا خود ساقیِ کوثر ﷺ ہی کو یہ نسخہ معلوم نہ تھا؟

-ساتواں: پھر جب ایسا ہی تھا تو قبر شریف کو ہمیشہ کے لیے کھلی رکھنا چاہیے تھا۔ اُس کو گنبدِ خضراء سے ڈھانکنے اور چھپانے کی کیا ضرورت تھی؟ تا کہ جب کبھی ضرورت پڑتی' خود بخود بارش شروع ہو جاتی اور حجاز مقدس کے لیے تو اور بھی اس کی ضرورت تھی کیونکہ اس کے موسم پر خشکی غالب ہے اور وہ علاقہ دوسروں کی بہ نسبت پانی کا زیادہ محتاج ہے۔

- آٹھواں: اس حدیث سے واضح ہو رہا ہے کہ بارش کی کثرت سے خوب سبزہ اُگا اور اونٹ چر کر اتنے فربہ ہو گئے کہ اُن کی چربی بہہ پڑی اور اسی لیے اس سال کو عَـامُ الْـفَتَقْ کا نام دے دیا گیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ سال مکمل بربادی اور تباہی کا تھا اور اس بارش نے تمام جانوروں کو خراب اور ناکارہ بنا ڈالا اور رحمت کے بجائے یہ عذاب ہی کا باعث بنی (۱)۔

[۴] مولانا احمد اللہ صاحب لکھتے ہیں: ''حصن حصین میں لکھا ہے کہ آدابِ دعاء میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انبیاء اور صلحاء کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعاء کی جائے اور اس کے حاشیہ الحرز الثمین میں لکھا ہے کہ ایسا کرنا مندوبات [مستحبات] میں سے ہے۔'' [البصائر: ۳۱ پشاور]

مولوی صاحب سے پوچھنا یہ ہے کہ آپ نے تو قطعی دلائل پیش کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ حِصْنٌ حَـصِيْـنٌ مِـنْ كَلَامِ سيـدِالْمُرْسَلِيْنَ علامہ ابن الجزری (۲) کی تصنیف ہے۔ ان کا زمانہ قرون مشہود لہا بالخیر سے کتنا دور ہے مگر پھر بھی محترم مولانا صاحب اُن کی بلا دلیل بات کو نص قطعی کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ پھر یہ بھی ہے کہ کسی بڑے سے بڑے عالم کے کہنے سے کوئی عمل مندوب یا مستحب نہیں ٹھہرتا اس کے لیے شرعی دلیل کی ضرورت ہے' جو یہاں مفقود ہے۔ دعاء کے آداب سکھانا نبی اکرم ﷺ کے فرائض منصبی میں داخل ہے' کسی اور کو کسی عبادت کے آداب سکھانے کی اجازت کس نے کب دی ہے؟

---

(۱) متن پر وارد یہ سارے اعتراضات كتاب الرد على البكري 'الإستغاثة في الرد على البكري' تلخيص الإستغاثة' قاعدةٌ جليلةٌ في التوسل والوسيلة' الصارم المنكي في الرد على السبكي' صيانة الإنسان عن وسوسة شيخ دحلان اور التوسل أنواعه وأحكامه سے مأخوذ ہیں۔

(۲) محمد بن محمد بن محمد بن علی بن یوسف الجزری کی تألیف ہے۔ جو شیخ القراء اور حافظ حدیث تھے۔ ۷۵۱ھ = ۱۳۵۰ء کو دمشق میں پیدا ہوئے۔ وہاں پلے بڑھے۔ دمشق میں دار القرآن کے نام سے مدرسہ بنایا۔ روم کا سفر کیا۔ تیمور لنگ کی معیت میں ماوراء النہر کا سفر کیا' وہاں سے شیراز چلے گئے اور وہاں کے چیف جسٹس کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ جزیرۃ ابن عمر کی نسبت سے جزری کہلائے۔ ۸۳۳ھ = ۱۴۲۹ء کو شیراز میں وفات پائی۔
[الضوء اللامع ۹: ۲۲۵' ترجمہ: ۲۵۰۵' الأعلام ۷: ۴۵]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

[۵] مولانا صاحب نے سیدنا عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ (۱) کی نابینا والی روایت بھی مسئلہ توسل کے سلسلے میں پیش کی ہے [البصائر: ۳۱-۳۲، پشاور، ۳۹ ترکی] جو یہ ہے:

عن عثمان بن حُنَيف: أنَّ رجلاً ضريرَ البصر أتى النبي ﷺ فقال: اُدعُ الله أن يعافيني، قال: إنْ شئتَ دعوتُ لك وإن شِئتَ أخَّرتُ ذاك، فهو خيرٌ [وفي روايةٍ: وإن شئتَ صبرتَ فهو خيرٌ لك] فقال: أدعُهُ. فأمره أن يتوضّأ، فيحسن وضوءَه، فيصلي ركعتين، ويدعو بهذا الدعاء: أللهم إني أسألك، و أتوجَّهُ إليك بنبيك محمد نبي الرحمة، يا محمد! إني تَوَجَّهتُ بك إلى ربي في حاجتي هذه، فتقضى لي، أللهم فشفعهُ فِيَّ [وَشَفِّعنِي فيه] قال: ففعل الرجل فبرأ. [سنن ترمذی، کتاب الدعوات [۴۹] باب [۱۱۹] حدیث: ۳۵۷۸، سنن ابن ماجہ، کتاب الصلوٰۃ [۲] باب ماجاء فی صلاۃ الحاجۃ [۱۸۹] حدیث: ۱۳۸۵، مسند احمد ۴: ۱۳۸، المستدرک ۱: ۳۱۳، ۵۱۹، ۵۲۶]

''سیدنا عثمان بن حُنیف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک نابینا شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا: اللہ تعالیٰ سے میری عافیت کی دعاء کیجئے۔ آپ نے فرمایا: تم چاہو تو دعاء کر دوں لیکن صبر کرو تو بہتر ہے اُس نے کہا دعاء ہی فرمایئے تو آپ نے اُس کو حکم دیا کہ اچھی طرح وضوء کر کے یہ دعاء پڑھو: اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف نبی رحمت محمد ﷺ کے ذریعہ متوجہ ہوتا ہوں اے محمد ﷺ! میں آپ کو اپنے رب کی طرف اپنی حاجت کے لیے متوجہ کرتا ہوں کہ آپ پوری کرائیں۔ اے اللہ! میرے بارے میں اُن کی شفاعت قبول فرما اور اُن کے بارے میں میری شفاعت قبول فرما۔ ابن حنیف رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اُس نے ایسا ہی کیا اور وہ فی الفور ٹھیک ہو گیا (۲)۔''

---

(۱) عثمان بن حُنَیف بن وہب الانصاری الاوسی ابوعمرو رضی اللہ عنہ۔ صحابی ہیں۔ اُحُد اور مابعد کے غزوات میں شریک رہے ہیں۔ سواد اور بصرہ کے امیر رہے ہیں۔ کوفہ میں سکونت اختیار کی تھی۔ سیدنا معاویہ کے دور خلافت میں ۴۱ھ = ۶۶۱ء کے لگ بھگ وفات پائی۔ [اسد الغابۃ ۳: ۳۱۱، ترجمہ: ۳۵۷۸، الاعلام ۴: ۲۰۵]

(۲) شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدرؒ نے بھی اس روایت کو تسکین الصدور: ۴۱۹ پر نقل کیا ہے، اور لکھا ہے کہ: سیدنا عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کی روایت بالکل صحیح ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں اور اسی طرح بعد از وفات توسل ہوا۔ [تسکین الصدور: ۴۱۶]

میں نہیں جانتا کہ اس سے بعد از وفات کا توسل بالذوات الفاضل کیسے ثابت ہوا؟

حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: رواه أهل السنن وصححه الترمذي......وهو توجه وتوسل بدعائه وشفاعته ﷺ. [مجموع الفتاویٰ ۲۷:۶۲]

"اہل سنن نے یہ حدیث روایت کی ہے اور ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔......اور یہ رسول اللہ ﷺ کی دعاء اور شفاعت کا توسل اور توجہ تھا۔"

یہ حدیث بلاشبہ صحیح ہے لیکن اس سے مخلوق کی ذات کا وسیلہ کیسے ثابت ہوتا ہے؟ اس سے تو الٹا اس کی تردید ہوتی ہے اور اس سے مؤمن کی دعاء کے مشروع وسیلہ کا جواز ثابت ہوتا ہے اس لیے کہ وہ نابینا شخص رسول اللہ ﷺ کی ذات کو وسیلہ نہیں بنا رہا تھا بلکہ آپ ﷺ کی مقبول دعاء کو وسیلہ بنا رہا تھا اور وہ رسول اللہ ﷺ کی دعاءِ صحت ہی کی امید لے کر آیا تھا:

[۱] اس لیے اُس نے آتے ہی کہا: اُدْعُ اللهَ أَنْ يُّعَافِيَنِي.

"آپ اللہ تعالیٰ سے دعاء فرمایئے کہ مجھے عافیت دے۔"

[۲] آپ نے جواب میں فرمایا: "تم چاہو تو دعاء کردوں، لیکن صبر کرو تو بہتر ہے۔"

[۳] اندھا دعاء پر اِصرار کرتا رہا اور کہتا رہا: فَادْعُهُ. "آپ اللہ سے دعاء فرمایئے۔"

[۴] رسول اللہ ﷺ نے صرف دعاء کرنے پر اکتفا نہیں کی بلکہ اسے وضوء جیسی عبادت کی تلقین کی۔

[۵] رسول اللہ ﷺ نے اُسے جو دعاء سکھائی تھی اُس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں:

أَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ وَشَفِّعْنِي فيه. [المستدرک ۱:۳۱۳، ۵۱۹، ۵۲۶]

"اے اللہ! میرے بارے میں آپ کی شفاعت قبول فرما اور اُن کے بارے میں میری شفاعت قبول فرما۔"

اس دعاء میں وَشَفِّعْنِي فيه کے الفاظ ثابت ہیں لیکن اس سے وسیلہ بالذوات الفاضلۃ پر اعتراض وارد ہوسکتا ہے اس لیے اس کو نقل نہیں کیا جاتا۔ اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ یا اللہ! رسول اللہ ﷺ میرے بارے میں جو دعاء پیش کرتے ہیں تو اسے قبول فرما۔

[۶] مولانا صاحب نے [البصائر: ۳۷، پشاور، ۴۶ ترکی] میں اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جو

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

سیدنا ابو سعید خدری ﷜ (۱) سے مرفوعاً روایت ہے کہ جو شخص گھر سے نماز کے لیے نکلے اور یہ دعاء پڑھے: اَللّٰھمَّ إِنّي أسالكَ بِحَقِّ السَّائِلِينَ عليكَ و بِحَقِّ ممشايَ فإني لم أخرُج اَشِراً و لا بَطَراً و لا رياءً و لا سمعةً خرجتُ اِتقاء سخطكَ و ابتغاء مَرضاتكَ...... تو اللہ تعالیٰ اُس پر ستر ہزار فرشتوں کو مقرر کردے گا جو اُس کے لیے استغفار کریں گے اور اللہ تعالیٰ اُس کی طرف متوجہ ہوں گے یہاں تک کہ وہ شخص نماز سے فارغ ہو جائے۔"

[مسند احمد ۳: ۲۱، عمل الیوم واللیلۃ ابن سنی: ۴۲-۴۳، احادیث: ۸۴، ۸۵، سنن ابن ماجۃ حدیث: ۷۷۸]

اس روایت کا سارا دارومدار عطیہ عوفی پر ہے جس کے بارے میں امام ابن حبانؒ لکھتے ہیں:

"یہ کچھ روز سیدنا ابو سعید خدری ﷜ کی مجلس میں بیٹھا رہا اُن کی وفات کے بعد مشہور قصہ گو کلبی کی مجالس میں شریک ہوتا رہا اور اُس کی روایات سنتا رہا اور جب کلبی کہتا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے تو یہ اس کو یاد کر لیتا اور جب اپنے شاگردوں کے سامنے اُس کی روایت پیش کرتا تو کلبی کے نام کے بجائے اُس کی کنیت ابو سعید کہہ کر روایت کرتا رہا جس سے شاگرد سیدنا ابو سعید خدری ﷜ مراد لیتے رہے حالانکہ اس سے مراد کذاب کلبی ہی ہوتا اور جب اُس سے کہا جاتا کہ تو نے یہ حدیث کس سے سنی ہے تو کہتا: "ابو سعید" اس لیے اس کی روایت کو لکھنا بھی جائز نہیں ہے (۲)۔"

[المجروحین ۲: ۱۶۷، ترجمہ: ۸۰۴]

حافظ ابن حجرؒ بھی اسی عطیہ کے بارے میں لکھتے ہیں: قبیح تدلیس سے مشہور تھا۔

[تعریف اہل التدلیس: ۱۳۰، ترجمہ: ۱۲۲[۶]]

---

(۱) سعد بن مالک بن سنان، ابو سعید، خدری، انصاری، خزرجی، جلیل القدر صحابی ہیں۔ ۱۰ ق ھ = ۶۱۳ء کو پیدا ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کی مجالس میں اکثر و بیشتر حاضر رہتے۔ بارہ غزوات میں حصہ لیا۔ ۷۴ھ = ۶۹۳ء کو مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ [تہذیب تاریخ دمشق الکبیر ۶: ۱۱۰، الاعلام ۳: ۸۷]

(۲) اس "جرم" کا اصطلاحی نام تدلیس الشیوخ ہے جو قطعاً حرام ہے۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

هُوَ خِيَانَةٌ مِمَّنْ تَعَمَّدَهُ. [تعریف اہل التدلیس: ۲۶]

"جو قصداً عمداً اس کا ارتکاب کرتا ہے وہ دراصل خیانت کا مرتکب ہوتا ہے۔"

ابن سنیؒ(۱) کی سند میں وازع بن نافع عقیلی ہے، جو امام ابن ابی حاتمؒ کی تصریح کے مطابق شدید ضعیف اور ذاہب الحدیث تھا۔ امام ابوزرعۃؒ نے اپنے شاگردوں سے فرمایا تھا کہ اس کی روایات کو پرے پھینک دو، اس لیے کہ منکر ہوتی ہیں۔ [الجرح والتعدیل ۹:۳۹-۴۰]

امام حاکمؒ فرماتے ہیں: اس نے ابوسلمۃ بن عبدالرحمٰن اور سالم کے نام سے موضوع احادیث نقل کی ہیں۔ [المدخل إلى الصحیح ۱:۲۳۳، ترجمہ: ۲۱۸]

جب کہ یہ روایت بھی ابوسلمۃ بن عبدالرحمٰن ہی کے سند سے ہے۔

[۷] مولوی صاحب [شامی ۱:۳۹ کے حوالے سے] توسل بالذوات کی ایک اور دلیل اس طرح پیش کرتے ہیں: ألا ترى إلى ماقال الإمام الشافعي: إني لأتبركُ بأبي حنيفة رحمه الله و أجيئُ إلى قبره فإذا عرضت لي حاجةٌ صليتُ ركعتين و سألتُ الله عندقبره فتقضي سريعاً. [البصائر: ۴۴، پشاور، ۵۴، ترکی]

مولانا محمد تقی عثمانی صاحبؒ کے الفاظ میں: ''امام شافعیؒ فرماتے ہیں: میں امام ابوحنیفہؒ سے برکت حاصل کرنے کے لیے روزانہ ان کی قبر پر جاتا ہوں اور جب کبھی مجھے کوئی ضرورت لاحق ہوتی ہے میں دو رکعتیں پڑھ کر اُن کی قبر پر حاضر ہوتا ہوں اور وہاں اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت کا سوال کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ میری حاجت پوری فرما دیتے ہیں۔'' [جہانِ دیدہ، مولانا محمد تقی صاحب عثمانیؒ: ۴۴]

خطیب بغدادیؒ نے [تاریخ بغداد ۱:۱۲۳ میں] اور ملا علی قاریؒ نے [مناقب الامام الاعظم، الملحق بالجواہر المضیۃ ۲:۵۱۹] میں اس کہانی کو نقل کیا ہے، جس کے بارے میں علامہ کوثریؒ لکھتے ہیں:

وتوسل الإمام الشافعي بأبي حنيفة مذكورٌ في أوائل تاريخ الخطيب بسند صحيح.

[مقالات الکوثری: ۳۸۱]

''امام شافعی کا امام ابوحنیفہ سے توسل تاریخ خطیب میں صحیح سند کے ساتھ مذکور ہے۔''

---

(۱) ابوبکر احمد بن محمد بن اسحاق، ابن السنی الدینوری الشافعی، مشہور عالم حدیث ہیں، اُنہوں نے اسّی سال سے زیادہ عمر پائی اور ۳۶۴ھ=۹۷۴ء کو وفات پائی۔ علم حدیث کی تحصیل کے لیے اکثر سفر میں رہتے تھے۔ اُنہوں نے کئی کتابیں لکھیں۔ امام نسائی کے شاگرد رہے ہیں۔ [طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۳:۳۹]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

یہ کہانی موضوع ہے اس کی سند کا ایک راوی عمر بن اسحاق بن ابراہیم ہے جس کا اسماء رجال کی کتابوں میں کوئی اتا پتا نہیں اس لیے حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

وهذا كذلك معلوم كذبه بالإضطرار عند مَن له معرفة بالنقل، فإن الشافعي لما قدم بغداد لم يكن ببغداد قبر ينتاب للدعاء عنده البتة، بل ولم يكن هذا على عهد الشافعي معروفاً، وقد رأى الشافعي بالحجاز واليمن والشام والعراق ومصر من قبور الأنبياء و الصحابة والتابعين، مَن كان أصحابها عنده وعند المسلمين أفضل من أبي حنيفة، و أمثاله من العلماء، فما باله لم يتوخ الدعاء إلاّ عنده ؟ ثم أصحاب أبي حنيفة الذين أدركوه، مثل أبي يوسف ومحمد وزفر والحسن بن زياد وطبقتهم لم يكونوا يتحرون الدعاء لاعند قبر أبي حنيفة ولا غيره، ثم قد تقدم عند الشافعي ماهو ثابتٌ في كتابه من كراهة تعظيم قبور المخلوقين خشية الفتنة بها، وإنما يضع مثل هذه الحكايات من يَقِلُّ علمه ودينه. [اقتضاء الصراط المستقیم ۱:۲۰۶-۲۰۷]

''یہ قول امام شافعیؒ پر سراسر جھوٹ، بہتان اور تہمت ہے اور ہر صاحبِ علم پر اس کا دروغ ہونا آشکارا ہے کیونکہ امام شافعیؒ جب بغداد میں وارد ہوئے تھے تو وہاں کوئی ایسی قبر موجود نہ تھی جس پر دعاء کے لیے لوگ آیا کرتے ہوں، بلکہ امام شافعیؒ کے زمانے میں سرے سے یہ فعل ہی موجود نہ تھا پھر امام شافعی نے حجاز مقدس، یمن، شام، عراق اور مصر میں انبیاء، صحابہ اور تابعین کی بکثرت قبریں دیکھیں جن میں سے ہر ایک خود اُن کے نزدیک اور تمام مسلمانوں کے نزدیک امام ابوحنیفہؒ اور اُن کے ہم پایہ علماء سے کہیں بڑھ کر افضل تھے مگر امام شافعیؒ نے ان میں سے کبھی کسی کی قبر سے رجوع نہیں کیا، اور رجوع کیا بھی تو امام ابوحنیفہؒ کی قبر سے، پھر خود امام ابوحنیفہؒ کے اصحاب مثلاً امام ابو یوسفؒ امام محمدؒ امام زفرؒ اور امام حسن بن زیادؒ وغیرہم نے جو امام ابوحنیفہؒ کو دیکھ چکے تھے اور اُن کے رتبے اور درجے سے واقف تھے، کبھی اُن کی قبر یا کسی اور کی قبر سے رجوع نہیں کیا۔ پھر خود امام شافعیؒ نے جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے اپنی کتاب میں قبروں کی حد سے زیادہ تعظیم کو مکروہ قرار دیا ہے تا کہ جہلاء فتنہ میں نہ پڑ جائیں۔ دراصل اس قسم کی روایتیں وہ لوگ تراشتے ہیں جو بے دینی کے ساتھ جہل کی مصیبت میں مبتلا ہیں۔''

حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں: والحكايةُ المنقولةُ عن الشافعي: أنه كان يقصد الدعاء عند قبر أبي حنيفة، من الكذب الظاهر. [إغاثۃ اللہفان من مصاید الشیطان ۱:۲۱۸]

''امام شافعیؒ سے جو حکایت منقول ہے کہ آپ امام ابوحنیفہ کے قبر کے پاس دعاء کرنے جایا کرتے تھے، سو یہ ظاہر باہر جھوٹ ہے۔''

شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدرؒ نے ایک مفتی صاحب کے جواب میں۔جنہوں نے علامہ شامیؒ کی کتاب سے اس روایت کو نقل کر کے استدلال کیا تھا۔لکھا ہے:

''مفتی صاحب پر لازم ہے کہ وہ اصولِ حدیث کے رُو سے اس کے ایک راوی عمر بن اسحاق بن ابراہیم کا معتبر کتبِ اسماء الرجال سے اتہ پتہ بتائیں کہ یہ کون اور کیسا تھا؟ ثقہ تھا یا ضعیف؟

بلاشک امام محمد بن عابدین شامیؒ کا مقام فقہ میں بہت اونچا ہے لیکن فن حدیث اور روایت میں محدثین ہی کی بات قابل قبول ہوتی ہے جو جرح وتعدیل کے مسلّم امام ہیں۔اس کے بعد انہوں نے حافظ ابن تیمیہؒ کی پوری عبارت نقل کی ہے اور آگے لکھا ہے۔کہ: اس عبارت سے معلوم ہوا کہ سرے سے یہ واقعہ ہی جھوٹا اور گھڑا ہوا ہے۔'' [باب جنت بجواب راہِ جنت: ۶۴۔۶۶]

[۸] مولوی صاحب لکھتے ہیں: ومن الدلائل على جواز التوسل ماذكر علامة الشامي قوله: ومعروف الكرخي بن فيروز من المشائخ الكبار مجاب الدعوات يستسقى بقبره۔ ردالمحتار ج ۱، ص ۴۲۔ [البصائر: ۴۴، پشاور، ۵۵، ترکی]

''توسل کے جواز کے دلائل میں سے ایک وہ دلیل بھی ہے جسے علامہ [ابن عابدین] شامی نے ذکر کیا ہے کہ معروف کرخی بن فیروز۔جو مشائخ کبار میں سے تھے اور مُجاب الدعوات تھے۔اُن کے قبر کے وسیلہ سے بارش برستی تھی۔''

سوال یہ ہے کہ:

-مولوی صاحب نے دلیل قطعی پیش کرنے کا وعدہ کیا ہے، کیا لوگوں کا ایسا عمل جس پر قرآن و سنت سے کوئی صحیح دلیل نہ ہو، دلیل قطعی ہے؟

-علامہ شامی نے فقہی کتابوں سے مسائل اخذ کرنے کے بارے میں لکھا ہے:

إنّ ههنا قاعدةً مقررةً، وهي أنّ المسائل الفقهية إن كان مأخذها معلوماً مشهوراً من

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

الكتاب و السنة و الإجماع فلانزاع فيها لأحدٍ، وإلّا بأن كانت اجتهادية يُنظَرُ، إنْ نقلها مجتهدٌ لزم اتِّباعُهُ بلامطالبةٍ بالدليل، وإلّا فإن نقلها عن مجتهدٍ وأثبتَ نقله فكذلك، وإلّا فإن كان ينقلُ مِن قِبَلِ نفسه أومِن مقلدٍ آخر، أو أطلَقَ، فإن بَيَّنَ دليلاً شرعياً فلا كلام، وإلّا يُنظَرُ، فإن وافقَ الأصول والكتب المعتبرة يجوز العمل به، وينبغي للعالم أن يطلب الدليل عليه، وإن خالَفَ ماذُكِرَ فلا يُلتفت اليه، فقدصَرَّحُوا أنَّ المقلد إن افتى بلا نقلٍ عن المعتبرات فلا يُنظر إلى فتواهُ.

[مجموعہ رسائل ابن عابدین شامی، جلداول، صفحہ:۱۷۹، ساتواں رسالہ: شِفاء العليل و بَلُّ الغَليل في حكم الوصية بالختمات و التهاليل]

"فقہی مسائل کے بارے میں یہ مشہور قاعدہ ہے، کہ اگر قرآن مجید، سنت نبی کریم ﷺ اور اجماع امت جیسے دلائل سے اُس کا ماخذ ومرجع معلوم ہو، تو ایسے مسئلہ کو قبول کرنے میں کوئی اختلاف نہیں، ہاں اگر کوئی اجتہادی مسئلہ ہو تو پھر دیکھا جائے گا کہ اُس کا ناقل اگر کوئی مجتہد ہے تو دلیل کا مطالبہ کیے بغیر اُس کی پیروی کی جائے گی اور اگر اُس کا ناقل کوئی ثقہ مقلد ہے اور اُس نے اُس پر امام اور مجتہد کا قول پیش کیا ہے، تو اس حالت میں بھی اُس کی پیروی کرنی چاہئے اور اگر کوئی مقلد خود اپنی رائے سے کوئی مسئلہ پیش کرے، یا کسی دوسرے مقلد کا قول پیش کرے، تو اَب دیکھا جائے گا کہ کیا اُس نے اس پر کوئی شرعی دلیل پیش کی ہے، دلیل شرعی موجود ہو تو کوئی مخالفت نہیں کی جائے گی۔ اگر دلیل شرعی پیش نہیں کی ہے تو دیکھا جائے گا اگر شرعی اصول اور کتب معتبرہ کے موافق ہوا تو اُس پر عمل کرنا جائز ہے اور عالم کو چاہئے کہ اُس سے دلیل کا مطالبہ کرے اور اگر مذکورہ جمیع اشیاء کے مخالف ہوا تو نا قابلِ اِلتفات ہے، اس لیے کہ فقہاء نے تصریح کردی ہے کہ اگر کوئی مقلد معتبر کتابوں سے نقل کیے بغیر کوئی فتویٰ دے، تو اُس کا وہ فتویٰ نا قابلِ التفات ہے۔"

اس اصل کے تناظر میں، ہم علامہ شامیؒ سے اس بات کے جواز کا دلیل پوچھنے کا حق رکھتے ہیں۔

اس بات کو بنیادی طور پر خطیب بغدادیؒ نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے: أعرف قبرمعروف الكرخي منذ سبعين سنةً، ماقصده مهموم إلّا فرج الله همه. [تاریخ بغداد ۱:۱۲۳]

اس کا ترجمہ جسٹس مولانا محمد تقی صاحب عثمانیؒ بن مفتی اعظم پاکستانؒ نے اِن اَلفاظ میں کیا ہے:

''ابوعبداللہ بن محاملی فرماتے ہیں: میں معروف کرخی کی قبر کے بارے میں ستر سال سے جانتا ہوں جو کوئی غم زدہ وہاں پہنچ کر اللہ تعالی سے دعاء کرتا ہے' اللہ تعالی اس کی دعاء قبول فرماتے ہیں۔''

[جہانِ دیدہ: ۱۲۷]

خطیب بغدادیؒ اور جناب محمد تقی صاحبؒ عثمانی کی اس عبارت کو دیکھ کر علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ کے یہ اشعار بے اختیار یاد آتے ہیں:

می شود ہر مُو درازے خرقہ پوش آہ ازیں سوداگرانِ دیں فروش
با مریداں روز و شب اندر سفر از ضرورت ہائے ملت بے خبر
واعظاں ہم صوفیاں منصب پرست اعتبارِ ملتِ بیضا شکست
واعظ ما چشم با بت خانہ دوخت مفتیِ دینِ مبیں فتویٰ فروخت

[کلیات اقبال فارسی: ۷۰]

''افسوس! ہر لمبے بالوں والا شخص خرقہ پہن کر دین فروشی کا کاروبار کرتا ہے۔ شب و روز مریدوں کے ساتھ پابرکاب رہتا ہے اور قوم و ملت کی ضروریات سے بے خبر رہتا ہے۔ صوفیاء اور واعظینِ دین سب منصب پرست ہیں اور ملت بیضاء کے اعتبار کو پارہ پارہ کئے ہوئے ہیں۔ واعظ نے اپنی نظر بت خانہ پر جمائی ہے اور دینِ مبین کا مفتی فتوی فروش ہے۔''

حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: قبروں کے متعلق یہ اعتقاد رکھنا بدعت ہے کہ اُن کے قریب مانگی ہوئی دعاء افضل اور گھروں اور مساجد کے مقابلہ میں زیادہ مقبول ہے۔ [التوسل والوسیلۃ: ۷۲]

ایک اور جگہ لکھتے ہیں: أن يتحرى الدعاء عندها' بحيث يستشعر أنّ الدعاء هناك أجوب منه في غيره' فهذا النوع منهي عنه' إما نهي تحريم' أو تنزيه' وهو إلى تحريم أقرب.

[اقتضاء الصراط المستقیم ۲: ۱۹۵]

''اگر کوئی اس کاوش میں لگا رہے کہ قبروں کے پاس دعاء کرے گا' اور وہ یہ سمجھتا ہو کہ دوسرے مقامات کے بنسبت قبروں کے قریب دعاء زیادہ قبول ہوتی ہے' اُس کا یہ فعل شریعت میں ممنوع ہے' یہ ممنوع تحریمی یا کم از کم ممنوع تنزیہی ہے' اور یہ ممنوع تحریمی کے زیادہ قریب ہے۔''

[۹] مولوی صاحب ایک دلیل یہ بھی پیش کرتے ہیں:

MAKTABA TUL ISHAAT - مکتبۃ الاشاعت

وقال في الحصن الحصين:وإن أراد عوناً فليقل ياعبادَالله أعينوني،ياعبادَالله أعينوني،
قال في الحرزالثمين:رواه الطبراني عن زيد بن علي عن عقبة بن غزوان عن النبي ﷺ
أنه قال:إذا ضلَّ أحدكم شيئاً وأراد عوناً وهو بأرضٍ ليس بها أنيسٌ فليقل ياعبادَ الله
أعينوني ياعبادَالله أعينوني،فإنّ لله عباداًلاتراهم،قال المؤلف:وقد جرب ذلك،قال علي
القاري:وهذاحديث يحتاج اليه المسافرون،وإنه مجربٌ.[البصائر:۶۱،پشاور،۱۳۷۳،ترکی]

''حصن حصین میں کہا ہے: اگر امداد چاہتا ہو تو کہے: اللہ کے بندو! میری مدد کیجئے، اللہ کے بندو! میری مدد کیجئے۔ حرزِ ثمین [شرح حصن حصین] میں ہے: اسے طبرانی نے زید بن علی کی سند سے عقبہ ابن غزوان [اصل نام سیدنا عتبہ بن غزوان ﷛ ہے] سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم سے کسی سے کوئی چیز گم ہو جائے یا اگر مدد چاہتا ہو اور وہ ایسی جگہ پر ہو جہاں کوئی [انسان] آس پاس نہ ہو تو کہے: اللہ کے بندو! میری مدد کیجئے، اللہ کے بندو! میری مدد کیجئے، اس لیے کہ اللہ کی ایسی مخلوق بھی ہے جنہیں تم نہیں دیکھتے۔ مؤلف کہتا ہے: یہ عمل مجرب ہے۔ ملا علی قاری نے کہا ہے: مسافر اس حدیث کے محتاج ہیں اور یہ مجرب ہے۔''

اس سلسلے میں دو باتیں عرض کرنی ہیں:

— پہلی یہ کہ اسے امام طبرانی نے معجم کبیر ۱۷: ۱۱۷–۱۱۸ میں ۲۹۰ نمبر پر نقل کیا ہے، اس کا آخری راوی سیدنا عتبہ بن غزوان ﷛[1] ہیں، جن کی وفات ۱۷ھ میں ہوئی۔

[تقریب التہذیب: ۳۱۲، ترجمہ: ۴۴۳۸]

اُن سے اس کو نقل کرنے والا زید بن علی ہیں، جن کی ولادت ۷۹ھ کو ہوئی۔ [الاعلام ۳: ۵۹]

اِن کے مابین ۶۲ سال کا طویل عرصہ ہے، جن میں کم از کم دو راوی درکار ہیں۔ کیا مولوی صاحب بتا سکتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے یا ضعیف؟ یہ روایت معضل ہے، جس سے کسی مسئلے کا استدلال علم حدیث سے بے خبری کی دلیل ہے۔

---

(۱) عتبہ بن غزوان بن جابر بن وُہَیب الحارثی المازنی ابوعبداللہ ﷛، جلیل القدر صحابی اور بصرہ کے بانی مبانی ہیں۔ ۴۰ قبل ہجری = ۵۸۴ء کو پیدا ہوئے۔ قدیم الاسلام ہیں۔ حبشہ ہجرت کی۔ بدری ہیں۔ ۱۷ھ = ۶۳۸ء کو وفات پائی۔ [تقریب التہذیب: ۳۱۲، ترجمہ: ۴۴۳۸، الاعلام ۴: ۲۰۰]

حافظ ہیثمی لکھتے ہیں: زید بن علی نے سیدنا عتبہ بن غزوان کا زمانہ نہیں پایا۔ [مجمع الزوائد ۱۰:۱۳۲]

— دوسری بات یہ ہے کہ ہمارا دین — دینِ اسلام — تجربوں سے نہیں بلکہ دلائل و براہین اور حجج و بینات کی بنیاد پر ثابت کیا جاتا ہے۔

[۱۰] مولوی صاحب لکھتے ہیں: وقال في حصن الحصين: وإذاخدرت رِجله فليذ كرأحب الناس إليه، و في حاشيته: خدرت مرة رِجل عبدالله بن عمررضي الله عنهمافقال: يا محمد ﷺ! فكأنما نشط من عقال، وعن مجاهد قال: خدرت رِجل رَجلٍ عند ابن عباس رضي اللّٰه عنهما فال له: أذ كر أحب الناس إليك فقال: محمد ﷺ! فذهب عنه. ......فانظر إلى هذه الروايات تَمَسَّكَ بها العلماء المحققون المحدثون، فالمنكرعن التوسل ليس إلّا معانِدٌ أومكابِرٌ. [البصائر:۶۱، پشاور]

”حصن حصین میں کہا ہے کہ جب کسی کا پاؤں سن ہو جائے تو اپنی محبوب ترین شخصیت کو یاد کرے۔ اور اس کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ سیدنا ابن عمر ﷺ کا پاؤں ایک دفعہ سن ہو گیا تو اُنھوں نے یا محمد ﷺ کہا تو آپ ایسے تندرست ہو گئے کہ گویا اُن کی رسیاں کھول دی گئیں اور مجاہد سے روایت ہے کہ سیدنا ابن عباس ﷺ کی مجلس میں ایک شخص کا پاؤں سن ہو گیا تو آپ نے اُس سے فرمایا اپنی محبوب ترین شخصیت کو یاد کرو، اُس نے محمد ﷺ کہا تو ٹھیک ہو گیا۔ ان روایات کو پڑھیے۔ علماءِ محققین اور محدثین نے ان پر عمل کیا ہے پس توسل کا منکر یا تو معاند ہے اور یا مکابر۔“

اِسناد پر بحث کرنے سے پہلے مولوی صاحب سے پوچھنا ہے کہ:

— یہ توسل ہے یا غائبانہ پکار؟

— کیا مولوی صاحب یا محمد کہنا جائز مانتے ہیں؟

رہی اِسناد سو عرض ہے کہ پہلی روایت اس سند کے ساتھ مروی ہے: ابواسحاق سبیعی از ہیثم بن حنش۔ [عمل الیوم واللیلۃ، ابن سنی: ۱۶۸ حدیث: ۱۷۰، الاذکار نووی ۲: ۳۶۰، الکلم الطیب: ۱۲۰]

اور یہی ہیثم بن حنش خطیب بغدادی کی تصریح کے مطابق مجہول راوی ہے۔

[الکفایۃ فی علم الروایۃ: ۸۸]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

امام ابن السنی اسے ''ابواسحاق سبیعی از ابوشعبہ'' کے سند سے نقل کرتے ہیں۔

اور ابوشعبہ امام دارقطنی کی تصریح کے مطابق متروک الحدیث تھا۔[میزان الاعتدال ۴:۵۳۶]

نیز اس روایت کا مرکزی راوی ابواسحاق سبیعی ہے، جس کا نام عمرو بن عبداللہ ہمدانی ہے، جو اختلاط کا شکار ہو گیا تھا۔[تقریب التہذیب:۴۵۳، ترجمہ:۵۰۶۵]

اختلاط ہی کے باعث وہ اسے کبھی ہیثم بن حنش اور کبھی ابوشعبہ کے نام سے روایت کرتا ہے، پس اصول حدیث کے مطابق یہ حدیث ''مضطرب'' ہے، جو ضعیف و ناقابل استدلال ہوتی ہے۔

رہی دوسری روایت، سو وہ اس طرح ہے کہ: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا پاؤں ایک دفعہ سن ہو گیا تو کسی نے اُنہیں کہہ دیا: أذكر احب الناس اليك،فقال:محمد ﷺ.

[عمل الیوم واللیلۃ از ابن السنی:۸۹، حدیث:۱۶۹، الاذکار از نووی ۲:۶۰۳، الکلم الطیب:۱۲۰]

''اُس شخص کا نام لیجئے جو آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہو تو اُنہوں نے ''محمد'' کہا، اُن کا ایسا کہنا تھا کہ تکلیف دور ہو گئی۔''

یہ روایت بھی ناقابل استدلال ہے اس لیے کہ اس کا دارومدار غیاث بن ابراہیم پر ہے، جس کے بارے میں امام ابن معین لکھتے ہیں: کذاب تھا۔[التاریخ ۲:۴۷۰، نص:۲۲۹۸]

امام جوزجانی لکھتے ہیں: احادیث وضع کیا کرتا تھا۔[احوال الرجال:۲۰۱، ترجمہ:۳۷۰]

کچھ مزید دلائل

[۱] شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدرؒ اور مولانا شوکت علی صاحب صوابی لکھتے ہیں:

ایک شخص سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ضروری کام کے سلسلہ میں آیا جایا کرتا تھا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نہ تو اُس کی طرف توجہ فرماتے اور نہ اُس کی حاجت براری کرتے، وہ شخص سیدنا عثمان بن حُنیف رضی اللہ عنہ سے ملا اور اس کی شکایت کی، تو انہوں نے فرمایا: وضوء کی جگہ جا اور وضوء کر کے پھر مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھ، پھر کہہ: اللهم إني أسألك و أتوجه إليك بنبينا محمد ﷺ نبي الرحمة،يامحمد!إني أتوجه بك إلى ربك.[معجم صغیر ۱:۱۸۳، دلائل النبوۃ ٦:۱٦۷]

''اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور رسول اللہ ﷺ کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں

جو نبی الرحمت ہیں۔یا محمد! میں تیرے وسیلہ سے تیرے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔"
اس روایت کے آخر میں اس کی تصریح ہے کہ اُس شخص نے ایسا ہی کیا اور اس دعاء کی برکت سے سیدنا عثمان بن عفان ﷛ (۱) نے اُس کی تعظیم و تکریم بھی کی اور اُس کا کام بھی پورا کر دیا۔
[تسکین الصدور فی تحقیق اَحوال الموتی فی البرزخ والقبور:۴۲۳-۴۲۴'تسکین الخواطر فی اِثبات التوسل بالذوات الافاضل:۳۴۷'حدیث:۳]

مولانا صفدر صاحب ؒ نے سند کی تحقیق کیے بغیر امام طبرانیؒ' منذریؒ' سبکیؒ اور سمہودیؒ کے حوالہ سے اس کی تصحیح فرمائی ہے'اور مولانا تھانویؒ کے نشر الطیب کے حوالہ سے لکھا ہے کہ:

"اس سے توسل بعد الوفاۃ بھی ثابت ہے۔"

حالانکہ اس کے اِسناد اور متن پر درج ذیل اعتراض ہیں:

-۱: رسول اللہ ﷺ کو"یا محمد [ﷺ]" کہنا از روئے قرآن ناجائز ہے' کیا سیدنا عثمان بن حنیف ﷛ اس سے بے خبر تھے؟ اور روایت کا یہی ٹکڑا اس کا واضح ثبوت ہے کہ یہ قصہ مصنوعی ہے۔
[مولانا صفدر صاحبؒ نے نبی الرحمۃ تک حدیث نقل فرمائی ہے تاکہ یہ اعتراض وارد نہ ہو سکے۔]

-۲: خلیفہ راشد سیدنا عثمان ذوالنورین ﷛ اللہ کی مخلوق پر بڑے ہی شفیق تھے۔آپ رِفاہی کاموں میں سب سے آگے اور عوام کی خدمت میں پیش پیش رہا کرتے تھے'لیکن یہ روایت اُن کی بد خلقی کا ثبوت فراہم کرتی ہے کہ مسلمانوں کی حالات اور اُن کی ضروریات سے اُن کو کوئی دلچسپی نہیں تھی۔لوگ اُن سے بار بار ملنے آتے اور وہ اُن کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے اور لوگ اُن کی اس بدخُلقی سے تنگ آ کر رسول اللہ ﷺ کے وسیلہ سے دعاء مانگتے ہیں' تب کہیں جا کر وہ سنتے اور نرم پڑتے ہیں۔نعوذ باللّٰه من ذلك .

---

(۱) امیر المؤمنین سیدنا عثمان ﷛ بن عفان بن ابی العاص بن امیہ' قریش میں سے تھے۔ذوالنورین لقب تھا۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کی دو بیٹیاں:سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہما یکے بعد دیگرے اُن کے عقد میں آئیں۔تیسرے خلیفہ راشد ہیں۔اُن کی دینی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔۴۷ھ قبل ہجرت = ۵۷۷ء کو مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ابتدائے اسلام میں ایمان لائے۔۲۳ ہجری کو شہادتِ فاروقی ﷛ کے بعد خلیفہ منتخب ہوئے۔۳۵ھ=٦٥٦ء کو ۸۲ برس کی عمر میں شہادت پائی۔[الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ:۲:۴٦۲'الاعلام:۴:۲۱۰]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

[اس اعتراض سے بچنے کے لیے مولانا صفدر صاحبؒ لکھتے ہیں: سیدنا عثمان ﷺ [غالباً بوجہ مصروفیت] اس کی طرف توجہ نہیں فرماتے تھے۔]

۔۳: امام طبرانیؒ اس روایت کو نقل کر کے لکھتے ہیں:

لم یروہ عن روح بن القاسم إلّا شبیب بن سعید. [معجم صغیر ا:۱۸۴]

''اسے روح بن قاسم سے شبیب بن سعید کے علاوہ کوئی دوسرا راوی روایت نہیں کرتا۔''

اس کا مطلب یہ ہوا کہ شبیب اس کو نقل کرنے میں منفرد ہے، جب کہ شبیب ثقہ ہونے کے باوجود غرائب کو بھی نقل کیا کرتا تھا۔ [میزان الاعتدال ۲:۲۶۲]

پھر شبیب سے اس کو روایت کرنے والا عبداللہ بن وہب ہے۔ [معجم صغیر ا:۱۸۳]

حافظ ابن حجرؒ نے تصریح کی ہے کہ شبیب کے فرزند احمد کی اپنے والد سے روایت لا بأس به ہے مگر اس سے ابن وہب کی نقل کردہ روایت ایسی نہیں ہوتی۔ [تقریب التهذیب:۲۹۷، ترجمہ:۲۷۳۹]

حافظ ابن عدیؒ لکھتے ہیں: عبداللہ بن وہب نے شبیب کے نام سے مناکیر روایت کی ہیں۔

[الکامل فی ضعفاء الرجال ۵:۴۷، ترجمہ:۱۱-[۸۹۱]

امام بیہقیؒ نے اسے اسماعیل بن شبیب، از شبیب کے سند سے نقل کیا ہے۔ [دلائل النبوۃ ۶:۱۶۷]

اور اسماعیل بن شبیب کے بارے میں امام نسائیؒ فرماتے ہیں: متروک الحدیث تھا۔

[میزان الاعتدال ا:۲۳۴]

معلوم نہیں، یہ روایت کن اصول کے تحت صحیح ہوئی؟

[۲] مولانا شوکت علی صاحب لکھتے ہیں: سیدنا ابوالدرداء ﷺ (۱) نے رسول اللہ ﷺ سے روایت بیان کی ہے: ابغوني في ضعفائکم، فإنما تُرزقون أو تُنصرون بضعفائکم (۲).

---

(۱) عویمر بن مالک بن قیس بن امیہ انصاری خزرجی ﷺ، صحابی ہیں۔ ہوشیار شہ سوار اور قاضی تھے۔ بعثت نبوی سے قبل مدینہ منورہ میں تجارت کرتے تھے۔ پھر عبادت کے لیے خود کو وقف کیا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد عبادت اور شجاعت سے شہرت پائی۔ رسول اکرم ﷺ کے عہد میں قرآن مجید کو حفظ کیا۔ ۳۲ھ=۶۵۲ء کو شام میں وفات پائی۔ اُن سے ۱۷۹ احادیث مروی ہیں۔ [الاستیعاب: ۹۲-۷۹۳، ترجمہ: ۱۱۳، الاعلام ۵:۹۸]

(۲) مولانا صاحب نے یہ حدیث مشکاۃ المصابیح کے حوالے سے لکھی ہے، جو حدیث کی درسی کتاب تو ہے لیکن =

''تم لوگ مجھے اپنے کمزور اور ناتواں لوگوں میں تلاش کرو کیونکہ تمہیں رزق کا دیا جانا یا تمہیں اپنے دشمن کے مقابلے میں مدد ملنا انہی لوگوں کی برکت سے ہے جو تم میں کمزور ہیں۔''

[تسکین الخواطر فی اِثباتِ التوسل بالذوات الافاضل: ۳۵۰، حدیث: ۴]

مولانا شوکت علی صاحب اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یعنی ان لوگوں کے طفیل آپ لوگوں کو رزق کی فراوانی اور دشمن کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ فتح و نصرت عنایت فرماتے ہیں۔'' [تسکین الخواطر فی اِثباتِ التوسل بالذوات الافاضل: ۳۵۲]

مولانا صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ:

- اس حدیث کا برکت اور توسل سے کوئی تعلق نہیں۔ مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں: وأمّا التمسُّك بقوله ﷺ: إنما تُرزقون بضعفائكم، فليس بناهضٍ، لأنه ليس على التوسل، بل معناه: أنّ اللّٰه تعالى يرزقكم برعاية الضعفاء، والرعاية لكونهم فيكم.

[فیض الباری ۲: ۴۹۷، کتاب الاستسقاء [۱۵] باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا [۳] بذیل حدیث: ۱۰۱۰]

''حدیث: إنما تُرزقون بضعفائكم سے استدلال کرنا کچھ قوی بات نہیں، کیونکہ اس کا معنی توسل نہیں بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ ضعیف و ناتواں لوگوں کی رعایت اور اُن کا خیال رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ تمہیں رزق دیتے ہیں اور اس وجہ سے بھی کہ وہ تمہارے اندر موجود ہیں۔''

- اس حدیث کی توضیح ایک اور حدیث میں موجود ہے:

إنماينصر اللّٰه هذه الأمة بضعيفها بدعوتهم وصلاتهم وإخلاصهم.

[سنن نسائی، کتاب الجہاد [۲۵] باب الاستنصار بالضعیف [۴۳] حدیث: ۳۱۷۹]

''بے شک اللہ تعالیٰ اس امت کی مدد فرماتے ہیں کمزور وضعیفوں کی دعاء، اُن کی نماز اور اُن کی

......اس بارے میں اصلی مرجع وماً خذ نہیں ہے۔ امام ابوداود نے اسے اس طرح نقل کیا ہے: ابغوني في الضعفاء فإنما تُرزقون وتُنصرون بضعفائكم.

[سنن ابی داود، کتاب الجہاد [۹] باب فی الانتصار برُذُل الخیل والضعفۃ [۷۷] حدیث: ۲۵۹۴]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

اخلاص سے۔“

[۳] مولانا شوکت علی صاحب لکھتے ہیں: عن أمية بن خالد بن عبدالله بن أسيد عن النبي ﷺ أنه ﷺ كان يستفتح بصعاليك المهاجرين. مشکوٰۃ: ۴۴۷۔

”امیہ بن خالد رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ مہاجرین فقراء کی برکت سے فتح کی دعاء مانگتے تھے۔“ [تسکین الخواطر فی اِثبات التوسل بالذوات الافاضل: ۳۵۷-۳۵۸، حدیث: ۶]

مولانا صاحب یہ بھی لکھتے ہیں: ”مذکورہ بالا حدیث امیہ بن خالد کی روایت میں تو آپ ﷺ نے بذاتِ خود تَوَسُّلُ بِصَعَالِيْكِ الْمُهَاجِرِيْنَ ارشاد فرمایا ہے اور یہ الحمد للہ ہمارے مدعا پر صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہے۔“ [تسکین الخواطر فی اِثبات التوسل بالذوات الافاضل: ۳۵۹-۳۶۰]

مولانا شوکت علی صاحب نے خلافِ معمول اس حدیث کی سند سے بحث نہیں کی ہے، کیوں؟ اس کا جواب وہ خود دے سکتے ہیں۔

بنیادی طور پر اس روایت کو امام طبرانی نے معجم کبیر ۱: ۲۹۲ [احادیث: ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹] میں روایت کیا ہے جس کا سارا دارومدار امیہ بن خالد بن اسید پر ہے جو اسے رسول اللہ ﷺ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں، حالانکہ یہ صحابی نہیں۔ علامہ ابن عبدالبرؒ لکھتے ہیں:

لا تصح عندي صحبته، والحديث مرسلٌ. [الاستیعاب: ۸۹، ترجمہ: ۷۶]

”اس کا صحابی ہونا میرے نزدیک صحیح [ثابت] نہیں اور اس کی روایت مرسَل (1) ہوتی ہے۔“

---

(۱) مُرسَل لغت میں أرسَلَ سے اسم مفعول کا صیغہ ہے جس کے معنی آزاد چھوڑنے کے ہیں۔ اصطلاح میں وہ روایت ہے جس کی سند کا آخری حصہ، تابعی کے بعد، بیان نہ کیا گیا ہو۔ [مقدمۃ ابن الصلاح: ۷۰-۷۱، نوع: ۹] یعنی تابعی قال رسول اللہ ﷺ کہے اور حدیث بیان کرے، خواہ تابعی بڑے رتبے کا ہو یا معمولی درجے کا۔ [شرح نخبۃ الفکر: ۶۶-۶۷، النکت علی کتاب ابن صلاح ۲: ۵۴۳-۵۴۴]

اس سے معلوم ہوا کہ مرسل ایسی روایت ہے جس کا بیان کرنے والا زمانہ وقوع میں موجود نہیں تھا اور اسی بنیاد پر اس کی حجیت کی بحث چل پڑی، محققین کے نزدیک مرسل روایت حجت نہیں۔

حدیث نبوی کے حفاظ و نقاد کی آخری و حتمی رائے یہی ہے اور اسی فیصلہ کو انہوں نے اپنی تصانیف میں درج کیا ہے۔ امام ابن صلاحؒ فرماتے ہیں: وما ذكرناه من سقوط الإحتجاج بالمرسل و الحكم بضعفه=

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں :ومن زعم أن له صحبةً فقد وهم.[الاصابۃ ۱:۱۲۷'ترجمہ:۵۵۰]

''جس نے اس کے صحابی ہونے کا قول کیا ہے وہ وہم کا شکار ہوا ہے۔''

حافظ ابن حجرؒ یہ بھی لکھتے ہیں:هذاليست له صحبةٌ.[الاصابۃ ۱:۱۲۸'ترجمہ:۵۵۰]

''اس کا صحابی ہونا ثابت نہیں۔''

[۴]مولانا شوکت علی صاحب نے مصنف ابن شیبۃؒ[۱۷:۶۴' حدیث:۳۲۶۶۵] کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے: أصاب الناسُ قحطٌ في زمن عمر'فجاءَ رجلٌ إلى قبرالنبي ﷺ فقال: يارسول الله!استسقِ لأمتك فإنهم قدهلكوا'فأُتِيَ الرجلُ في المنامِ فقيل له:ائتِ عمر فأقرئهُ السلامَ وأخبرهُ أنّكُم مَسقِيُّونَ وقل له:عليكَ الكَيْسَ'عليكَ الكَيْسَ'فأتى عمر فأخبره'فبكى عمر'ثم قال:يارَبِّ!لا آلوا إلّا ماعجزتُ عنه.

[تسکین الخواطر فی اِثباتِ التوسل بالذوات الافاضل :۱:۳۷۱-۳۷۲]

شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر نے اس روایت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

''سیدنا عمرؓ کے زمانہ خلافت میں ایک مرتبہ سخت قحط پڑا اور اس کی وجہ سے بے حد تکلیف پیش آئی۔گاؤں کا رہنے والا ایک شخص[اعرابی]رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک پر حاضر ہوا اور آپ سے

=هو المذهب الذي استقرعليه آراء جماهير حفاظ الحديث'ونقادالأثر'وتداولوه في تصانيفهم.

[مقدمۃ ابن الصلاح:۳:۴۷]

''ہم نے مرسل روایت کو جو ضعیف اور نا قابل استدلال واحتجاج کہا ہے'یہ ایسا مذہب ہے جس پر جمہور حفاظِ حدیث اور ناقدین آثار متفق ہیں اور ان کی کتابوں میں یہی متداول ہے۔''

امام مسلمؒ فرماتے ہیں:والمرسل من الرواياتِ في أصل قولناوقول أهل العلم بالأخبارليس بحجة.

[صحیح مسلم ۱:۳۰ مقدمہ'باب ۶]

''دراصل مرسل روایتیں ہمارے اور روایات کا علم رکھنے والوں کے قول کے مطابق حجت نہیں۔''

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:المرسل ضعيفٌ'لاحُجَّةَ فيه.[فتح الباری ۱:۲۵۱'۲:۱۷۵'۵:۱۹۰'۱۱:۲۶۷]

''مرسل ضعیف اور نا قابل حجت ہوتی ہے۔''

مرسل کے ضعیف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں غیر معروف راوی حذف کیا جاتا ہے جو غیر ثقہ بھی ہوسکتا ہے۔

[الباعث الحثيث'احمد محمد شاکر:۵۸]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

درخواست کی کہ آپ کی امت نہایت تکلیف میں ہے اور اس کی ہلاکت اور بربادی کا خطرہ ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے دعاء کریں کہ اللہ تعالیٰ بارش برسائے۔ آپ کی قبر کے پاس دعاء کر کے یہ شخص چلا گیا۔ رات کو خواب میں رسول اللہ ﷺ اس شخص سے ملے اور فرمایا کہ عمر[ؓ] کے پاس جاؤ اور اس سے میرا اسلام کہو اور یہ خبر دے دو کہ اِن شآء اللہ تعالیٰ بارش ہوگی اور عمر[ؓ] سے کہہ دو کہ وہ عقل مندی ہی کو لازم پکڑے۔ صبح ہوئی تو وہ شخص عمر ؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور خواب کا یہ سارا ماجرا اُن کو سنا دیا۔ یہ خبر سن کر [مارے خوشی کے] سیدنا عمر ؓ رو پڑے اور فرمایا کہ میرے رب! جو چیز میرے بس میں ہے اُس کے بارے میں تو کبھی میں نے کوتاہی نہیں کی۔'' [سماع الموتی:۱۱۶]

مولانا شوکت علی صاحب نے اس روایت کی صحت پر بڑا زور دیا ہے، جس پر ہمارا اصاد ہے۔ ہم بھی اس کی سند کو صحیح مانتے ہیں، لیکن اِسناد کا صحیح ہونا روایت کو قبول کرنے کے لیے کافی نہیں بلکہ اِسناد کے صحیح ہونے کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس کا متن صحیح، معروف اور غیر منکر ہو، حالانکہ یہ متناً منکر ہے۔

-سیدنا عمر ؓ حدیث کے بارے میں نہایت حزم واحتیاط سے کام لیتے تھے، چنانچہ حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں: فَيَاأَخِي!إنْ أحببتَ أن تعرِفَ هذاالإمام حقَّ المعرفة فعليك بكتابي "نعم السَّمرفي سيرة عمر ؓ" فإنه فارقٌ بين المسلم و الرافضي، فو اللّٰه ما يَغُضُّ مِن عمرإلَّا جاهلٌ دائصٌ أو رافضيٌ جائرٌ، وأين مثل أبي حفص؟فمادَارَالفَلَكُ على مثلِ شكل عمر ؓ هو الذى سَنَّ للمحدثين التثبت في النقل، وربما كان يتوقفُ في خبرالواحد إذاارتاب. [تذکرۃ الحفاظ۱:۶]

''میرے بھائی! اگر آپ اس امام کے بارے میں صحیح علم حاصل کرنا چاہتے ہیں تو میری کتاب نعم السمر فی سیرۃ عمر ؓ کا مطالعہ کیجیے، جو مسلمان اور رافضی کے مابین تمیز اور جدائی کرنے والی ہے اللہ کی قسم! سیدنا عمر ؓ کا درجہ کوئی جاہل و متکبر یا کوئی ظالم رافضی گھٹائے گا۔ سیدنا ابو حفص ؓ جیسے لوگ کہاں ہیں؟ فلک نے عمر ؓ جیسا کوئی نہیں دیکھا ہوگا اور آپ ہی نے محدثین کے لیے خبر واحد کو نقل کرنے کی جانچ پڑتال کا اصول وضع کیا اور جب اُنہیں خبر واحد میں کسی قسم کا شک ہو

جاتاتو آپ اُس کوقبول کرنے میں توقف کرتے تھے۔"

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے روایات واحادیث کے سلسلے میں نہایت حزم واحتیاط سے کام لیا۔آپ سے سیدنا ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کی استیذان سے متعلق روایت کواُس وقت تسلیم کیاجب سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے اُن کی تائید فرمائی۔

[صحیح بخاری، کتاب البیوع[۳۴]باب الخروج فی التجارۃ[۹]حدیث:۲۰۶۲، کتاب الاستیذان[۷۹]باب التسلیم والاستیذان ثلاثاً[۱۳]حدیث:۶۲۴۵، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ[۲۲]باب الحجۃ علی مَن قال:اَن احکام النبی ﷺ کانت ظاہرۃً[۲۲]حدیث:۷۳۵۳، صحیح مسلم، کتاب الآداب[۳۸]باب الاستیذان[۷] حدیث ۲۱۵۳]

ایک روایت میں ہے:أن عمر رضی اللہ عنہ قال لأبي موسی رضی اللہ عنہ:أما إني لم أتّهمك، و لكني أردت ألّا يتجرأ الناس على الحديث عن رسول اللهﷺ.

[موطاامام مالک۲:۹۶۴، کتاب الاستئذان[۵۴]باب الاستئذان[۱]حدیث:۳]

"سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے فرمایا:میں اس معاملے میں آپ پر بدگمانی نہیں کرتالیکن میں چاہتاہوں کہ لوگ رسول اکرم ﷺ پرجھوٹی احادیث وضع نہ کریں۔"

جب کہ زیرنظرحدیث میں ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ایک آدمی[رَجُل]کے اس قول کوبلاچوں وچرا تسلیم کرتے ہیں جوصحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اِجماع اورسیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عمل کے خلاف ہے۔رسول اللہ ﷺ کی قبرمبارک پراس طرح کا اِستشفاع جائزہوتاتوسیدنا عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعدسیدنا عباس رضی اللہ عنہ کوباہرلے جاکربارش کے لیے اُن سے دعاءنہ کرتے اورنہ یہ کہتے کہ اب نبی اکرم ﷺ موجودنہیں ہیں اس لیے ہم آپ کے چچاسیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی دعاءسےتوسل کرتے ہیں۔ یہ چیزاس روایت کومشکوک بنادیتی ہے۔

تنبیہ

شیخ الحدیث مولانامحمدسرفرازخان صاحب صفدرؒ اُس اعرابی[رَجُل 'ایک نامعلوم شخص]کے بارے میں لکھتے ہیں:"طبری۴:۱۹۹اورالبدایۃ والنہایۃ[۷:۸۸]وغیرہ کتابوں میں تصریح موجودہے کہ

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

خواب دیکھنے والے یہ اَعرابی بزرگ سیدنا بلال بن حارث مزنی ﷛(۱) [وفات:۶۰ھ] جلیل القدر اور مشہور صحابی تھے۔ اُنہوں نے جس وقت یہ خواب سیدنا عمر ﷛ کے سامنے پیش کیا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ میں تمہاری طرف رسول اللہ ﷺ کا سفیر اور قاصد ہوں......۔[سماع الموتی:۱۱۷]

لیکن شیخ الحدیث صاحب نے جس روایت کا حوالہ دیا ہے، جس میں اَعرابی کے بجائے سیدنا بلال بن حارث مزنی ﷛ کا نام لیا گیا ہے اُس کا راوی سیف بن عمر ضبی ہے۔

[تاریخ ابن جریر طبری ۳:۱۹۲، البدایۃ والنہایۃ ۷:۸۸، حوادث:۱۸ھ، وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ ﷺ ۴:۱۹۵]

جب کہ سیف بن عمر ضبی اسیدی کے بارے میں حافظ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ: وہ واقدی کی طرح تھا۔ جابر جعفی اور دیگر مجہول راویوں سے روایت کرتا ہے۔ امام یحییٰ بن معینؒ فرماتے ہیں: ایک پیسہ اُس سے بہتر ہے۔ امام ابوداودؒ فرماتے ہیں: کوئی شے نہیں۔ امام ابو حاتمؒ فرماتے ہیں: متروک تھا۔ حافظ ابن حبانؒ کہتے ہیں: زندقہ سے بدنام ہے۔ حافظ ابن عدیؒ فرماتے ہیں: اُس کی عام روایتیں منکر ہوتی ہیں۔......احادیث وضع کرنے سے بدنام تھا۔''

[میزان الاعتدال ۲:۲۵۵-۲۵۶، ترجمہ:۳۶۳۷]

کیا ایسے شخص کی روایت صحیح ہوتی ہے؟ نہیں، بلکہ موضوع ہوتی ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ محترم شیخ الحدیث کا یہ لکھنا مفید نہیں کہ ''حافظ ابن کثیرؒ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور علامہ سمہودیؒ تینوں بزرگ فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔[سماع الموتی:۱۱۷]

اس لیے کہ اِن اَکابر نے اُس روایت کی سند کو صحیح قرار دیا ہے جس میں سیدنا بلال بن حارث مزنی ﷛ کا نام نہیں لیا گیا ہے، رہی وہ روایت جس میں اُن صحابی کا نام ذِکر ہے یہ اَکابر اُس کی تصحیح کرنے سے خاموش ہیں۔

[۵] شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صاحبؒ ''امام مالک اور استشفاع عند القبر'' کا عنوان قائم

---

(۱) بلال بن حارث مزنی ابو عبدالرحمٰن ﷛، مشہور شجاع صحابی ہیں۔ مدینہ منورہ کے دیہ ''اشعر'' میں رہائش تھی۔ ۵ھ کو اسلام قبول کیا۔ فتح مکہ کے وقت قبیلہ مزینہ کا جھنڈا آپ کے ہاتھ میں تھا۔ ۶۰ھ=۶۸۰ء کو ۸۰ سال کی عمر میں سیدنا معاویہ ﷛ کے دورِ خلافت میں وفات پائی۔[تہذیب تاریخ دمشق ۳:۲۹۸، الاعلام ۲:۷۲]

کر کے لکھتے ہیں:

""مشہور محدث قاضی عیاضؒ اپنی سند کے ساتھ یہ واقعہ نقل کرتے ہیں: ابن حُمید فرماتے ہیں کہ امیر المؤمنین ابوجعفر [المنصور] کا امام مالک سے مسجد نبوی میں مناظرہ ہوا۔ امام مالک نے فرمایا: امیر المؤمنین! اس مسجد میں اپنی آواز بلند نہ کریں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کو یہ ادب سکھلایا کہ تم اپنی آوازوں کو رسول اللہ ﷺ کی آوازوں پر بلند نہ کرو اور ایک قوم کی تعریف کی ہے کہ بلاشبہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنی آوازیں پست کرتے ہیں اور ایک قوم کی مذمت کی ہے سو فرمایا ہے کہ جو لوگ تجھے حجروں کے سامنے سے پکارتے ہیں اُن میں سے اکثر شعور نہیں رکھتے اور بے شک وفات کے بعد بھی آپ ﷺ کی عزت و حرمت ایسی ہی ہے جیسا کہ زندگی میں تھی اس پر ابوجعفر نے عاجزی کرتے ہوئے آواز پست کر لی اور امام مالک سے دریافت کیا: ابوعبداللہ! کیا میں قبلہ رُخ ہو کر دعاء کروں یا رسول اللہ ﷺ کی طرف رُخ کروں؟ امام مالک نے فرمایا:

لِمَ تصرف وجهك عنه، وهو وسيلتك، ووسيلة ابيك آدم عليه السلام الى الله يوم القيامة، بل استقبله واستشفع به فيشفعه الله، قال الله: وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ.

[الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ ۲: ۳۲-۳۳، ۲: ۴۴-۴۵، طبع دار ارقم]

[تسکین الصدور فی تحقیق أحوال الموتیٰ فی البرزخ والقبور: ۳۴۵-۳۴۶]

""تو اپنا رُخ آپ ﷺ سے پھیرتا ہے حالانکہ آپ ہی [شفاعتِ کبریٰ کے ذریعے] تیرے اور تیرے دادا سیدنا آدم علیہ السلام کے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں وسیلہ ہوں گے، بلکہ آپ ﷺ کی طرف متوجہ ہو اور آپ کو سفارشی بنا۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی سفارش قبول فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر کے آپ کے پاس آ کر اپنی غلطی کی معافی طلب کریں اور رسول بھی اُن کے لیے مغفرت طلب کریں تو یہ اللہ کو ضرور توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا پائیں گے۔""

قاضی عیاضؒ نے ترتیب المدارک ۱: ۱۱۴ میں یہ روایت بلا سند لکھی ہے مگر یہ قطعاً ناقابل استدلال ہے، اس لیے کہ اس کا مرکزی راوی محمد بن حمید رازی ہے جس کے متعلق امام جوز جانی فرماتے

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

ہیں: کان ردئ المذهب، غیر ثقة.[احوال الرجال، ترجمہ:۳۸۲]

''بدمذہب اور غیر ثقہ ہے جس کی بات کا کچھ بھی اعتبار نہیں۔''

محدث اسحاق بن منصور فرماتے ہیں: میں اللہ تعالیٰ کے سامنے گواہی دوں گا کہ محمد بن حمید جھوٹا تھا۔[تاریخ بغداد۲: ۲۶۳، تہذیب الکمال ۲۵: ۱۰۳]

حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: هذه الحكاية منقطعةٌ فإن محمد بن حُميد الرازي لم يدرك مالكاً لا سيما في زمن أبي جعفر المنصور، فإن أباجعفر توفي بمكة سنة ثمان و خمسين و مائة، و توفي مالك سنة تسع و سبعين و مائة، و توفي محمد بن حميد الرازي سنة ثمان و أربعين و مائتين، و لم يخرج من بلده حين رحل في طلب العلم إلّا هو كبير مع أبيه، و هو مع هذا ضعيف عند أكثر اهل الحديث، كذبه أبوزرعة و ابن وارة، و قال صالح بن محمد الأسدي: ما رأيتُ أحداً أجرأ على اللّٰه منه، و أحذق بالكذب منه.......

[مجموع الفتاویٰ ۱: ۱۹۲]

''یہ کہانی منقطع ہے اس لیے کہ محمد بن حمید رازی نے امام مالکؒ کا زمانہ نہیں پایا اور بالخصوص ابوجعفر المنصور کے عہد میں تو ایسا بہت مشکل ہے، اس لیے کہ ابوجعفر مکہ میں ۱۵۸ ہجری کو وفات پا گئے، امام مالک ۱۷۹ ہجری کو وفات ہوئے اور محمد بن حمید رازی ۲۴۸ ہجری کو وفات پا گئے، جب کہ محمد بن حمید رازی اپنے والد کے ساتھ کبر سنی میں حصول علم کے لیے اپنے گاؤں سے نکلے تھے۔ پھر حدیث کا علم رکھنے والے علماء کے نزدیک محمد بن حمید ضعیف راوی ہے۔ امام ابوزرعۃ اور امام ابن وارۃ اس کو کذاب کہتے ہیں، جب کہ محدث صالح بن محمد اسدی کہتے ہیں: میں نے اللہ کے حق میں جرأت میں اور جھوٹ بولنے میں محمد بن حُمید رازی سے زیادہ ماہر و حاذق کسی کو نہیں دیکھا۔''

شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدرؒ اور حافظ عبدالقدوس خان صاحب قارن نے علامہ سبکی اور علامہ سمہودی کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس کی اِسناد جید ہے۔

[تسکین الصدور: ۳۴۶، إظہار الغرور فی کتاب آئینہ تسکین الصدور: ۱۶۰]

کسی کذاب راوی کی روایت جید کیسی بنی؟ کذاب راوی کی روایت تو موضوع ہوتی ہے۔

علامہ سبکیؒ نے ابن حمید کا تعین کرتے ہوئے لکھا ہے: أظُنُّ أنه أبو سفيان محمد بن حميد المَعْمَرِي ، فإنَّ الخطيب ذكره في الرواة عن مالك و أنه قال: كتب عن مالك موطأه، أرانيه......فهو ثقةٌ......فانظر هذه الحكاية و ثِقَةِ رُواتها.

[شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام ﷺ: ۳۵۱-۳۵۲] 10

"میرا خیال ہے کہ یہ راوی ابوسفیان محمد بن حمید معمری ہے جس کا ذکر خطیب نے اَلرُّوَاۃُ عَنْ مَالِكٍ میں کیا ہے اور کہا ہے کہ مجھے ایسا دکھائی دیتا ہے کہ اس نے امام مالک سے موطأ لکھی ہے۔ پس یہ راوی ثقہ ہے، پس تو اس حکایت اور اس کے ثقہ رُواۃ کو دیکھو۔"

جس کا جواب علامہ محمد بن احمد بن عبدالہادیؒ نے اس طرح دیا ہے: وقد أخطأ فيما ظنَّهٗ خطأ فاحشاً، فإنَّ محمد بن حميد المعمري رجل متقدمٌ، لم يدر كه يعقوب بن إسحاق بن أبي إسرائيل راوي الحكاية عن ابن حميد، بل بينهما مفازةٌ بعيدةٌ، وقد روى المعمري عن هشام بن حسان و معمر و الثوري ، و توفي سنة اثنتين و ثمانين ومائة قبل أن يولد يعقوب بن إسحاق بن أبي إسرائيل. [الصارم المنکی فی الرد علی السبکی: ۲۶۰]

"اُس نے جو گمان کیا اُس میں فاحش غلطی کا شکار ہوا، اس لیے کہ محمد بن حمید معمری متقدم ہیں، جن کا زمانہ یعقوب بن اسحاق بن اسرائیل- جو اس روایت کو اُن سے نقل کرتا ہے- نے نہیں پایا ہے بلکہ ان کے مابین ایک طویل عرصہ ہے۔ معمری تو ہشام بن حسان، معمر اور ثوری سے روایت لیتے ہیں اور انہوں نے ۱۸۲ھ کو اُس وقت وفات پائی جب کہ یعقوب بن اسحاق بن ابی اسرائیل ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے۔"

[۶] کچھ لوگوں کو اس آیت سے شبہ ہوا ہے: وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا. [سورۃ النساء۴: ۶۴]

"اور اگر وہ لوگ جس وقت انہوں نے اپنا برا کیا تھا، تیرے پاس آتے، پھر اللہ سے معافی چاہتے اور رسول [ﷺ] بھی اُن کے لیے معافی چاہتا تو وہ ضرور اللہ کو معاف کرنے والا اور مہربان پاتے۔"

چنانچہ مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ لکھتے ہیں:

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

"یہ آیت اگر چہ خاص واقعہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن اس کے الفاظ سے ایک عام ضابطہ نکل آیا کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جائے اور آپ ﷺ اُس کے لیے دعاءِ مغفرت کر دیں، اُس کی مغفرت ضرور ہو جائے گی اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری جیسے آپ ﷺ کی حیات دنیوی کے زمانہ میں ہو سکتی تھی اسی طرح آج بھی روضۂ اقدس پر حاضری اسی حکم میں ہے۔" [معارف القرآن ۲:۴۵۹]

یہ تفسیر نادرست ہے اس لیے کہ آیت کو سیاق سباق سے کاٹ کر یہ تفسیر کی گئی ہے۔ اگر یہ آیت ہم عصر اور بعد کے امتیوں کو عام ہے تو:

- صحابہ کرام ؓ نے اسے عام سمجھ کر استسقاء کے موقع پر نبی اکرم ﷺ کی قبر اطہر پر جا کر آپ ﷺ سے دعاء کیوں نہ کرائی؟ بیانِ جواز کے لیے ایک بار تو دعاء کروا ہی لیتے مگر صحابہؓ، تابعین و تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین سے اس کا ثبوت ملتا ہے اور نہ ہی یہ کسی امام کا مذہب ہے۔

- جس طرح یہ آیت عام ہے اس طرح آیت کریمہ: فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ [سورۃ النساء ۴:۵۹] کے الفاظ بھی عام ہیں اور ہم عصر اور بعد کے امتیوں کو شامل ہیں، اس میں بھی تخصیص نہیں ہے، تو پھر ہر مسلمان کا فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے فیصلے حاکموں اور قاضیوں کی بجائے رسول اللہ ﷺ سے براہِ راست قبر اطہر پر جا کر چکایا کریں، اگر ان کا اللہ اور روزِ آخر پر ایمان ہے۔

ایک آیت میں بلا دلیل تعمیم کا قول اور دوسری آیت میں تخصیص کا کیا مطلب؟ کیا آپ ﷺ شرعی فیصلہ کرنے کے لیے ہم عصر اور بعد کے امتیوں کے لیے یکساں رحمت نہیں؟ کوئی مؤمن اس بات کی جرأت نہیں کر سکتا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں اس کا قائل ہو جائے کہ آپ ﷺ بعد کے امتیوں کے لیے رحمت نہیں۔ پس وجہ فرق کی کیا ہے کہ ایک آیت کو عموم پر رکھا اور دوسری میں تخصیص کر دی، جب کہ تنازع کا فیصلہ اہم ہے بنسبت استغفار کے، کیونکہ یہ موقوف علیہ ہے۔

اس تفسیر کو دیکھ کر کوئی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ قبر نبی ﷺ کے پاس جا کر اُن سے مختلف فیہ مسائل کے بارے میں پوچھو، وہ ضرور جواب عنایت کریں گے اس لیے کہ دین کو مفصل بیان کرنا اُن کا فرض

منصبی بھی ہے‘تو کیا یہ استدلال درست ہے؟ بالفاظ دیگر استشفاع بدعاء الرسول ﷺ تحکیم ذات الرسول ﷺ پر مبنی ہے اور اس کا ثمرہ اور نتیجہ ہے‘اور جب تحکیم ذات الرسول ﷺ موت کے بعد نہیں تو استشفاع بدعاء الرسول ﷺ کیسے؟

– حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: یقولون:إذاطلبنا منه الإستغفار بعد موته كنا بمنزلة الذين طلبوا الإستغفار من الصحابة ' و يخالفون بذلك إجماع الصحابة و التابعين لهم بإحسان و سائر المسلمين'فإن أحداًمنهم لم يطلب من النبي ﷺبعد موته أن يشفع'و لاسأله شيئاً و لاذكر ذلك أحد من أئمة المسلمين.[مجموع الفتاوی۱:۱۴۹]

”یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم رسول اللہ ﷺ کے وفات پا جانے کے بعد اُن سے دعائے مغفرت کرا دیں تو یہ بالکل ایسا ہے جیسا کہ صحابہ نے اُن سے جیتے جی دعاء کرائی تھی‘ حالانکہ یہ لوگ ایسا کر کے اجماعِ صحابہ کرام و تابعین عظامؓ کی مخالفت کر رہے ہیں‘اس لیے کہ کسی بھی صحابی سے ثابت نہیں کہ اُس نے نبی ﷺ کی وفات کے بعد اُن کے قبر کے پاس آ کر اُن سے دعاء کرائی ہو‘یا کوئی چیز اُن ﷺ سے پوچھی ہو مسلمانوں کے ائمہ کی کسی کتاب میں اس کا تذکرہ تک نہیں۔“

– سید آلوسی بغدادیؒ لکھتے ہیں: وتساوي حالَتي حياته ووفاته ﷺفي هذاالشان يحتاج إلى نَصّ'ولعل النص على خلافه'ففي صحيح البخاري عن أنس أن عمربن الخطاب كان إذا قحطوا.......[روح المعانی۵-۶:۴۰۴]

”اس [توسل کے] معاملے میں آپ ﷺ کی حیات اور وفات دونوں کا یکساں ہونا محتاجِ نص ہے اور شاید نص اس کے خلاف ہے‘جیسا کہ صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ جب سیدنا عمرؓ کے دورِ خلافت میں خشک سالی شروع ہوئی تو آپ نے سیدنا عباسؓ کے وسیلہ سے دعاء مانگی تھی۔“

[۷] حافظ طبرانیؒ‘امام حاکمؒ حافظ ابو نُعَیمؒ اور امام بیہقیؒ نے سیدنا علیؓ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ جب سیدنا آدم علیہ السلام پر عتاب ہوا تو آپ فکرِ توبہ میں حیران تھے‘ایک روز آسمان کی طرف منہ کیا اور کہا: یا اللہ! محمد ﷺ کے وسیلہ سے تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں۔ وحی نازل ہوئی کہ: محمد [ﷺ] کون ہیں‘جن کے واسطے سے تم نے استغفار کی؟ عرض کیا کہ جب آپ

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

نے مجھے پیدا کیا تھا تو میں نے عرش پر لکھا ہوا دیکھا تھا: لاالہ الاّاللہ محمدٌرسول اللہ، تو میں سمجھ گیا تھا کہ محمد ﷺ سے اونچی ہستی کوئی نہیں جن کا نام تم نے اپنے نام کے ساتھ رکھا۔ وحی نازل ہوئی کہ وہ خاتم النبیین ہیں، تمہاری اولاد میں سے ہیں، اگر وہ نہ ہوتے تو تم بھی پیدا نہ کیے جاتے۔

[فضائل ذکر: ۹۵-۹۶، نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب ﷺ: ۱۳، نسیم الریاض ۳: ۳۹۸، مقالات کوثری: ۳۹۱، تفسیر نعیم الدین مرادآبادی: ۱۲]

یہ روایت مختلف اَسناد کے ساتھ المستدرک ۲: ۶۱۵، دلائل النبوۃ امام بیہقی ۵: ۴۸۹ اور معجم صغیر امام طبرانی ۲: ۸۲-۸۳ میں موجود ہے اور تینوں کا مرکزی راوی عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ہے، جس کے بارے میں امام ابن حبان فرماتے ہیں: کان یَقْلِبُ الأخبار و ھو لا یعلم حتی کَثُرَ ذلك في روایته مِن رفع المراسیل، و إسناد الموقوف فاستحق الترك.

[المجروحین ۲: ۲۲، ترجمہ: ۵۹۳]

''لاعلمی میں روایات میں ہیر پھیر کرتا تھا، یہاں تک کہ اس نے کثرت سے یہ کام شروع کیا، مرسل روایات کو مرفوع کہنے لگا اور اسی طرح موقوف روایات کو مسند بنانے لگا جس کے سبب سے اس لائق ٹھہرا کہ اسے چھوڑ دیا جائے اور اس کی روایت نہ لی جائے۔''

امام ساجیؒ (۱) نے فرمایا: ہمیں ربیع نے اور اسے امام شافعیؒ نے بتایا کہ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے پوچھا گیا: کیا تیرے باپ نے تیرے دادا سے رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث سنائی کہ سیدنا نوح علیہ السلام کی کشتی نے بیت اللہ کا طواف کیا اور مقام ابراہیم میں نماز پڑھی؟ اس نے کہا: ہاں، امام ساجیؒ ہی فرماتے ہیں: منکر الحدیث ہے۔ امام طحاویؒ (۲) فرماتے ہیں: حدیث کا علم رکھنے والوں

---

(۱) زکریا بن عبدالرحمٰن بن بحر، الضبی، البصری، الشافعی، ابو یحیٰ، اپنے دور میں بصرہ کے منجھے ہوئے محدث مانے جاتے تھے۔ ۲۲۰ھ = ۸۳۵ء کو پیدا ہوئے۔ علل حدیث کے ماہر عالم تھے۔ بصرہ میں ۳۰۷ھ = ۹۲۰ء کو وفات پائی حافظ ذہبی انہیں الإمام، الحافظ، محدث البصرۃ، و شیخها و مفتیها کے القاب سے یاد کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ علل حدیث سے متعلق امام ساجی کی ایک جلیل القدر تصنیف ہے جو اُن کے علمی تبحر اور حفظ احادیث کی واضح دلیل ہے۔ [سیر اعلام النبلاء ۱۴: ۱۹۷، الاعلام ۳: ۴۷]

(۲) احمد بن محمد بن سلامۃ بن سلمۃ بن عبدالملک، ازدی، حجری، مصری، طحاوی، حنفی، مصر کے علاقہ طحا میں......

کے ہاں اس کی روایت نہایت ضعیف ہوتی ہے'امام حاکمؒ اور ابونعیمؒ نے فرمایا کہ یہ اپنے باپ سے موضوع احادیث نقل کرتا ہے۔[تہذیب التہذیب ٦:١٦٢]

محمد بن عبداللہ بن عبدالحکیم فرماتے ہیں: میں نے امام شافعیؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ امام مالکؒ کے سامنے کسی نے کوئی حدیث بیان کی۔آپ نے پوچھا: مَن حَدَّثَك؟ فذكر له إسناداً منقطعاً فقال:إذهب إلى عبد الرحمن بن زيد بن أسلم يحدثك عن أبيه عن نوح عليه السلام.

[المجروحين ٢:٢٣'تہذیب الکمال ١٧:١٨]

''یہ تجھ سے کس نے بیان کی ہے؟ تو اس نے اس کی ایک منقطع سند بیان کی'اس پر امام شافعیؒ نے فرمایا: عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے پاس جاؤ' وہ اس کو اپنے باپ سے اور اس کا باپ نوح علیہ السلام سے بھی روایت بیان کردے گا۔''

اس راوی کی ایک منکر روایت یہ بھی ہے:ما من عبدٍ يَمُرُّ بقبر رجل كان يعرفه في الدنيا فيسلم عليه إلّا عرفه ورَدَّ عليه السلام. [میزان الاعتدال ١:٥٦٥]

''جب کوئی زندہ شخص کسی مردہ شخص کے قبر کے پاس سے گزرے اور ان دونوں کی آپس میں جان پہچان ہو اور یہ اُسے سلام دے تو وہ مرا ہوا شخص اسے پہچان کر اُس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔''

امام حاکمؒ اسی عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے بارے میں لکھتے ہیں:روى عن أبيه أحاديث موضوعة'لايَخفَى على من تأمَّلها من أهل الصنعة أن الحمل فيها عليه.

[المدخل إلى معرفة الصحيح من السقيم ١:١٧٠'ترجمہ:٩٨]

''اپنے باپ کی سند سے موضوع احادیث روایت کرتا ہے۔علم حدیث وآثار کے ماہرین کو خوب معلوم ہے کہ اس کا اصل ذمہ دار عبدالرحمٰن ہی ہے۔''

معجم صغیر طبرانی والی روایت میں تین ابتدائی راوی ماسوائے عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے سب

......٢٣٩ھ=٨٥٣ء کو پیدا ہوئے'اس لیے طحاوی کہلائے۔علم حدیث اور علم فقہ میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ آپ ابتدائی عمر میں شافعی المسلک تھے۔پھر حنفی ہوگئے۔قاہرہ میں ٣٢١ھ=٩٣٣ء کو وفات پائی۔

[سیر اعلام النبلاء ١٥:٢٧-٣٣'الاعلام ١:٢٠٦]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

کے سب مجہول ہیں۔ حافظ ہیثمیؒ لکھتے ہیں: اسے طبرانی نے اوسط و صغیر میں نقل کیا ہے اور اس کی سند میں کئی ایسے راوی ہیں جنہیں میں نہیں جانتا۔ [مجمع الزوائد ۸:۲۵۳]

بیہقی والی روایت میں عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے ساتھ عبداللہ بن فہری موجود ہے، جس کے بارے میں حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: روی عن عبدالرحمن بن زید خبراً باطلا فیه: یاآدم لولا محمد ﷺ ماخلقتك، رواه البیهقي في دلائل النبوة.

[میزان الاعتدال ۲:۵۰۴، لسان المیزان ۳:۳۶۰]

''اس نے عبدالرحمٰن بن زید سے ایک باطل روایت نقل کی ہے کہ اے آدم [علیہ السلام]! اگر محمد [ﷺ] نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا نہ کرتا، اسے بیہقی نے دلائل النبوۃ میں نقل کیا ہے۔''

امام حاکم اگرچہ اس حدیث کی تصحیح فرماتے ہیں مگر حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

بل موضوعٌ وعبدالرحمن واهٍ. [تلخیص المستدرک ۲:۶۱۵]

''نہیں، بلکہ یہ روایت موضوع ہے اور عبدالرحمٰن واہی [شدید کمزور] راوی ہے۔''

یہ بھی فرمایا: خبرٌ باطلٌ. [میزان الاعتدال ۲:۵۰۴] ''یہ روایت باطل ہے۔''

اور حافظ ابن حجرؒ بھی اس روایت کو باطل قرار دیتے ہیں۔ [لسان المیزان ۳:۳۶۰]

نیز یہ روایت ارشاد ربانی: فَتَلَقّٰی اٰدَمُ مِن رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ. [سورۃ البقرۃ ۲:۳۷] اور قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ. [سورۃ الاعراف ۷:۲۳] کے بالکل معارض و مخالف ہے لہٰذا قطعاً غلط، نا قابل استدلال اور نا قابل التفات ہے۔

[۸] حدیث میں ہے: إذا سالتمُ اللّٰه فاسألوا بجاهي، فإن جاهي عند اللّٰه عظيم.

''جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا چاہو تو میری جاہ کے وسیلے سے سوال کرو، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں میری بڑی جاہ ہے۔''

حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: یہ حدیث جھوٹی اور موضوع ہے۔ [مجموع الفتاوی ۲۷:۶۲]

مزید لکھتے ہیں: وروی بعض الجهال عن النبي ﷺ أنه قال: إذاسالتم اللّٰه فسألوه بجاهي فإن جاهي عنداللّٰه عظيم، وهذا الحديث كذب، ليس في شيئ من كتب المسلمين

التي يعتمد عليها أهل الحديث، ولا ذكره أحد من أهل العلم بالحديث، مع أن جاهه عند الله أعظم من جاه جميع الأنبياء و المرسلين. [القاعدة الجليلة في التوسل والوسيلة: ۱۲۹]

"بعض نادانوں نے رسول اکرم ﷺ کی طرف منسوب کر کے یہ روایت بیان کی ہے کہ جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا چاہو تو میری جاہ کے وسیلے سے سوال کرو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں میری بڑی جاہ ومنزلت ہے، مگر یہ روایت جھوٹی ہے اور مسلمانوں کی اُن کتب میں اس کا کوئی نام ونشان تک نہیں جس پر حدیث کا علم رکھنے والے علماء اعتماد کرتے ہیں اور اسے علمائے حدیث میں سے کسی نے روایت بھی نہیں کیا ہے اگر چہ یہ بات واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی جاہ ومنزلت تمام انبیاء ورسل کی جاہ ومنزلت سے بڑھ کر ہے۔"

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

فصل چہارم

حیات برزخی

— نعیم وعذابِ قبر —

حافظ ابن حزمؒ لکھتے ہیں (۱): عذاب القبر' قال أبو محمد ذهب ضرار بن عمرو الغطفاني أحد شيوخ المعتزلة إلى إنكار عذاب القبر' و هو قول مَن لَقِيْنَا من الخوارجِ' وذهب أهل السنة و بشر بن المعتمر و الجبائي و سائر المعتزلة إلى القول به' و به نَقولُ لصحة الآثار عن رسول الله ﷺ. [الفصل فی الملل والاہواء والنحل ۴: ۶۶]

''**عذابِ قبر**: ابو محمدؒ [حافظ ابن حزم کی کنیت ہے] کہتا ہے: **شیخ المعتزلہ ضرار بن عمرو غطفانی** (۲) نے قبر کی عذاب سے انکار کیا ہے اور یہی اُن خوارِج کا بھی مذہب ہے جن سے ہم ملے ہیں البتہ اہلِ سنت و جماعت' جُبائی (۳) بشر بن معتمر (۴) اور دوسرے سارے معتزلہ عذاب قبر کا عقیدہ رکھتے

---

(۱) علی بن احمد بن سعید بن سعد' ابو محمد ابن حزم ظاہری' قرطبہ میں ۳۸۴ھ = ۹۹۴ء کو پیدا ہوئے۔ اپنے عہد میں اندلس کے بہت بڑے عالم اور محدث تھے۔ آپ اور آپ کے والد دونوں مملکت اندلس کے وزیر تھے۔ آپ نے وزارت کو خیر باد کہا اور اپنے آپ کو حصول علم کے لیے وقف کر دیا۔ فقیہ اور حافظ حدیث تھے اور قرآن وحدیث سے احکام کا استنباط کیا کرتے تھے۔ ۴۵۶ھ = ۱۰۶۴ء کو اندلس کے مضافاتی گاؤں لَبْلَۃ میں وفات پائی۔

[وفیات الاعیان ۳: ۳۲۵' سیر اعلام النبلاء ۱۸: ۱۸۴' الاعلام ۴: ۲۵۴]

(۲) ضرار بن عمرو غطفانی' قاضی' بہت بڑے معتزلی تھے۔ معتزلہ کے علاقے میں امارت کے حریص تھے جو اُنہیں نہیں ملی اس لیے اُن کی اور خوارج کی مخالفت میں تیس کے قریب کتابیں لکھیں جن میں سے بعض مقالات نہایت خبیث اور گندے تھے۔ امام احمد نے قاضی کے سامنے اُن کو قتل کرنے کا فتویٰ دیا تھا تو یہ وہاں سے روپوش ہوا جب کہ بعض کا خیال ہے کہ یحییٰ بن خالد برمکی نے اسے کہیں چھپا کر رکھا تھا۔ مجبرہ کے عقائد بھی رکھتے تھے۔ ۱۹۰ھ = ۸۰۵ء کو وفات پائی۔ [تاریخ الاسلام ۶: ۲۰۱۷' ترجمہ: ۶۵۴۶' لسان المیزان ۳: ۲۰۳' ترجمہ: ۹۱۲' طبقات المعتزلہ: ۷۲' الاعلام ۳: ۲۱۵]

(۳) محمد بن عبد الوہاب بن سلام جبائی' ابو علی' اپنے زمانے میں علم کلام اور معتزلہ کے امام تھے۔ ۲۳۵ھ = ۸۴۹ء کو پیدا ہوئے۔ ''جبی'' بصرہ کے ایک گاؤں کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے جبائی کہلائے۔ بصرہ میں شہرت پائی۔ ۳۰۳ھ = کو وفات پائی۔ ''جبی'' میں دفن ہوئے۔ [الدرر الکامنۃ ۴: ۳۶' الاعلام ۶: ۲۵۶]

......

حافظ صاحب موصوفؒ آگے لکھتے ہیں: وقد احتج مَن أنکرہ بقول اللّٰہ تعالی: رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ[سورۃ حم المؤمن ۴۰:۱۱] وبقوله: كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتاً فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ[سورۃ البقرۃ ۲:۲۸] وھذا حقٌّ لا یدفع عذاب القبر لأن فتنة القبر وعذابه والمسألة إنما هي للروح فقط بعد فراقه للجسد إثر ذلك قُبِرَ أو لم يقبر... وأما مَن ظَنَّ أنَّ الميتَ يُحيٰى في قبره فخطأٌ لأن الآيات التي ذكرنا تمنع من ذلك، ولو كان ذلك لقال تعالى: قد أماتَنَا ثلاثاً و أحيانا ثلاثاً، و هذا باطلٌ وخلافُ القرآن إلّا مَن أحياهُ اللّٰه آية لنبي من الأنبياء.[الفصل في الملل والاہواء والنحل ۴:۶۶]

''جس شخص کا یہ گمان ہے کہ قیامت سے پہلے مُردہ قبر میں زندہ ہو جاتا ہے غلط ہے کیونکہ:

رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ.[سورۃ حم المؤمن ۴۰:۱۱]

''[وہ کہیں گے کہ] اے ہمارے رب! تو نے ہم کو دو بار موت دی اور دو بار زندگی دی۔''

اور: كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتاً فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ.

[سورۃ البقرۃ ۲:۲۸]

''تم اللہ کا کس طرح انکار کرتے ہو اور حال یہ ہے کہ تم مردہ تھے تو اُس نے تم کو زندہ کیا پھر وہ تم کو موت دیتا ہے، پھر تم کو زندہ کرے گا۔''

سے اس گمان کی تردید ہوتی ہے کیونکہ اگر مردہ کا قبر میں زندہ ہونا مان لیا جائے تو بجائے دو کے تین موتیں اور تین حیاتیں لازم آتی ہیں حالانکہ یہ غلط اور قرآن مجید کے خلاف ہے، ہاں اگر اللہ تعالیٰ کسی کو کسی نبی کے معجزے سے زندہ کرے۔''

حافظ صاحبؒ کی اس عبارت پر حافظ ابن قیمؒ [وفات: ۷۵۱ھ] نے یہ تبصرہ کیا ہے:

قلتُ: ماذکرہ أبو محمد فيه حقٌّ و باطلٌ، أما قوله: مَن ظَنَّ أنَّ الميت يُحيَا في قبره فخطأٌ فهذا فيه إجمالٌ، إن أراد به الحياة المعهودة في الدنيا التي تقوم فيها الروح بالبدن و

......(۴) بشر بن معتمر ہلالی بغدادی، ابوسہل، معتزلی فقیہ اور مناظر تھے۔ کوفہ سے تعلق تھا۔ اعتزال پر مشتمل کئی کتابیں لکھیں۔ ۲۱۰ھ = ۸۲۵ء کو بغداد میں وفات پائی۔ [طبقات المعتزلة: ۵۲-۵۳، الاعلام ۲:۵۵]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

تصرفه و تحتاج معها إلى الطعام والشراب و اللباس فهذا خطأٌ، كماقال، و الحِسُّ و العقلُ يكذبه كمايكذبه النص، وإن أراد به حياةٌ أخرى غيرهذه الحياة، بل تُعادُ الروح إليه إعادة غيرالإعادة المألوفة في الدنيا ليُسأل ويُمتَحَنَ في قبره، فهذا حقٌّ، ونفيه خطأٌ وأما استدلاله بقوله: قَالُوا رَبَّنَا اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَ اَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فلاينفي ثبوت هذه الإعادة العارضة لروح في الجسد للمسألة كما أن قتيل بني إسرائيل الذي أحياهُ اللّٰه بعد قتله ثم أماته، لم تكن تلك الحياةُ العارضةُ له للمسألة معتداً بها فإنه يحيى لحظة بحيث قال: فلانٌ قتلني، ثم خَرَّ ميتاً، على أن قوله: ثم تعاد روحه في جسده لايدلُّ على حياةٍ مستقرةٍ، وإنما يدلُّ على إعادةٍ لها إلى البدن وتعلقٍ به، فالروح لم تزل متعلقة ببدنها و إن بَلِيَ و تَمَزَّقَ. [الروح ا:۲۶۲-۲۶۳]

''میرے خیال میں حافظ ابومحمد ابن حزم کی کچھ باتیں صحیح ہیں اور کچھ غلط ہیں۔ اُن کا یہ کہنا کہ: ''قبر میں زندہ ہونے کی رائے غلط ہے۔'' اگر اس سے دنیوی زندگی مراد ہے جس میں روح بدن سے قائم ہوتی ہے اور اس میں تصرف وانتظام کرتی ہے اور بدن اس کی موجودگی میں کھانے پینے اور پہننے کا محتاج ہوتا ہے تو مُردے کی ایسی زندگی واقعی غلط ہے اور نہ صرف نص بلکہ عقل و حس بھی اس سے انکار کرتی ہے اور اگر اس سے برزخی زندگی مراد ہے جو دنیوی زندگی کی طرح نہیں ہے بلکہ قبر میں روح جسم کی طرف صرف اس لیے لوٹتی ہے تاکہ اُس کا امتحان لیا جائے تو یہ درست ہے مگر یہ لوٹنا دنیوی لوٹنے کی طرح نہیں۔ ابن حزم کی دلیل:

-رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ. [سورۃ حم المؤمن ۴۰:۱۱] اور

-كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ.

[سورۃ البقرۃ ۲:۲۸]

سے جسم میں روح کے عارضی طور پر لوٹ آنے کی نفی نہیں ہوتی، جیسے اسرائیلی مقتول قتل کیے جانے کے بعد عارضی طور پر زندہ کردیا گیا تھا، پھر مر گیا تھا، لہٰذا سوال کے لیے یہ عارضی زندگی ناقابلِ اعتبار تھی کیونکہ وہ ذرا سی دیر کے لیے زندہ کیا گیا تھا پھر مر گیا تھا، اُس نے یہ بتادیا کہ مجھے فلاں

نے قتل کیا ہے اور یہ بتا کر پھر فوت ہو گیا۔ مزید برآں روح کو جسم میں لوٹا دینے سے مستقل زندگی لازم نہیں آتی بلکہ جسم سے ایک قسم کا تعلق پیدا ہو جاتا ہے اور روح کا تعلق اپنے جسم سے برابر قائم رہتا ہے، گو جسم بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو کر خاک میں مل کر بے نام و نشان ہو جائے۔"

علامہ ابن ابی العز حنفی دمشقی: علی بن علی بن محمدؒ [وفات: ۷۹۲ھ] لکھتے ہیں:

وقد تَواتَرَتِ الأخبارُ عن رسول اللّٰهِ ﷺ في ثبوت عذاب القبر ونَعيمه لمن كان لذلك أهلاً، وسؤال المَلَكَينِ، فيجبُ اعتقادُ ثبوتِ ذلكَ، والإيمانُ به، ولا نتكلَّمُ في كيفيته، إذ ليس للعقلِ وُقوفٌ على كيفيته، لكونه لا عهد له به في هذه الدار، والشرعُ لا يأتي بما يُحِيلُه المعقولُ، ولكنه قد يأتي بما تَحارُ فيه العقول، فإنَّ عَودَ الروح إلى الجسد ليس على الوجه المعهودِ في الدنيا، بل تُعادُ الرُّوحُ إليه إعادةً غيرَ الإعادةِ المألوفةِ في الدنيا.

[شرح العقيدة الطحاوية ۲: ۵۷۸]

"جو لوگ ثواب یا عذابِ قبر کے مستحق ہیں، انہیں ثواب و عذاب ملنے اور فرشتوں کا مردہ سے سوال کرنے سے متعلق رسول اللہ ﷺ سے متواتر احادیث مروی ہیں، اُس لیے اس کے ثابت ہونے کا عقیدہ اور اس پر ایمان رکھنا لازم ہے، البتہ ہم اس کی کیفیت کے بارے میں کچھ نہیں کہیں گے اس لیے کہ عقل اس کیفیت کا اِدراک نہیں کر سکتی، اس لیے کہ عقل کا اس عالَم سے کوئی تعلق نہیں رہا ہے، شریعت کوئی ایسی بات نہیں کرتا جو عقلی طور پر محال و ناممکن ہو لیکن کئی ایسی چیزیں بیان کرتا ہے جس میں عقلیں حیران و سرگردان ہوتی ہیں، اس لیے کہ جسد کو روح کا اعادہ اُس طریقہ سے نہیں کیا جاتا جو دنیا میں معلوم و معروف ہے بلکہ قبر میں روح کا اعادہ دنیا میں اعادۂ روح کے بالکل الگ طریقہ سے ہے۔"

آگے لکھتے ہیں: واعلم أنَّ عذابَ القبرهو عذابُ البرزخِ، فكلُّ مَن ماتَ وهو مستحقٌّ للعذابِ نَالَهُ نصيبُهُ منه، قُبِرَ أو لم يُقبَرْ، أكلتْهُ السِّباعُ أو احترقَ حتى صار رماداً، ونُسِفَ فـي الهواءِ، أو صُلِبَ أو غَرِقَ في البحر وصَلَ إلى روحه وبدنه من العذاب مايصلُ إلى المقبور...... فالحاصِلُ أنَّ الدُّورَ ثلاثةٌ: دار الدنيا، ودار البرزخِ، ودار القرار، وقد جعل اللّٰه

MAKTABA TUL ISHAAT - مکتبۃ الاشاعت

لكل دارٍ أحكاماً تخصُّها ،وركّبَ هذا الإنسان من بدن ونفسٍ ، وجعل أحكام الدنيا علـى الأبدانِ والأرواح تبَعٌ لها ، وجعل أحكام البرزخِ على الأرواح والأبدانُ تبَعٌ لها، فإذا كان يومُ حشرِالأجسادِ وقيامِ الناسِ من قبورهم صار الحكمُ والنعيمُ والعذابُ على الأرواح والأجساد جميعاً......ويجبُ أن يُعلم أن النارالتي في القبرو النعيم ليس من جنس نارالدنيا ولا نعيمها. [شرح العقيدة الطحاوية٢: ٥٧٩-٥٨٠]

”خوب جان لو کہ عذابِ قبر عذابِ برزخ ہی ہے، پس جو کوئی عذاب کا مستحق مرا اُسے اپنے حصے کا عذاب ضرور ملے گا، اُسے دفن کیا جائے یا دفن نہ کیا جائے، اُسے درندے کھائیں یا جل جائے یہاں تک کہ راکھ بن جائے اور ہوا میں بکھیرا جائے، اُسے سولی چڑھایا جائے یا دریا میں غرق ہو جائے، اُس کے روح اور بدن کو سزا [یا جزا] مدفون شخص ہی کی طرح ملے گی۔......پس حاصل یہ ہے کہ عالَم تین ہیں: عالمِ دنیا، عالَمِ برزخ اور عالَمِ آخرت، اور اللہ تعالیٰ نے ہر عالَم کے ساتھ کچھ مخصوص اَحکام متعلق کیے ہیں۔ اُس نے انسان کو بدن اور نفس سے مرکب کر کے بنایا ہے۔ دنیاوی اَحکام کو اَبدان پر مقرر کیا اور ارواح کو اس کے تابع بنایا۔ احکامِ برزخ کو اَرواح پر مقرر کیا اور اَبدان کو اس کا تابع کیا اور جب اجساد کو قبروں سے اُٹھا کر قیامت میں جمع کر دیا جائے گا تو حکم اور جزا و سزا کو ارواح واَجساد پر اکٹھے مقرر کیا جائے گا۔...... یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ قبر میں جو آگ اور نعمتیں ہیں وہ یکسر دنیا کی آگ اور نعمتوں کی نوع میں سے نہیں ہیں۔“

مسئلہ حیاۃ الانبیاء علیہم السلام

امت مسلمہ کے نزدیک یہ بالکل متفق علیہ مسئلہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ۶۳ سال اِس دنیا میں زندہ رہے اور ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں دس سال پورا ہونے پر چندروز مرضِ وفات میں مبتلا رہنے کے بعد ماہِ ربیع الاول ۱۱ھ میں آپ ﷺ نے وفات پائی یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ ﷺ پر موت وارِد ہوئی۔ پھر آپ ﷺ کی نمازِ جنازہ پڑھی گئی اور آپ ﷺ دفن کیے گئے۔ نیز اس بات پر بھی امت کا اجماع ہے کہ آپ ﷺ کے لیے موت یعنی مرنے کا لفظ بولنا جائز ہے اور کوئی بھی شخص ان دونوں باتوں میں سے کسی ایک میں بھی اختلاف نہیں کرسکتا کیونکہ قرآن مجید اور احادیث میں پوری صراحت کے ساتھ آپ ﷺ کی وفات کا ذکر موت کے لفظ کے ساتھ موجود ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا کہ: اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ. [سورۃ الزمر ۳۹:۳۰]

''تم کو بھی مرنا ہے اور یہ بھی مرنے والے ہیں۔''

اور مشہور حدیث میں ہے کہ اپنے آخری وقت میں رسول اللہ بار بار فرماتے تھے: لا إله إلّا الله، إنّ للموتِ سكراتٌ. [صحیح بخاری، کتاب المغازی [۶۴] باب مرض النبی ﷺ ووفاتہ [۸۴] حدیث: ۴۴۴۹]

''لا إله إلّا الله! بے شک موت کی بڑی سختیاں ہیں۔''

اسی طرح صحیح حدیث میں ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ کی وفات ہوئی تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پیشانی مبارک پر بوسہ دیتے ہوئے فرمایا: بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي يَانَبِيَّ اللهِ! لاَيَجْمَعُ اللهُ عَلَيْكَ مَوْتَتَيْنِ، أَمَّا الْمَوْتَةُ الَّتِي كُتِبَتْ عَلَيْكَ فَقَدْ مُتَّهَا.

[صحیح بخاری، کتاب الجنائز [۲۳] باب الدخول على الميت إذا أُدرِجَ في أكفانه [۳] حدیث: ۱۲۴۲]

''اللہ کے نبی! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں کبھی جمع نہیں کریں گے۔ آپ کے لیے جو [طبعی] موت مقدر تھی، وہ وارِد ہو چکی ہے۔''

پھر مسجد نبوی میں آکر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے خطبہ دیا اور اس میں فرمایا: مَن كانَ يَعبُدُ محمداً ﷺ فإنّ محمداً ﷺ قدمات، ومن كان يعبدُالله فإنّ الله حَيٌّ لَّايَمُوتُ.

[صحیح بخاری، کتاب الجنائز [۲۳] باب الدخول على الميت إذا أُدرِجَ في أكفانه [۳] حدیث: ۱۲۴۲]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

''جو کوئی محمد ﷺ کی عبادت کیا کرتا تھا اُس کو معلوم ہونا چاہیے کہ آپ ﷺ وفات پا چکے اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اُنہیں مطمئن رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ زندہ رہنے والے ہیں اُسے کبھی موت نہ آئے گی۔''

بہر حال یہ دونوں حقیقتیں اپنی جگہ پر بالکل مسلّم اور بغیر کسی اختلاف کے پوری امت کی متفق علیہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر موت وارِد ہوئی۔ آپ ﷺ نے وفات پائی اور آپ ﷺ کے بارے میں موت [مرنے] کا لفظ بولنا درست ہے اور قرآن وحدیث میں بولا گیا ہے اور صحابہ کرام ﷺ نے بھی آپ ﷺ پر موت کا لفظ بولا ہے' اس کے باوجود آپ ﷺ کے اور تمام انبیاء علیہم السلام کے متعلق حیات کا جو عقیدہ ہے اُس کا مطلب یہ ہے کہ اِس عالمِ ناسوتی [یعنی دنیا] میں وفات پا جانے اور مدفون ہونے کے بعد آپ ﷺ کو برزخی حیات عطا کی گئی جیسے کہ قرآن مجید میں شہداء کے متعلق بھی فرمایا گیا ہے کہ وہ زندہ ہیں: بَلْ اَحْيَاءٌ' اور انبیاءِ کرام علیہم السلام کی شان تو شہداء سے بھی بڑھ کر ہے۔

امام بیہقی: حافظ ابو بکر احمد بن الحسینؒ [وفات: ۴۵۸ھ] نے لکھا ہے:

والأنبياءُ عليهم الصلاة والسلام بعد ماقُبِضُوا رُدَّتْ إليهم أرواحهم فهم أحياءٌ عند ربهم كالشهداء. [الاعتقاد والہدایۃ الی سبیل الرشاد: ۳۶۵]

''انبیاءِ کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی اَرواحِ طیبہ وفات کے بعد اُن میں لوٹا دی گئیں پس وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں زندہ ہیں جیسے کہ شہداءِ کرام۔''

اور انہوں نے مسئلہ حیاتِ انبیاء کے بارے میں ۱۳۶ صفحات پر مشتمل جو رسالہ لکھا ہے' اس میں اس مسئلہ کی توضیح ان الفاظ میں فرمائی:

وهذا إنما يصِحُّ على أنَّ الله جلَّ ثناؤه رَدَّ إلى الأنبياء عليهم السلام أرواحهم فهم أحياءٌ عند ربهم كالشهداء' فإذا نفخَ في الصور النفخة الأولى صعقوا في من صعق' ثم لايكون ذلك موتاً في جميع معانيه إلَّا في ذهاب الإستشعارِ' فإن كان موسى عليه السلام ممن استثنى الله بقوله: إلَّا من شاء الله' فإنه عزوجل لا يذهب بإستشعاره في تلك الحالة. [حیاۃ الانبیاء علیہم السلام: ۱۱۱-۱۱۲' شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام ﷺ: ۳۹۷]

''اور یہ تب صحیح ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاءِ کرام علیہم السلام کی اَرواحِ طیبہ وفات کے بعد اُن کی طرف لوٹا دی ہوں، پس وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں شہداء کی طرح زندہ ہیں اور جب پہلی بار صور میں پھونک مارا جائے گا تو وہ بھی دوسرے بے ہوش ہونے والے لوگوں کی طرح بے ہوش ہو جائیں گے، جو ہر اعتبار سے موت نہیں ہوگا البتہ عدم شعور ہوگا جس سے سیدنا موسیٰ علیہ السلام مستثنیٰ کیے گئے ہیں، جس کی طرف اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰہُ [سورۃ الزمر ۳۹:۶۸] میں اشارہ ہے اور اللہ تعالیٰ اُن کا ادراک وشعور اُس حالت میں زائل نہیں کریں گے۔''

حافظ بیہقیؒ کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ:

- انبیاءِ کرام علیہم السلام کے اَرواح موت کے بعد اُن کے اَجسادِ مبارکہ میں لوٹا دی جاتی ہیں۔
- انبیاءِ کرام علیہم السلام کو شہداء کی طرح کی حیات حاصل ہے۔
- انبیاءِ کرام علیہم السلام کو جب روح لوٹائی جاتی ہے تو نفخ صورِ اولیٰ تک اُن کے اَجسادِ مبارک کے اندر رہوتی ہیں۔
- نفخ صورِ اولیٰ میں انبیاءِ کرام علیہم السلام بے ہوش تو ہو جائیں گے، مگر اُن پر موت وارِد نہیں ہوگی البتہ انہیں بے ہوشی کی حالت میں شعور واِدراک نہیں رہے گا۔

حافظ بیہقیؒ کی آخری دو باتیں: انبیاءِ کرام علیہم السلام کے اَجسادِ مبارکہ میں ارواحِ طیبہ کا استمرار ودوام اور نفخِ صورِ اولیٰ میں انبیاءِ کرام علیہم السلام کا بے ہوش ہو جانا محلِ نظر ہیں۔ پہلی بات کا تعلق غیب سے ہے، جس پر کوئی شرعی دلیل موجود نہیں اور دوسری بات ایک مرجوح روایت پر مبنی ہے۔

حدیث میں ہے کہ: إنَّ الناسَ يَصعقونَ فأكونُ أولَ مَن يُفيقُ، فإذا موسى باطشٌ بجانب العرش، فلاأدري أكان فيمن صَعِقَ فأفاقَ قبلي أو كان ممن استثنى اللّٰه؟

[صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء [۶۰] باب وفاۃ موسیٰ علیہ السلام [۳۱] حدیث: ۳۴۰۸]

''بے شک سارے لوگ [قیامت کے روز] بے ہوش ہو جائیں گے تو سب سے پہلے مجھے ہوش آئے گا پس میں [سیدنا] موسیٰ [علیہ السلام] کو عرش کا پایہ پکڑے ہوئے پاؤں گا، پس مجھے نہیں معلوم کہ آپ بھی بے ہوش لوگوں میں سے تھے یا مجھ سے پہلے اُنہیں ہوش آیا یا اُن لوگوں میں سے ہیں

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

جنہیں اللہ تعالیٰ نے بے ہوشی سے مستثنیٰ فرمایا ہے۔"

اس روایت کے بارے میں حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں کہ: فإن قيل: فما تصنعون بقوله ﷺ: فلا أدري أفاق قبلي أم كان ممن استثنى الله، والذين استثناهم الله إنما هم مستثنون من صعقة النفخة، لا مِن صعقةِ يوم القيامةِ كما قال تعالى: وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمَاءِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ [سورۃ الزمر ۳۹:۶۸] ولم يقع الإستثناء من صعقة الخلائق يوم القيامة، قيل: هذا - والله أعلم - غير محفوظ، وهو وهمٌ من بعض الرواة، و المحفوظُ ما تواطأت عليه الرواياتُ الصحيحةُ من قوله ﷺ: فلا أدري أفاقَ قبلي أم جُوزِي بصعقة الطور، فظَنَّ بعضُ الرُّواة أنَّ هذه الصعقةَ هي صعقة النفخة، وأنَّ موسى عليه السلام داخلٌ فيمن استثني منها، وهذا لا يلتئمُ على مساق الحديث قطعاً، فإنَّ الإفاقة حينئذٍ هي إفاقةُ البعث، فكيف يقول: لا أدري أبعث قبلي أم جوزي بصعقة الطور فتأمله وهذا بخلاف الصعقة التي يصعقها الخلائق يومَ القيامة إذا جاء الله سبحانه لِفَصلِ القضاءِ بين العباد وتَجَلَّى لهم فإنهم يصعقون جميعاً، وأما موسى عليه السلام فإن كان لم يصعق معهم فيكون قد حوسب بصعقته يوم تجلّى ربه للجبل فجعله دَكّاً، فجعلت صعقة هذا التجلي عوضاً عن صعقة الخلائق لتجلي الرب يوم القيامة، فتأمل هذا.

[الروح ا:۲۴۹-۲۵۰، فتح الباری ۶: ۴۴۵، بذیل حدیث: ۳۴۰۸]

"اگر کہا جائے کہ حدیث کے ان الفاظ کا کیا کرو گے: "معلوم نہیں [سیدنا] موسیٰ [علیہ السلام] مجھ سے پہلے ہوش میں آئے یا اُن لوگوں میں سے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ فرمایا ہے۔" ظاہر ہے کہ استثنا موت والی بے ہوشی سے ہے، موقف والی بے ہوشی سے نہیں، جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا:

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ.

[سورۃ الزمر ۳۹:۶۸]

"اور صور پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں سب بے ہوش ہو کے گر پڑیں گے مگر جن کو اللہ چاہے۔"

تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث کے یہ الفاظ غیر محفوظ اور کسی راوی کے وہم پر مبنی ہیں۔ جن الفاظ پر

صحیح روایتوں کی موافقت ہے اور وہ محفوظ ہیں تو وہ یہ ہے کہ: ''معلوم نہیں کہ [سیدنا] موسیٰ [علیہ السلام] مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے یا طور کی بے ہوشی کے بدلے بے ہوش ہی نہیں ہوئے۔'' لیکن کسی راوی نے یہ خیال کیا کہ یہاں موت والی بے ہوشی مراد ہے اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام ان میں شامل ہیں جنہیں مستثنیٰ کر دیا گیا ہے، مگر یہ مطلب سیاقِ حدیث کے سراسر خلاف ہے کیونکہ اس صورت میں اِفاقہ سے زندگی بعد الموت والا اِفاقہ مراد ہوگا تو آپ ﷺ کا یہ قول غلط ہو جائے گا کہ ''نہ معلوم مجھ سے پہلے ہوش میں آئے یا طور کی بے ہوشی کے بدلے بے ہوش ہی نہیں ہوئے۔'' یہ مقام بڑے غور و فکر کا ہے۔'' 11

حافظ ابن قیمؒ [وفات: ۷۵۱ھ] لکھتے ہیں: ومعلوم بالضرورةِ أن جسده ﷺ في الأرض طريٌّ مطريٌّ، وقد سأله الصحابة: كيف تعرض صلاتنا عليك وقد أرِمْتَ؟ فقال ﷺ: إن الله حَرَّمَ على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء، ولولم يكن جسده في ضريحه لماأجاب بهذا الجواب، وقد صحَّ عنه ﷺ: أن الله وكَّلَ بقبره ملائكةً يبلغون عن أمته السلام، وقد صحَّ عنه ﷺ أنه خرج بين أبي بكر وعمر وقال: هكذا نُبعثُ، هذا مع القطع بأن روحه الكريمة في الرفيق الأعلى في أعلى عليين مع أرواح الأنبياء، وقد صحَّ عنه ﷺ أنه رأى موسى عليه السلام قائماً يصلي في قبره ليلة الإسراء ورآهُ في السماء السادسة أو السابعة، فالروح كانت هناك ولها اتصالٌ بالبدن في القبر وإشرافٌ عليه وتعلقٌ به بحيث يصلي في قبره ويرد سلام من سلم عليه وهي في الرفيق الأعلَى. [الروح ۱: ۲۶۶-۲۶۷]

''یہ بات یقینی طور پر معلوم ہے کہ آپ ﷺ کا جسم مبارک قبر میں تر و تازہ اور نرم ہے۔ ایک دفعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے پوچھا تھا کہ آپ کے بوسیدہ ہونے کے بعد آپ پر ہمارا درود کیسے پیش کیا جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مٹی پر انبیاء کے جسم حرام فرما دیے ہیں۔ اگر آپ ﷺ کا جسم مبارک قبر میں نہ مانا جائے تو آپ ﷺ یہ جواب نہ دیتے۔ آپ ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ یہ بھی ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی قبر پر فرشتے مقرر فرما دیے ہیں جو آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی امت کا سلام پہنچاتے رہتے ہیں۔ ایک دفعہ آپ ﷺ سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

رضی اللہ عنہما کے درمیان نکلے اور فرمایا: اسی طرح ہم زندہ کیے جائیں گے اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ آپ ﷺ کی معزز و پاکیزہ روح اعلیٰ علیین میں انبیاءِ کرام علیہم السلام کی روحوں کے ساتھ اعلیٰ قدوسیوں کی جماعت میں ہے۔ آپ ﷺ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور اُنہیں چھٹے یا ساتویں آسمان پر بھی دیکھا۔ معلوم ہوا کہ سیدنا کلیم اللہ علیہ السلام کا جسم قبر میں تھا اور روح آسمان پر تھی اور روح کا بدن سے ایک خاص قسم کا تعلق و اِتصال تھا کہ آپ علیہ السلام قبر میں نماز پڑھ رہے تھے اور سلام کرنے والے کے سلام کا جواب بھی دیتے تھے حالانکہ اُن کی روح رفیقِ اعلیٰ میں تھی۔"

حافظ صاحب موصوف ؒ یہ بھی لکھتے ہیں: إنّ للروح شأناً آخر تكون في الرفيق الأعلى في أعلى عليين ولها اتصالٌ بالبدن بحيث إذا سلَّم المُسَلِّمُ على الميت ردَّالله عليه روحه فيرد عليه السلام وهي في الملإ الأعلى، وإنما يغلط أكثر الناس في هذا الموضع حيث يعتقد أن الروح من جنس مايعهد من الأجسام التي إذا شغلت مكاناً لم يكن أن تكون في غيره، وهذا غلطٌ محضٌ، بل الروح تكون فوق السمٰوات في أعلى عليين و ترد إلى القبر فترد السلام و تعلم بالمسَلِّمِ وهي في مكانها هناك، وروح رسول الله ﷺ في الرفيق الأعلى دائماً ويردها الله سبحٰنه إلى القبر فترد السلام على مَن سلَّم عليه وتسمع كلامه وقد رأى رسول الله ﷺ موسى عليه السلام قـائـمـاً يصلي في قبره ورآه في السماء السادسة أو السابعة. [کتاب الروح ۱: ۳۹۷، ومثلہ فی زاد المعاد ۳: ۴۱]

"روح کا معاملہ ہی جداگانہ ہے، وہ رفیقِ اعلیٰ اور اعلیٰ علیین میں رہتے ہوئے بھی اس حیثیت سے بدن سے متصل ہے کہ جب مُردے پر کوئی سلام کرنے والا سلام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس پر اُس کی روح لوٹا دیتے ہیں اور وہ اس کے سلام کا جواب دے دیتا ہے حالانکہ روح ملاءِ اعلیٰ میں ہے۔ اس مقام پر اکثر لوگوں کو یہ مغالطہ ہوا کرتا ہے کہ جسم کی طرح بیک وقت دو مکانوں میں روح کا پایا جانا ناممکن ہے مگر یہ دھوکا ہے۔ روح آسمانوں پر اعلیٰ علیین میں ہونے کے باوجود بھی قبر میں آ کر سلام کا جواب دیتی ہے اور سلام کرنے والے کو جانتی ہے۔ دیکھیے! رحمتِ عالم ﷺ کی روح مبارک

ہمیشہ رفیق اعلیٰ میں رہتی ہے لیکن قبر میں سلام کرنے والوں کے سلام سن کر اُن کے جواب دیتی ہے۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں اور اُنہیں چھٹے یا ساتویں آسمان میں بھی دیکھا۔"

حافظ ذہبیؒ [وفات:۷۴۸ھ] لکھتے ہیں: والنبي ﷺ فمفارقٌ لسائر أمته في ذلك فلا يَبْلَى، ولا تأكل الأرض جَسَدَهُ، ولا يتغيّرُ ريحه، بل هو الآن ومازال أطيبَ ريحاً من المِسك، وهو حيٌّ في لحده حياةَ مثله في البرزخ، التي هي أكملُ من حياةِ سائر النبيين، وحياتُهم بلا ريب أتَمُّ وأشرفُ من حياة الشهداء الذين هُم بِنَصِّ الكتاب اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ، وهؤلاء حياتهم الآن التي في عالم البرزخ حَقٌّ، ولكن ليست هي حَياةَ الدُّنيا من كل وجه، ولا حياةَ أهلِ الجنة من كل وجهٍ، ولهم شِبْهٌ بحياةِ أهل الكهفِ.

[سیر اعلام النبلاء ۹:۱۶۱]

"نبی اکرم ﷺ اس معاملہ میں ساری امت سے جدا ہیں۔ آپ ﷺ کا جسد مبارک نہ تو پرانا ہوتا ہے اور نہ مٹی اس کو کھاتی ہے۔ آپ ﷺ کی خوش بو بھی متغیر نہیں ہوئی بلکہ آپ ﷺ ہمیشہ کے لیے مشک سے زیادہ معطر اور خوش بودار ہیں۔ آپ ﷺ کی حیات جس طرح برزخ میں ہے جو کہ تمام انبیاء سے اکمل ہے اسی طرح لحد مبارک میں بھی آپ ﷺ کا جسدِ اَطہر بھی زندہ [تروتازہ] ہے اور اُن کی حیات میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ وہ حیاتِ شہداء سے بھی اتم اور اشرف ہے جن کی حیات کے بارے میں قرآن مجید میں نص آئی ہے: اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ. [سورۃ آل عمران ۳:۱۶۹] اس وقت عالمِ برزخ میں انبیاءِ کرام علیہم السلام کی حیات کا ہونا برحق ہے لیکن وہ حیات نہ تو من کل الوجوہ حیاتِ دنیا ہے اور نہ ہی من کل الوجوہ حیاتِ اہل جنت ہے اور اُن کی حیات اصحابِ کہف کی حیات جیسی ہے۔"

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ [وفات:۸۵۲ھ] لکھتے ہیں: وهذه الحياةُ ليست حياةٌ دنيوية، إنّما هي أُخروِيةٌ. [فتح الباری ۷:۳۴، کتاب فضائل الصحابۃ [۶۲] باب فضائل اصحاب النبی ﷺ [۱]]

"اور یہ زندگی دنیوی نہیں بلکہ اُخروی ہے۔"

MAKTABA TUL ISHAAT - مکتبۃ الاشاعت

انہوں نے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: لأنه ﷺ بعدموته وإن كان حيًّا فهي حياةٌ أخرويةٌ، لا تُشبِهُ الحياةَ الدنيا. [فتح الباری ۷: ۳۴۹]

''کیونکہ آپ ﷺ وفات کے بعد اگرچہ زندہ ہیں لیکن یہ دوسری قسم کی حیات ہے، وہ دنیا کی حیات جیسی نہیں۔''

علامہ سید محمود آلوسی بغدادیؒ [وفات: ۱۲۷۰ھ] لکھتے ہیں: والمراد بتلك الحياةِ نوعٌ من الحياةِ، غير معقول لنا، وهي فوق حياة الشهداء بكثير، وحياة نبينا ﷺ أكمل وأتم من حياة سائرهم عليهم السلام. [روح المعانی ۲۱-۲۲: ۲۹۵، بذیل تفسیر سورۃ الاحزاب ۳۳: ۴۰]

''اور اُس [قبر کی] حیات سے مراد حیات کی ایک ایسی قسم ہے جو ہماری عقل و سمجھ سے بالاتر ہے جو شہداء کی حیات سے بھی بڑھ کر ہے اور ہمارے نبی ﷺ کی حیات سارے انبیاء علیہم السلام کی حیات سے اکمل و اتم ہے۔''

شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلویؒ (۱) لکھتے ہیں:

''انبیاء علیہم السلام کو عالم برزخ میں ایک ایسی دائمی زندگی حاصل ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہونے والوں کے سوا کسی اور کو حاصل نہیں، حالانکہ وہاں [یعنی عالم برزخ] کی زندگی دنیوی زندگی کی مثل نہیں بلکہ دنیوی حیات کے احکام اور ہیں اور وہاں کی حیات کے اَحکام اور۔''

[خصائل مسلمین ترجمہ مسائل اربعین: ۱۴۳، مسئلہ ۴۰: استشفاع عند القبر]

علامہ خیرالدین نعمان بن محمود آلوسیؒ (۲) لکھتے ہیں:

فنقولُ: القولُ بحياتهم حقٌّ ثابتٌ بالأحاديث الصحيحة، فنعتقد حياتهم عليهم

---

(۱) شیخ، امام، محدث، محمد اسحاق مسند الآفاق بن محمد افضل، عمری: شاہ عبدالعزیز کے نواسے اور خلیفہ تھے۔ ۱۱۹۷ھ =۱۷۸۳ء میں پیدا ہوئے۔ اور مکہ مکرمہ میں ۱۲۶۲ھ = ۱۸۴۶ء میں فوت ہوئے۔ [نزہۃ الخواطر ۷: ۵۹-۶۰]

(۲) نعمان بن محمود بن عبداللہ، ابوالبرکات، خیرالدین، آلوسی۔ واعظ، فقیہ اور باحث تھے۔ بغداد میں ۱۲۵۲ھ = ۱۸۳۶ء کو پیدا ہوئے۔ وہیں پلے بڑھے۔ کئی شہروں میں منصب قضاء پر فائز رہے ہیں۔ کچھ عرصہ سب کچھ چھوڑ کر درس و تدریس میں منہمک ہوئے۔ کئی کتابیں لکھیں۔ ۱۳۱۷ھ = ۱۸۹۹ء کو بغداد میں وفات پائی۔

[أعلام العراق: ۵۷-۶۸، الاعلام ۸: ۴۲]

الصلاة و السلام،حیاة برزخیة،فوق حیاة الشهداءِ ، وأن نبینا ﷺ قدجعل الله عند قبره الشریف مَلَكٌ یبلغه سلام المسلمین الذین عند ضریحه المکرم و النائین عنه ، و نعتقد أن الأنبیاء جمیعهم طریون،لاتأکل الأرض أجسادهم الشریفة للأحادیث الواردة في ذلك. [جلاء العینین بمحاکمة الاحمدین:۵۲۸]

''ہم کہتے ہیں کہ اُن کی حیات حق اور صحیح احادیث سے ثابت ہے،پس ہم تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام کی حیات -جو برزخی حیات ہے- کا عقیدہ رکھتے ہیں،جو شہداء کی حیات سے برتر ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کی قبر کے ساتھ ایک فرشتہ اس کام پر لگایا ہے کہ وہ قبر سے قریب وبعید سلام پڑھنے والوں کا سلام آپ ﷺ تک پہنچاتے ہیں اور ہمارا یہ بھی عقیدہ ہے کہ تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام کے اَجسادِ مبارَکہ تروتازہ ہیں،اُن کے اَجسادِ مبارَکہ کو زمین نہیں کھاتی۔اس بارے میں کئی احادیث وارِد ہیں۔''

حیات النبی ﷺ کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر موت وارِد ہی نہیں ہوئی۔موت کا وارِد ہونا اور رسول اللہ ﷺ کا وفات پانا تو ایک معلوم و مسلَّم اور مشاہدہ میں آئی ہوئی حقیقت ہے اور رسول اللہ کے متعلق موت[یعنی مرنے] کے لفظ کا استعمال بھی بالاجماع جائز ہے بلکہ اس حیات کا مطلب حیاتِ برزخی ہے جو وفات پا جانے کے بعد عالَمِ برزخ میں انبیاءِ کرام علیہم السلام کو عطا ہوئی اور جو شہداء کو بھی عطا ہوتی ہے بلکہ ایک درجہ کی برزخی حیات تو سب ہی کو ملتی ہے کیونکہ بغیر اس حیات کے عذاب وثواب کا کوئی تصور نہیں،ہاں ہر طبقہ کی حیات اس کے درجہ اور شان کے مطابق ہوتی ہے اور چونکہ انبیاء علیہم السلام سب سے اعلیٰ واَرفع ہیں اس لیے اُن کی برزخی حیات بھی سب سے اعلیٰ،اولیٰ،اَذکی اور برتر ہے،جس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کے اَجسادِ مطہرہ بالکل جوں کے توں محفوظ رکھے جاتے ہیں اور زمین ان کو گلا نہیں سکتی۔بس یہی حقیقت ہے مسئلہ حیات النبی ﷺ کی۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے سوا تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام پر اَموات کا اِطلاق شریعت کی رو سے ممنوع نہیں،سو جیسے انبیاءِ کرام علیہم السلام پر اَحیاء کا اِطلاق درست ہے ایسے ہی اَموات کا اِطلاق

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

بھی جائز ہے البتہ حیثیت کا فرق ہے اور وہ اس اعتبار سے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے سوا تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام اس عالَمِ دنیا یعنی عالَمِ فانی سے انتقال فرما گئے ہیں اور اُن کے مبارک اجسادِ عنصری ناسوتی خاکی سے اَرواح مطہرو معطر پرواز کر گئی ہیں۔ان پر میت کا اِطلاق جائز ہے اور خصوصاً رسول اللہ ﷺ پر بالفعل میت کا اِطلاق ایسی پاکباز ہستیوں نے کیا ہے جو آپ ﷺ کے بہت بڑے جان نثار تھے اور آپ ﷺ کے ساتھ اَموات کا سا معاملہ کیا کہ آپ ﷺ کو نہلایا پھر آپ ﷺ کو تین سحولی سفید کپڑوں میں کفن دیا اور متعارف قمیص اور عمامہ آپ ﷺ کے زیب تن نہ کیا پھر آپ ﷺ کے لیے شق اور لحد میں سے لحد کو ترجیح دی جو آپ ﷺ کو پسند تھی اور آپ ﷺ پر چار تکبیروں کے ساتھ نمازِ جنازہ ادا کی البتہ جماعت نہیں کرائی گئی کیونکہ جنازہ کے لیے جماعت شرط نہیں اور اس اعتبار سے آپ ﷺ کی روح مبارک اپنے اس خاکی ناسوتی دنیاوی جسم سے نکل کر اپنے اعلیٰ اور بلند ترین مقام پر جو آپ ﷺ نے دنیوی زندگی میں رہ کر خواب میں دیکھ کر اِشتیاق ظاہر فرمایا تھا کہ مجھے اپنے گھر کو اندر سے دیکھنے دو تو فرشتوں نے عرض کی: ابھی آپ ﷺ نے کچھ مدت دنیا میں رہنا ہے پھر جب آپ ﷺ کی عالَم دنیا میں رہنے کی مدت پوری ہو جائے گی تو آپ ﷺ کا یہی مکان تیار ہے۔اب آپ ﷺ اسی مکان میں مقیم ہیں جو کھلی فضا میں ہے اور اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہیں۔کھانے پہننے اور رہنے سہنے کی کوئی فکر نہیں۔روح مبارک کا اُن کے جسد مبارک سے ایک ایسا تعلق ہے جس کی کیفیت ہم نہیں جانتے اور بقول حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم کے آپ ﷺ قبر کے پاس صلاۃ وسلام سنتے ہیں۔اُن کے اجسادِ مطہرہ کو زمین خراب نہیں کر سکتی اسی کا نام حیاتِ برزخی ہے جو سب سے اعلیٰ ہے۔

بصائر اور حیاۃ الانبیاء علیہم السلام

مولانا احمد اللہ صاحب لکھتے ہیں: أنّ الأنبياء عليهم الصلاة و السلام لهم حياةٌ جسدانيةٌ مثل حياة الدنيا كماصرح به مولاناخليل أحمد في عقائد علماءِ ديوبند.

[البصائر لمنکری التوسل باہل المقابر:۸۰]

''انبیاء علیہم السلام کو حیاتِ جسدی حاصل ہے' جیسا کہ انہیں دنیاوی زندگی میں حاصل تھی جیسا کہ مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ(۱) نے عقائد علماءِ دیوبند میں لکھا ہے۔''

ہم مولانا صاحب سے یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ آپ نے تو کتاب کے مقدمہ میں فرمایا ہے کہ میں قطعی دلائل پیش کروں گا۔ سوال یہ ہے کہ کیا علمائے دیوبند دلیل قطعی ہیں؟ محترما! یہ تو عقیدہ کی بات ہے' عقیدت کی نہیں' اس لیے اس کو کسی قطعی دلیل سے ثابت کرنا پڑے گا۔

شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صاحبؒ لکھتے ہیں: ''کتبِ عقائد میں یہ مسئلہ صراحت اور وَضاحت کے ساتھ لکھا ہوا ہے کہ عقیدہ کے اِثبات کے لیے خبرِ واحد صحیح بھی ناکافی ہے' یعنی ایسی حدیث جس کے راوی اگر چہ ثقہ ہوں لیکن اس حدیث کا شمار خبر واحد میں ہوتا ہو تو اس سے عقیدہ ثابت نہیں ہوسکتا چنانچہ شرح مواقف:۷۲۷' شرح فقہ اکبر:۶۸' مسامَرۃ ۲:۸۷اور شرح عقائد: ۱۰۱ میں ہے کہ خبر واحد اگر چہ صحت کی اُن تمام شرائط سے متصف ہو جن کا اصولِ فقہ اور حدیث میں بیان کیا گیا ہے لیکن پھر بھی اس سے ظن کا فائدہ ہی ہوسکتا ہے اور عقائد کے باب میں ظنیات کا کوئی اعتبار نہیں ہوسکتا اور حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

الأحاديث إذا كانت في مسائل عملية يكفي في الأخذ بها بعد صحتها أفادَتهاالظن' أمّاإذا كانت في العقائد فلايكفي فيهاإلّامايفيدالقطع. [فتح الباری ۸:۳۳۱]

''یعنی جن مسائل کا تعلق عمل کے ساتھ ہے اُن میں صحیح اَحادیث سے استدلال کافی ہے کیونکہ

---

(۱) خلیل احمد سہارن پوری۔ قصبہ انبیٹھ ضلع U.P کے ممتاز خاندان سے تعلق تھا۔ اپنے ننہالی قصبہ نانوتہ میں ۱۲۶۹ھ=۱۸۵۲ء کو پیدا ہوئے۔ نہایت ذکی وفطین تھے۔ اکثر کتابیں اپنے ماموں مولانا محمد یعقوب سے پڑھیں ۱۳۴۶ھ کو وفات پائی اور قبہ اہل بیت کے متصل دفن ہوئے۔ [اکابر علمائے دیوبند:۴۵-۵۱]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

اعمال کے [ثبوت کے] لیے ظنی دلائل ہی کافی ہیں لیکن جب عقائد کی باری آئے گی تو اُن میں صرف وہی حدیثیں قابلِ قبول ہوں گی جو قطع ویقین کا فائدہ دیں [یعنی: صرف متواتر حدیثیں ہوں' عام اس سے کہ تواترلفظی ہو یا معنوی' تواترِ طبقہ ہو یا تواترِ توارُث' ان میں سے ہر ایک کا انکار کفر ہے (۱)]۔"

شیخ الحدیث صاحب یہ بھی لکھتے ہیں: "قارئینِ کرام! آپ سمجھ چکے ہوں گے کہ عقیدت اور چیز ہے اور عقیدہ اور ہے۔ عقیدہ کے اِثبات کے لیے کوئی قطعی نص یا خبر متواتر وغیرہ درکار ہے' یہاں خبر واحد صحیح سے بھی گاڑی نہیں چل سکتی اور قرآن کریم کے مقابلہ میں تو خبر واحد کا پیش کرنا ہی ناجائز ہے۔" [تبریدالنواظر فی تحقیق الحاضر والناظر: ۲۴-۲۵]

ایک اور جگہ لکھتے ہیں: "ہمارے اکابر عقیدہ کو قطعی دلائل سے پیش کرتے ہیں اور قطعی دلائل یہ ہیں: قرآن کریم' خبر متواتر [عام اس کے کہ تواترلفظی ہو یا تواتر طبقہ' تواتر قدر مشترک ہو' یا تواتر توارث ان میں سے ہر ایک کا انکار ہمارے اکابر کے نزدیک کفر ہے] اور اجماعِ قطعی' ہمارا کوئی عقیدہ اِن دلائل کے بغیر کسی اور چیز پر موقوف نہیں۔" [راہِ ہدایت: ۲۰۲]

علمائے دیوبندؒ کی رائے

[۱] مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی دیوبندیؒ لکھتے ہیں:

"انبیاءِ کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی حیات شہداء کی حیات سے بھی اقویٰ واَتم [زیادہ قوی اور مکمل] ہے اور مراد اس حیات سے حیات دنیاوی ظاہری نہیں ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ' لہٰذا احکام اموات ظاہر یہ سب پر جاری ہوتے ہیں۔"

[فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مکمل مدلل ۵: ۲۶۹' کتاب الجنائز' فصل سادس: قبر' دفن اور ان کے متعلقات' سوال: ۳۰۴۶]

انہوں نے یہ بھی لکھا: "اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ جو کہ مسلَّم ہے' پھر اسی حیاتِ روحانی میں درجات انبیاء علیہم السلام کی حیات قوی تر ہے' اس کے بعد شہداء کی' پھر جملہ مؤمنین ومؤمنات کی

---

(۱) یہ عبارت مجھے فتح الباری میں نہ مل سکی۔

درجہ بدرجہ اور نصوص انبیاء علیہم السلام اور شہداء کی حیات میں وارد ہے۔"

[فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مکمل مدلل ۵: ۳۱۹، کتاب الجنائز، فصل دسویں: احکامِ شہید، سوال: ۳۲۲۱]

مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلویؒ (۱) نے لکھا کہ:

"انبیاءِ کرام صلواتُ اللہ علیہم اجمعین اپنی قبور میں زندہ ہیں مگر اُن کی زندگی دنیاوی زندگی نہیں ہے بلکہ برزخی اور تمام دوسرے لوگوں کی زندگی سے ممتاز ہے، اسی طرح شہداء کی زندگی بھی برزخی ہے اور انبیاء کی زندگی سے نیچے درجے کی ہے۔ دنیا کے اعتبار سے تو وہ سب اموات میں داخل ہیں: اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ اس کی صریح دلیل ہے۔" [کفایت المفتی ۱: ۸۰، سوال: ۷۱]

یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ: **"ہاں! انبیاء علیہم السلام کو حضرت حق تعالیٰ نے ایک مخصوص اور ممتاز حیات عطا فرمائی ہے جو شہداء کی حیات سے ممتاز ہے اور شہداء کو ایک حیات عطا ہوئی ہے جو اَولیاء کی حیات سے امتیاز رکھتی ہے مگر یہ زندگیاں دنیا کی زندگی سے علیحدہ ہیں کیونکہ دنیا کی زندگی کے لوازِم ان میں نہیں پائے جاتے۔"** [کفایت المفتی ۱: ۸۸، سوال: ۶۹]

یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ: **"جماہیر امتِ محمدیہ کا یہ قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ قبر اَطہر میں حیاتِ مخصوص کے ساتھ حیات ہیں۔ باقی یہ بات کہ اس حیات کی حقیقت کیا ہے؟ یہ حضرت حق تعالیٰ کو ہی معلوم ہے۔"** [کفایت المفتی ۱: ۱۰۲، سوال: ۹۰]

[۳] مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ (۱) لکھتے ہیں: **"انبیاء علیہم السلام کی حیات بعد الموت حیات**

---

(۱) کفایت اللہ بن شیخ عنایت اللہ۔ ۱۲۹۲ھ = ۱۸۷۵ء کو شاہجہان پور [روہیل کھنڈ یوپی] میں پیدا ہوئے۔ آپ کے آباء واجداد کا اصل وطن سرزمین عرب کا جنوبی ساحل یمن ہے۔ ابتدائی تعلیم شاہجہان پور میں حاصل کی پھر دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ مدرسہ امینیہ دہلی میں علمی خدمات سرانجام دیں۔ ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ = ۳۱ دسمبر ۱۹۵۲ء کو وفات پاگئے۔ [شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا ۲: ۱۳۸۳-۱۳۸۴]

(۲) ظفر احمد بن شیخ لطف اللہ عثمانی۔ اُن کی والدہ ماجدہ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی حقیقی بہن تھیں۔ ۱۸۹۰ کو ہند میں پیدا ہوئے۔ تھانہ بھون، دیوبند اور کانپور کے مختلف علماء سے کسب فیض کیا۔ ڈھاکہ یونیورسٹی میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے ہیں۔ پاکستان بننے پر اُنہوں نے مشرقی پاکستان میں جھنڈا لہرایا۔ ۱۹۵۴ء میں ڈھاکہ سے ٹنڈو الہ یار میں آگئے جہاں ۱۹۷۴ء کو وفات پائی۔ [انسائیکلوپیڈیا مسلم شخصیات: ۳۷۷]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

برزخیہ ہے جو دوسری اَموات کی حیاتِ برزخیہ سے اَقویٰ واشد ہے اور جو شخص رسول اللہ ﷺ کی یا سب انبیاء کی موت دنیوی کا انکار کرے وہ گمراہ ہے قال اللّٰہ تعالیٰ: اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ فسوّی بینھم و بینه في الموت فعُلِمَ أنَّ موت الكل سواء۔"

[امداد الاحکام ۱: ۳۴۲، کتاب السیر والمناقب]

علماء کا حیاتِ انبیاء کو حیاتِ شہداء کی طرح بلکہ اس سے اعلیٰ، ارفع اور ابلغ بتانا ہی حیاتِ برزخی کا ثبوت ہے کیونکہ مشبَّہ ومشبَّہ بہ میں وجہِ شِبہ کا دونوں میں جامع ہونا ضروری ہے اور وہ یہاں ہے حیاتِ حقیقی روحانی، تو مطلب یہ ہوا کہ جیسے حیاتِ شہداء حقیقی روحانی ہے، جیسا کہ مفسرین نے نص فرمائی ہے ایسے ہی حیاتِ انبیاء بھی حقیقی روحانی ہے بلکہ روحانیت میں شہداء سے انبیاء بڑھ کر ہیں جیسے دنیا میں انبیاء علیہم السلام کی روحانیت سب سے فائق تھی۔

جو لوگ آپ ﷺ کی حیات کو "دنیا کی سی" کہتے ہیں ان کا اصل مطلب یہ ہے کہ جس طرح دنیا میں آپ ﷺ کی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف رہتی تھی اسی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر عالَم برزخ میں وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ متعلق اور اُس کی حمد وثنا میں مشغول رہتے ہیں، غرض اُن کی برزخی زندگی کو انہیں کی اپنی دنیا کی زندگی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اس لیے اُن کی برزخی زندگی کو عام دنیوی زندگی سے تشبیہ دینا کسی طرح صحیح نہ ہوگا۔

قائلین حیاتِ دنیوی

[۱] قرونِ وُسطیٰ میں کرامیہ(۱) اور معطلہ نے یہ مسئلہ کھڑا کر دیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنی دنیوی

---

(۱) صوفی محمد بن کرام بن عراق بن حُوابہ بن براء ابوعبداللہ بجستانی کے پیروکار جو ابراہیم بن یوسف بلخی، عبداللہ ابن مالک بن سلیمان ہروی اور احمد بن عبداللہ جو یباری کا شاگرد تھا، اس کے بدعی عقائد یہ ہیں:
- معرفتِ قلبی کے بغیر بھی کوئی شخص مؤمن ہوتا ہے۔
- صرف زبانی ایمان سے بھی کوئی شخص مؤمن، ولی اللہ اور جنتی ہوتا ہے اگر چہ وہ دل میں کافر ہو۔
- اللہ تعالیٰ جسم رکھتا ہے۔

اُس نے ملکِ شام میں ۲۵۵ھ کو وفات پائی۔ [تاریخ اسلام، حافظ ذہبی ۱۹: ۳۱۰–۳۱۵، ترجمہ: ۴۸۲]

محمد بن کرام کے بارے میں حافظ ابن حبان نے امام عثمان بن سعید دارمی کے حوالے سے لکھا ہے کہ: میں بجستان کے والی ابراہیم بن حصین کی مجلس میں تھا کہ ایک طویل القامت شخص اندر داخل ہوا، جس کا لباس خستہ تھا، کسی نے کہا: یہ محمد بن کرام ہے۔ ابراہیم بن حصین نے اس سے پوچھا: تو کبھی اساتذہ کی مجلس میں گیا ہے؟ اُس نے نفی میں جواب دیا۔ والی نے پھر سوال کیا: عثمان بن عفان بجستانی کی مجلس میں گئے ہو؟ اُس نے کہا: نہیں! والی نے پوچھا: یہ علم جو تم کہتے ہو، کہاں سے تمہیں ملا ہے؟ اُس نے کہا: یہ نور مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ودیعت ہوئی ہے۔ والی نے پھر پوچھا: "تم تشہد سنا سکتے ہو؟ اُس نے پوچھا: تشہد کیا ہے؟ اُس نے کہا: نماز میں بحالت قعدہ کیا پڑھتے ہو، اُس نے تشہد کو اس طرح پڑھا: التَّہِیَّاتُ[التَّحیاتُ] للّٰہ والسَّلواتُ[الصلواتُ] والتِّیاتُ [الطینتُ] السلامُ آلَیکَ [علیك] أیھاالنبي ورحمة اللّٰه وبركاته' السلامُ آلَینا[عَلینا] وآلا اِبادِ[علی عباد] اللّٰه السَّالحین[الصالحین] 'اَشوَدُ [أشھدُ] أن لا إله إلّا اللّٰه وأشودُ [أشھدُ] أنَّ مھمَّداً[محمداً] اَبدُكَ[عبده] ورسوللث[ورسوله]. [المجروحین ۲: ۳۲۷، تاریخ الاسلام ۱۹: ۳۱۳]

اس شخص کے بارے میں حافظ ابن حبان اور حافظ ذہبی نے لکھا ہے: و كان يزعمُ أن النبي لم يكن بحجة للّٰه علی خلقه' إن الحجة لاتندرسُ ولاتموتُ. [المجروحین ۲: ۳۲۷، تاریخ الاسلام ۱۹: ۳۱۳]

......"رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کے لیے حجت نہیں تھے، اس لیے کہ حجت نہ تو پرانی ہو جاتی ہے اور نہ مرتی ہے۔"

ایسا لگتا ہے کہ یہ فقرات اُس کی جواب میں ہوں: "اور پھر جس وجود کی سیرت وحیات قیامت تک کے لیے اس طرح محفوظ و ثبت کر دی گئی ہو، علاوہ اُن نقوشِ غیر فانی کے جو صفحہ عالم پر ثبت ہیں اور جس کی زندگی کے وقائعِ طیبہ کو اس طرح سورج کی دائمی روشنی اور ستاروں کی یکساں سیر و حرکت کے دامن سے باندھ دیا ہو کیوں نہ اس خاکدانِ جسم و زمان میں اُس کی موت وحیات یکساں ہو؟ اور کیوں اس کی دائمی حیات و قیام کے عقیدہ سے انسان کے تاریک دلوں کو انکار اور غافل روحوں کو گریز ہو۔" [تذکرہ، مولانا ابوالکلام آزاد: ۲۰۸]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

زندگی میں تو واقعی برحق نبی و رسول تھے مگر بعد از وفات اب بھی رسول و نبی ہیں یا آپ ﷺ کی وفات کے ساتھ آپ ﷺ سے رسالت و نبوت کی صفت بھی زائل ہو گئی' چنانچہ فرقہ کرامیہ کا عقیدہ تھا کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کی وفات کے ساتھ ہی اُن کی وصفِ نبوت - وَالْعَيَاذُ بِاللّٰهِ - زائل ہو جاتی ہے' انہوں نے دعویٰ کیا کہ نبوت ایک عرض ہے اور اَعراض قائم بالغیر ہوتے ہیں اور عرض جس چیز کے ساتھ قائم ہے اس چیز کے جاتے رہنے سے عرض بھی جاتا رہتا ہے۔

لیکن ان لوگوں کی یہ بات جڑ مول ہی سے غلط ہے اس لیے کہ اہل اسلام کے نزدیک نبوت ایک صفت و نعمت ہے جو وفات سے زائل نہیں ہوتی' اس کے کئی شواہد ہیں:

-۱: روزِ میثاق میں اللہ تعالیٰ نے انبیاءِ کرام سے عہد لیا تھا جس کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے:
وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ. [سورۃ آل عمران ۳:۸۱] ''اور جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا تھا۔''
اور یہ عالَم ارواح کی بات ہے' جب کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کی صرف اَرواح تھیں۔ اَجسادِ عنصریہ بنے ہی نہ تھے' اُس وقت ہی اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام کو نبوت کی عالی شان صفت کے ساتھ متصف فرمایا۔ معلوم ہوا کہ درحقیقت نبوت روح کی صفت ہے۔ روح مع الجسد ہی کی نہیں۔

-۲: رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: كُنْتُ نَبِيًّا وَآدَمُ بَيْنَ الرُّوحِ وَالْجَسَدِ.

[مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۰: ۲۳۱' حدیث: ۳۷۷۰۸]

''میں اُس وقت بھی نبی تھا جب کہ [سیدنا] آدم [علیہ السلام] روح اور جسد کے درمیان تھے۔''
یعنی اُس وقت فرشتوں کو آپ ﷺ کی نبوت سے بشارت دی گئی تھی' جس سے معلوم ہوا کہ نبوت دراصل روح کی صفت ہے' روح مع الجسد ہی کی نہیں' کیونکہ آپ ﷺ کا جسدِ عنصری اُس وقت بنا ہی نہ تھا۔

-۳: جب رسول اکرم ﷺ کی وفات ہوئی تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پیشانی مبارک پر بوسہ دیتے ہوئے فرمایا: بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي يَانَبِيَّ اللّٰهِ لَا يَجْمَعُ اللّٰهُ عَلَيْكَ مَوْتَتَيْنِ' أَمَّا الْمَوْتَةُ الَّتِي كُتِبَتْ عَلَيْكَ فَقَدْ مُتَّهَا. [صحیح بخاری' کتاب الجنائز [۲۳] باب الدخول على الميت إذا أُدرِجَ في

أكفانه[۳] حديث:۱۲۴۲]

''اللہ کے نبی! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں کبھی جمع نہیں کریں گے۔ آپ کے لیے جو[طبعی] موت مقدر تھی، وہ وارِد ہو چکی ہے۔''

موت واقع ہونے کے بعد بھی سیدنا صدیق اکبرؓ انہیں یا نبی اللہ! کہہ کر مخاطِب ہوتے ہیں۔ جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ موت سے وصفِ رسالت جدا نہیں ہوئی۔

۴:- جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو چکی تھی اس کے بعد دفن کرنے تک چھ سات نمازوں کا وقت گزرا۔ صحابہ کرام نے فرض، واجب، سنت اور مستحب[تہجد وغیرہ] نمازیں پڑھیں، ان میں ہر قعدہ میں تشہد پڑھتے وقت اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ اور أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ وجوبی طور پر پڑھتے رہے اور آپ ﷺ کی صفتِ نبوت و رسالت کا اقرار کرتے رہے حالانکہ تمام امت کا اجماع ہے کہ دفن سے پہلے آپ ﷺ کے جسدِ عنصری میں روح مبارک واپس نہیں آئی تھی اور اس بات پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ آپ ﷺ اُس وقت میت تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وأشدُّ مافيه إشكالاً قول أبي بكرؓ:لايجمع اللهعليك موتتين، و عنه أجوبةٌ، فقيل: هوعلى حقيقته، وأشاربذلك إلى الرد على مَن زعم أنه ﷺ سيُحيا فيقطع أيدي رجال لأنه لوصح ذلك للزم أن يموت موتةً أخرى، فأخبرأنهﷺ أكرم على الله من أن يجمع عليه موتتين كما جمعها على غيره كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْامِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ، و كَالَّذِىْ مَرَّ عَلَى قَرْيَةٍ، وهذاأوضح الأجوبة و أسلمها.[فتح الباری ۳:۱۱۴]

''اس روایت میں سیدنا ابو بکرؓ کا قول: ''اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں کبھی جمع نہیں کریں گے۔'' نہایت مشکل ہے۔ محدثین نے اس کئی جواب دیے ہیں جن میں سب سے واضح اور زیادہ درست جواب یہ ہے کہ اُن کا یہ ارشاد حقیقت پرمبنی ہے، جس میں اُنہوں نے اُس شخص کا جواب دینے کی طرف اشارہ کیا تھا جس کا خیال تھا کہ رسول اکرم ﷺ دوبارہ زندہ ہو کر مجرموں کے ہاتھ کاٹ ڈالیں گے، اس لیے کہ اگر اس شخص کی بات درست تسلیم کی گئی تو پھر اُنہیں تیسری بار بھی موت

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

چکھنا پڑے گا۔ آپ ﷺ نے تنبیہ فرمائی کہ جس طرح بعض دوسرے لوگوں کو دوبار موت دی گئی۔ رسول اللہ ﷺ کو ایسی موت نہیں دی گئی ہے، جیسا کہ وہ لوگ جو ہزاروں کی تعداد میں اپنے گھروں سے نکل گئے تھے، یا وہ شخص جو کسی بستی کے قریب سے گزر رہا تھا اور اسے موت دے کر سو سال بعد اسے پھر زندگی دی گئی۔“

-۵: اس دوران مسجدوں میں اذانیں بھی دی جارہی تھیں اور صحابہ کرام ﷺ کلماتِ اذان سن کر اُن کا جواب بھی دیتے رہے، جس میں یہ شہادت بھی ہے: أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰهِ، اسی طرح اِقامت بھی ہوتی رہی، جس میں بھی أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہا جاتا رہا اور سننے والے جواب میں حسبِ دستور أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہتے۔ اگر وفات [یعنی انبیاءِ کرام علیہم السلام کے جسدِ عنصری سے روح مبارک کی مفارقت] کے بعد نَعُوْذُ بِاللّٰهِ نبوت و رسالت کی صفت زائل ہوگئی تھی تو اَذانوں، اِقامتوں اور تشہد وغیرہ میں اقرار و شہادتِ رسالت نَعُوْذُ بِاللّٰهِ ایک لغو اور خلافِ واقع امر ہوتا۔

دراصل صحابہ کرام ﷺ نے اپنے عمل سے ہمیں یہ مسئلہ سمجھا دیا کہ نبی کی موت سے نبوت و رسالت کی صفت نبی سے زائل نہیں ہوتی۔ نبی بدستور نبی ہی رہتے ہیں اور خود نبی و رسول کے اَلفاظ کی ساخت بتا رہی ہے کہ یہ دونوں صفتیں لازمِ ذات ہیں جو کسی عارِضہ سے جدا نہیں ہو سکتیں کیونکہ یہ دونوں صفتِ مشبہ کے صیغے ہیں۔

[۲] حافظ ابن حزمؒ لکھتے ہیں: حدث فرقةٌ مبتدعةٌ تزعم أن محمد بن عبد الله بن عبدالمطلب ﷺ ليس هو الآن رسول الله ولكنه كان رسول الله، وهذا قولٌ ذهب إليه الأشعرية، وأخبرني سليمان بن خلف الباجي -وهو من مقدميهم اليوم- أنّ محمد بن الحسن بن فورك الأصبهاني على هذه المسئلة قتله بالسم محمود بن سبكتگين ما دون من وراء النهر من خراسان. قال أبو محمد: وهذه مقالةٌ خبيثةٌ مخالفةٌ للّٰه تعالى و لرسوله ﷺ ولما أجمع عليه جميع أهل الإسلام مُذ كان الإسلام إلى يوم القيامة وإنما حملهم على هذا قولهم الفاسد: أن الروح عرض، والعرض يفني أبداً ويحدث

ولا يبقي وقتين،فروح النبي ﷺعندهم قد فنيت و بطلت،ولاروح له الآن عندالله تعالى وأمـا جسده في قبره مواتٌ فبطلت نبوته بذلك ورسالته.قال أبو محمد: و نعوذ بالله من هذاالقول فإنه كفرٌصراحٌ ' لا تَرَدَادَ فيه .[الفصل فی الملل والاہواءوالنحل ا:۸۸-۸۹]

''ایک نیا فرقہ پیدا ہوا ہے،جس کا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ اب رسول اللہ نہیں رہے بلکہ آپ ﷺ رسول اللہ تھے۔اشعریہ نے بھی یہی عقیدہ اختیار کیا ہے۔مجھے سلمان بن خلف باجی نے-جو اِن کے بڑے لوگوں میں سے ہیں-بتایا کہ محمد بن حسن بن فورک اصبہانی[وفات:۴۰٦ھ] کا یہی عقیدہ تھا جس کو محمود بن سبکتگین نے ماوراء النہر کے خراسان میں زہر دے کر قتل کیا تھا،ابو محمد[حافظ ابن حزم] کہتا ہے:یہ خبیث قول اللہ تعالیٰ،اس کے رسول ﷺ اور عصر اول کے مسلمانوں سے لے کر قیامت تک کے مسلمانوں کے اجماع کے خلاف ہے،ان کا یہ فاسد قول اس نظریہ پر مبنی ہے کہ روح عرض ہے،جو فنا ہوتی ہے،کبھی پیدا ہوتی ہے لیکن معمولی وقت کے لیے بھی نہیں ٹھہرتی،پس اُن کے خیال میں نبی اکرم ﷺ کی روح مبارک فنا ہو کر باطل ہوگئی اور اب اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ ﷺ کی کوئی روح نہیں اور آپ کا جسد مبارک قبر میں مردہ ہے اس لیے آپ ﷺ کی نبوت ورسالت جاتی رہی،ابو محمد[حافظ ابن حزم] کہتا ہے:ہم اللہ تعالیٰ کے ہاں اس قول سے پناہ چاہتے ہیں اس لیے کہ یہ صراحۃً کفر ہے،اس میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ نہیں۔''

حافظ ذہبیؒ نے بھی حافظ ابن فورکؒ کے بارے میں لکھا ہے: كان يقول:انّ روح رسول الله ﷺ قد بطلت،وتلاشت،وماهي في الجنة.[سیر اعلام النبلاء ۱۷:۲۱٦]

''رسول اللہ ﷺ کی روح پُرفتوح-والعیاذباللہ تعالی-وفات پا جانے کے بعد باطل اور معدوم ہو گئی،اور اُن کی روح جنت میں نہیں گئی۔''

مؤرخ ابن تغری بردیؒ[1] حافظ ابن فورکؒ کے بارے میں لکھتے ہیں:كان رجلاًصالحاً،سمع

---

(۱) یوسف بن تغری بردی بن عبداللہ الظاہری الحنفی ابوالمحاسن جمال الدین،قاہرہ میں ۸۱۳ھ=۱۴۱۰ء کو پیدا ہوئے۔ان کے والد رقوق کے ممالیک الظاہر میں سے تھے۔جلال الدین بلقینی کے شاگرد رہے ہیں۔۸۷۴ھ= ۱۴۷۰ء کو قاہرہ میں وفات پائی۔[الضوء اللامع ۱۰:۳۰۵،الاعلام ۸:۲۲۳]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

الحديث'و روى عنه أبوبكرالبيهقي وأبوالقاسم القشيري وغيرهما' قتله محمود بن سبكتكين بالسم لكونه قال: كان رسول اللهﷺ رسولاً في حياته فقط ' وأنّ روحه قد بطل وتلاشى 'وليس هوفي الجنة عندالله تعالى[يعني:روحه]ﷺ.

[النجوم الزاہرۃ فی ملوک مصروالقاہرۃ ۴: ۲۴۰؛ وقائع: ۳۰۶]

''نیک شخص تھے' حدیث کی تعلیم حاصل کی ہے۔ امام ابوبکر بیہقیؒ اور ابوالقاسم قشیریؒ نے اُن سے حدیث کی روایت کی ہے۔ محمود بن سبکتگین نے اُنہیں زہر دے کر قتل کروایا تھا اس لیے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ -نَعُوْذُ بِاللّٰہِ- رسول اللہ ﷺ زندگی ہی میں رسول تھے اور وفات پا جانے کے بعد آپ ﷺ کی روح باطل اور معدوم ہوگئی اور آپ کی روح جنت میں نہیں گئی۔''

مؤرخ تاج الدین السبکیؒ [وفات: ۷۷۱ھ] لکھتے ہیں: كان شديدالرد على أبي عبدالله بن كرام'وأذكرأن سبب ماحصل له من المحنة من شغب أصحاب ابن كرام وشيعتهم المجسمة. [طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۴: ۱۳۰؛ ترجمہ: ۳۱۶]

''آپ عبداللہ بن ابی کرام کی نہایت شدت کے ساتھ مخالفت کرتے تھے' اس لیے میرا خیال ہے کہ ابن کرام کے ساتھیوں اور مجسمہ نے اُنہیں اذیت اور تکلیف دی' جس کا میں بعد میں ذکر کروں گا۔''

آگے لکھتے ہیں: اُنہیں سلطان کے سامنے پیش کیا گیا تو سلطان نے اُن سے اس بارے میں پوچھا جس کے جواب میں اُنہوں نے: كذّبَ الناقل'وقال:ماهومعتقد الأشاعرة على الإطلاق: أن نبيناﷺ حيٌّ في قبره'رسول الله أبدالآباد على الحقيقة'لاالمجاز'وأنه كان نبيًا و آدم بين الماء والطين ولم تبرح نبوته باقيةً'ولاتزال'وعندذلك وضح للسلطان الأمر' وأمربإعزازه'وإكرامه ورجوعه إلى وطنه'فلماأيست الكرامية'وعلمت أن ماوَشَت به لم يَتِمّ'وأن حيَلها ومكائدها قد وهَتْ'عدلتْ إلى السعي في موته'والراحة مِن تعبه' فسلّطوا عليه مَن سَمّهُ'فمضى حميدًا شهيدًا. [طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۴: ۱۳۱]

''اس قول کو اپنی طرف منسوب کرنے والے کو جھٹلایا اور فرمایا کہ یہ سب اَشاعرہ کا مسلک نہیں ہے

بلکہ اَشاعرہ کا مسلک یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور ہمیشہ کے لیے حقیقی طور پر رسول اللہ ہیں، نہ کہ مجازی طور پر، اور جب سیدنا آدم علیہ السلام پانی اور گیلی مٹی کے درمیان تھے اُس وقت سے آپ ﷺ رسول اللہ ہیں اور آپ ﷺ کی نبوت ہمیشہ کے لیے باقی اور جاری وساری ہے جب سلطان کو حقیقتِ حال کا علم ہوگیا تو اُن کا اعزاز و اِکرام کیا اور اُنہیں وطن واپس جانے کی اجازت دے دی۔ کرامیہ کو جب اس صورتِ حال کا علم ہوگیا کہ اُن کی چغلی کھانی سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوا اور اُن کے مکروفریب کا وار خالی چلا تو انہوں نے اُن سے جان چھڑانے کے لیے اُن کے پیچھے ایسے لوگ لگا دیے جنہوں نے اُنہیں زہر دے کر شہید کروالیا۔" 12

حافظ ابن قیمؒ نے امام ابوالحسن اشعریؒ (۱) کا نام لے کر لکھا ہے: وهذا القول في النبوة بناء على

---

(۱) علامہ تاج الدین سبکیؒ [وفات: ۷۷۱ھ] لکھتے ہیں: إنكار الرسالة بعد الموت معزوة إلى الأشعري، وهي من الكذب عليه. [طبقات الشافعية الكبرىٰ ۳: ۳۸۴]

"اشعریؒ کی طرف یہ بات منسوب کی گئی ہے کہ وفات کے بعد رسالت باقی نہیں رہی، لیکن یہ نسبت جھوٹی ہے۔"

اور امام قشیری کی کتاب شكاية أهل السنة کے حوالے سے لکھتے ہیں: فأمّا ما حكي عنه وأصحابه أنهم يقولون: إنّ محمداً ﷺ ليس بنبي في قبره، ولا رسولٍ بعد موته، فبهتانٌ عظيمٌ، وكذبٌ محضٌ، لم ينطق منهم أحدٌ، ولا سُمعَ في مجلس مناظرةٍ عنهم، ولا وُجِدَ ذلك في كتاب لهم، وكيف يصح ذلك وعندهم محمد ﷺ حيٌّ في قبره؟ [طبقات الشافعية الكبرىٰ ۳: ۴۰۶]

"امام ابوالحسن اشعریؒ کی طرف یہ بات جو منسوب ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی وفات کے بعد اپنی قبر میں رسول اور نبی نہیں رہے، سو یہ اُن پر ایک بہتانِ عظیم باندھی گئی ہے اور یہ خالص جھوٹ ہے، جو ہرگز آپ نے نہیں کہا، نہ اُن سے کسی مناظرہ کی مجلس میں سنا گیا اور نہ اُن میں سے کسی کی کتاب میں پایا گیا ہے، اور یہ بات کیونکر درست ہوسکتی ہے جب کہ اُن کے نزدیک رسول اللہ ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں۔"

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں: قلتُ: وأمّا ما نُسِبَ إلى الإمام الأشعري إمام أهل السنة والجماعة من إنكار ثبوتها بعد الموت فهو افتراءٌ و بهتانٌ، والمصرَّحُ به في كتبه وكتب أصحابه خلاف ما نسب إليه بعض أعدائه، لأنّ الأنبياء عليهم الصلاة والسلام أحياءٌ في قبورهم. [ردالمحتار ۳: ۲۵۹]

"میں کہتا ہوں کہ امام اہلِ سنت و جماعت امام اَشعریؒ کی طرف جو اس [رسالت] کا انکار موت کے بعد منسوب ہے، وہ اِفتراء اور بہتان ہے۔ اُن کی اور اَشاعرہ کی کتابوں میں اس بات کے خلاف تصریح پائی جاتی ہے جو اُن کے دشمنوں نے اُن کی طرف منسوب کردیا ہے، اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔" ......

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

أصل الجهمية و أفراخهم:أنَّ الروح عرضٌ من أعراض البدن كالحياة،وصفات الحي مشروطةٌ بها،فإذازالت بالموت تبعتها صفاته فزالت بزوالها،ونَجَا متأخِروهم من هذا الإلزام و فَرُّوا إلى القول بحياة الأنبياء عليهم السلام في قبورهم ، فجعلوا لهم معاداً يختصُّ بهم قبل المعادالأكبر،إذ لم يمكنهم التصريح بأنهم لم يذوقواالموت.

[اجتماع الجیوش الاسلامیہ:۱۱۱]

...... میرا ذاتی خیال ہے کہ چونکہ امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ کسی زمانے میں بدعتی تھے،ممکن ہے ان کا یہ عقیدہ اُس زمانے کی ہو،جس سے بعد میں آپ نے رجوع کرلیا ہو،چنانچہ علامہ مقریزی لکھتے ہیں:و كان أبو الحسن علي بن إسماعيل الأشعري قد أخذعن أبي علي محمدبن عبدالوهاب الجبائي،ولازَمه عدة أعوام ثم بدا له فترك مذهب الإعتزال.[الخطط المقریزیۃ۴:۱۹۱]

"امام ابوالحسن اشعریؒ کئی سال تک امام جبائی معتزلی کے پاس رہے ہیں،اور پھر اعتزال سے الگ ہو گئے۔"

علامہ تاج الدین سبکیؒ لکھتے ہیں:أقام على الإعتزال أربعين سنةً،حتى صارللمعتزلة إماماً،فلماأرادالله لِنَصر دينه وشرحَ صدره لإتباع الحق ، غاب عن الناس في بيته خمسة عشر يوماً ، ثم خرج إلى الجامع وصعدالمنبر وقال:معاشرالناس!إنما تَغَيَّبتُ عنكم هذه المدة لأني نظرتُ فتكافأتُ عندي الأدلة،ولـم يتـرجَّـح عندي شيئ على شيئ فاستهديتُ الله تعالى فهداني إلى إعتقاد ما أودعتُه في كتبي هذه،وانخلعتُ من جميع ما كنتُ أعتقده،كماانخلعتُ من ثوبي هذا،وانخلع من ثوبٍ كان عليه ورمَى به،ودفع الكتب التي ألَّفها على مذهب أهل السنة إلى الناس.

[طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۳:۳۴۷-۳۴۸]

"چالیس سال تک معتزلی رہے یہاں تک کہ معتزلہ کے امام بنے اور جب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ وہ اس کے دین کا معاون بنے اور حق کی پیروی کے لیے اُس کا سینہ کھول دے تو آپ پندرہ دن تک لوگوں سے اپنے گھر میں الگ تھلگ رہے،پھر جامع میں آ کر منبر پر بیٹھ گئے اور فرمایا:لوگو!میں اتنی مدت تم سے غائب رہا،میں نے دلائل کا موازنہ کیا،جو میرے نزدیک ایک دوسرے کے برابر رہے اور میں کسی دلیل کو ترجیح نہ دے سکا،میں نے اللہ تعالیٰ سے ہدایت کی راہ دکھانے کی دعاء کی،اُس نے مجھے اُس حق کی طرف ہدایت کی جو میں نے اپنی اِن کتابوں میں لکھا ہے اور اپنے سابقہ سارے عقائد سے اس طرح باہر نکلتا ہوں جس طرح میں نے اپنا یہ لباس اُتار لیا اور اس کے ساتھ ہی اپنی قمیص اُتاری،اسے دور پھینکا اور جو کتابیں اہل سنت و جماعت کے عقیدہ کے مطابق لکھی تھیں،وہ لوگوں کے حوالہ کیں۔"

"نبوت سے متعلق ان کا یہ قول جہمیہ اور اُن کے چیلوں کے اصول پر مبنی ہے کہ روح بدن کے دوسرے اَعراض کی طرح ایک عرض ہے، جیسے کہ حیات بھی [ایک عرض ہے] اور زندہ کی صفات زندگی ہی سے مشروط ہیں، جب وہ [زندگی] موت سے زائل ہوگئی تو اس کی ساری صفات خود بخود زائل ہوگئیں۔ اُن کے متاخرین نے اس الزام سے خود کو بچانے کے لیے قبروں میں انبیاءِ کرام علیہم السلام کا قول تو کر دیا لیکن اُنہوں نے معادِ اکبر سے قبل اُن [انبیاءِ کرام علیہم السلام] کے ساتھ مخصوص معاد کا قول کر لیا کیونکہ اُن کے لیے یہ ممکن نہیں رہا کہ وہ انبیاءِ کرام علیہم السلام پر موت نہ آنے کی تصریح کریں۔"

علامہ سید محمود آلوسیؒ لکھتے ہیں: وبقاءُ النبوةِ والرسالة بعدالموت في حقهﷺ وحق غيره من الأنبياء والمرسلين حقيقة بما ذهب إليه غيرواحد، فإنَّ المتصف بهما وكذا بالإيمان هو الروح، وهي باقيةٌ، لاتَتَغيَّرُ بموتِ البدن، نعم ذهب الأشعري كما قال النسفي: إلى أنهما بعدالموت باقيان حكماً. [روح المعانی ۲۱-۲۲: ۲۹۱]

"نبی اکرم ﷺ اور آپ کے ماسوا تمام نبیوں اور رسولوں کی وفات کے بعد اُن کی نبوت و رسالت کا حقیقةً باقی رہنا اور ان اَوصاف کا ان سے زائل نہ ہونا ان امور میں سے ہے جن کی طرف اِکا دُکا نہیں بلکہ کثیر علماء گئے ہیں جس کی دلیل یہ ہے کہ نبوت و رسالت اور ایمان دراصل روح کی صفتیں ہیں اور روح ہمیشہ رہتی ہے جو بدن کی موت کے بعد اصلاً تغیر پذیر نہیں ہوتی، البتہ علامہ نسفی کے قول کے مطابق امام ابوالحسن اَشعری اس طرف گئے ہیں کہ انبیاء و رسل کی وفات کے بعد نبوت و رسالت حکمی ہوتی ہے [مگر یہ حکم صحیح نہیں]۔"

حافظ ابن قیمؒ فصل في الكلام في حياة الأنبياء في قبورهم کے تحت لکھتے ہیں:

قَالَ الرَّسُوْلُ بِقَبْرِهٖ حَيٌّ كَمَا قَدْ كَانَ فَوْقَ الْأَرْضِ وَالرُّجْمَانِ
مِنْ فَوْقِهٖ أَطْبَاقُ ذَاكَ التُّرْبِ وَاللَّـ بِنَاتُ قَدْ عُرِضَتْ عَلَى الْجُدْرَانِ
لَوْكَانَ حَيًّا فِي الضَّرِيْحِ حَيَاتُهٗ قَبْلَ الْمَمَاتِ بِغَيْرِ مَا فُرْقَانِ
مَاكَانَ تَحْتَ الْاَرْضِ بَلْ مِنْ فَوْ......قِهَا وَاللّٰهِ هٰذِىْ سُنَّةُ الرَّحْمٰنِ

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

أَتراهُ تَحتَ الأَرضِ حَيّاً ثُمَّ لَا يُفتِيهِم بِشَرائِعِ الإِيمَانِ ؟
وَيُرِيحُ أُمَّتَهُ مِنَ الآراءِ وَالخُلْ...... فِي العَظِيمِ وَسَائِرِ البُهتَانِ
أَمْ كَانَ حَيّاً عَاجِزاً عَنْ نُطقِهِ وَعَنِ الجَوَابِ لِسَائِلٍ لَهْفَانِ
وَعَنِ الحِرَاكِ فَمَا الحَيَاةُ اللَّاتُ قَدْ أَثبَتُّمُوهَا أَوضِحُوا بِبَيَانِ

[الكافية الشافية فی الإنتصار للفرقة الناجية'المعروف بالقصيدة النونية: ۱٤۰]

''معطلہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی قبر مبارک میں اس طرح زندہ ہیں، جس طرح کی حیات آپ ﷺ کو زمین کے اوپر حاصل تھی اور [اس حالت میں] وہاں آپ ﷺ کے اوپر مٹی ڈالی گئی اور اینٹیں قبر کی دیواروں کو لگائی گئیں۔ نبی اکرم ﷺ قبر میں اسی طرح زندہ ہوتے جس طرح دنیا میں وفات سے پہلے زندہ تھے تو قبر کی بجائے زمین کے اوپر زندہ رہتے۔ اللہ کی قسم! اللہ رحمٰن کا طریقہ یہی ہے۔ ذرا اتنا تو سوچ اور خیال کر کہ اگر آپ قبر شریف میں [دنیاوی طرح] زندہ موجود ہیں تو پھر مسائل ایمان کے فتاوے کیوں نہیں دے رہے؟ اُن کی امت آئے دن فتنوں اور اختلافات کا شکار ہے مگر آپ ﷺ خاموش ہیں۔ کیا آپ ﷺ کو [والعیاذ باللہ' خاکم بدہن] بولنے اور جواب دینے سے عاجز ہیں؟ اگر حس و حرکت نہیں تو پھر واضح طور پر بتائیے کہ تم نے اُن کے لیے کس قسم کی حیاۃ ثابت کی؟''

اور جو لوگ آپ ﷺ کی حیاتِ برزخی کو غیر مکلّف حیاتِ دنیاوی کہتے ہیں اُن سے پوچھتے ہیں کہ:

هَلْ جَاءَكُمْ أَثَرٌ بِأَنَّ صِحَابَهُ سَأَلُوهُ فُتيَا وَهُوَ فِي الأَكفَانِ
فَأَجابَهُم بِجَوابِ حَيٍّ نَاطِقٍ فَأْتُوا إِذاً بِالحَقِّ وَالبُرهَانِ
هَلَّا أَجَابَهُم جَوَاباً شَافِياً إِنْ كَانَ حَيّاً نَاطِقاً بِلِسَانِ

[الكافية الشافية فی الإنتصار للفرقة الناجية'المعروف بالقصيدة النونية: ۱۴۱]

''کیا تمہارے پاس صحابہ کرام ﷺ کا کوئی ایسا اثر [روایت] ہے، جس میں یہ بات موجود ہو کہ اُنہوں نے آپ ﷺ سے کوئی سوال پوچھا جب آپ ﷺ کو کفن پہنایا گیا اور آپ ﷺ نے کسی زندہ بولنے والے شخص کی طرح کوئی جواب دیا؟ اگر آپ ﷺ [دنیوی] حیات سے زندہ تھے اور اپنی [دنیوی]

زبان سے بات چیت کر سکتے تھے تو کیا آپ نے اُنہیں کوئی شافی جواب دیا؟ حق و برہان [دلیل] کے ساتھ بات کرو۔"

موصوف آگے فرماتے ہیں:

وَلَقَدْ أَتَوْا يَوْماً إِلَى الْعَبَّاسِ يَسْـ تَسْقُوْنَ مِنْ قَحْطٍ وَّجَدْبِ زَمَانِ
هٰذَا وَ بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ نَبِيِّهِمْ عَرْضُ الْجِدَارِ وَ حُجْرَةُ النِّسْوَانِ
فَنَبِيُّهُمْ حَيٌّ وَ يَسْتَسْقُوْنَ غَيْـ رَ نَبِيِّهِمْ حَاشَا أُولِي الإِيْمَانِ

[الكافية الشافية فى الإنتصار للفرقة الناجية'المعروف بالقصيدة النونية:۱۴۲]

"قحط و خشک سالی سے مجبور صحابہ سیدنا عباس ﷛ کے پاس استسقاء کے لیے آئے حالانکہ تمہارے عقیدے کے مطابق رسول اللہ ﷺ قبر شریف میں بذاتِ خود بنفسِ نفیس زندہ موجود تھے اور فرق و فاصلہ بھی صرف حجرات ہی کی دیوار کا ہے' اس سے بڑھ کر حیرت انگیز بات کیا ہو سکتی ہے کہ زندہ ہستی [رسول اکرم ﷺ] کو چھوڑ کر ایک امتی سے استسقاء کی دعاء کرائی جا رہی ہے۔"

آگے لکھتے ہیں:

وَالتُّرْبُ تَحْتَهُمْ وَفَوْقَ رُءُوْسِهِمْ وَعَنِ الشَّمَائِلِ ثُمَّ عَنْ أَيْمَانِ
مِثْلَ الَّذِيْ قَدْ قُلْتُمُوْهُ مَعَاذَنَا بِاللّٰهِ مِنْ إِفْكٍ وَ مِنْ بُهْتَانِ
بَلْ عِنْدَ رَبِّهِمْ تَعَالَى مِثْلُ مَا قَدْ قَالَ فِي الشُّهَدَآءِ فِي الْقُرْاٰنِ

[الكافية الشافية فى الإنتصار للفرقة الناجية'المعروف بالقصيدة النونية:۱۴۵]

"جن کے نیچے بھی مٹی ہو اور اُن کے سروں پر بھی اور دائیں بائیں بھی' غرض مٹی میں محصور اور گھرے ہوئے بھی کوئی [دنیاوی] زندگی ہے؟ تمہارے اس افک و بہتان سے اللہ کی پناہ! حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ عنداللہ ویسے ہی زندہ ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے شہداء کی زندگی کا قرآن مجید میں ذکر کیا ہے۔"

یہ عقیدہ چونکہ انتہائی مضحکہ خیز ہے اس لیے حافظ ابن قیم ان معطلہ کی حالت پر افسوس کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

يَا قَوْمَنَا اسْتَحْيُوا مِنَ الْعُقَلَاءِ وَالْـ مَبْعُوْثِ بِالْقُرْاٰنِ وَ الرَّحْمٰنِ
وَاللّٰهِ لَا قَدْرَ الرَّسُوْلِ عَرَفْتُمْ كَلَّا وَ لَا لِلنَّفْسِ وَ الْإِنْسَانِ
مَنْ كَانَ هٰذَا الْقَدْرُ مَبْلَغَ عِلْمِهٖ فَلْيَسْتَتِرْ بِالصَّمْتِ وَ الْكِتْمَانِ
وَ لَقَدْ أَبَانَ اللّٰهُ أَنَّ رَسُوْلَهٗ مَيْتٌ كَمَا قَدْ جَآءَ فِي الْقُرْاٰنِ
أَفَجَاءَ أَنَّ اللّٰهَ بَاعِثُهٗ لَنَا فِي الْقَبْرِ قَبْلَ قِيَامَةِ الْأَبْدَانِ
أَثَلَاثُ مَوْتَاتٌ تَكُوْنُ لِرُسُلِهٖ وَ لِغَيْرِهِمْ مِّنْ خَلْقِهٖ مَوْتَانِ
إِذْ عِنْدَ نَفْخِ الصُّوْرِ لَا يَبْقَى امْرُؤٌ فِي الْأَرْضِ حَيًّا قَطُّ بِالْبُرْهَانِ
أَفَهَلْ يَمُوْتُ الرُّسُلُ أَمْ يَبْقَوْا إِذَا مَاتَ الْوَرَى أَمْ هَلْ لَكُمْ قَوْلَانِ
فَتَكَلَّمُوْا بِالْعِلْمِ لَا الدَّعْوَى وَجِيـ ـئُوْا بِالدَّلِيْلِ فَنَحْنُ ذُوْ أَذْهَانِ

[الكافية الشافية فى الإنتصار للفرقة الناجية "المعروف بالقصيدة النونية:۱۴۱-۱۴۲]

''اے قوم! تمہیں اللہ تعالیٰ، قرآن مجید بلکہ خود رسول اللہ ﷺ اور اہلِ عقل و دانش سے شرم آنی چاہیے کیونکہ نہ ہی تم نے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے قدر و مرتبہ کو پہچانا اور نہ ہی تم نے انسانیت کی قدر و عظمت اور نفس یا روح کی شان و کمال کو سمجھا۔ جو کوئی عقل و فہم سے اس درجہ محروم ہے تو اسے بالکل خاموش رہتے ہوئے وقت گزارنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بالکل واضح الفاظ میں اِنَّكَ مَيِّتٌ کا اعلان فرما کر نبی اکرم ﷺ کی وفات ظاہر فرما دی۔ کیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات پہنچی ہے کہ قیامِ اَبدان سے قبل اُنہیں قبر میں [دنیاوی] زندگی دی گئی۔ کیا اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو تین بار موت کا مزا چکھنا ہوگا جب کہ اس کی دوسری مخلوق دو بار مرتی ہے کیونکہ برہان اور دلیل سے ثابت ہے کہ صور پھونکنے کے وقت زمین [و آسمان] میں کوئی متنفس زندہ نہیں رہے گا تو جب ساری مخلوق مر جائے گی تو کیا اللہ تعالیٰ کے رسل مریں گے یا نہ؟ یا اس بارے میں تمہارے دو قول ہیں؟ دلیل کے ساتھ بات کرو، صرف دعویٰ نہ کرو بلکہ اس پر دلیل بھی پیش کرو اس لیے کہ ہم بھی دماغ رکھتے ہیں۔''

[۳] کافی کلینی (۱) لکھتے ہیں: عن جعفربن المثنّی الخطیبِ قال: کنتُ بالمدینةِ و سقفُ المسجدالذي يُشرفُ على القبرقد سقَطَ و الفعَلَةُ يصعدونَ و ينزِلونَ و نحنُ جماعةٌ، فقلتُ لأصحابنا: مَن منكم له موعدٌ يدخلُ على أبي عبدالله عليه السلام الليلة؟فقال مهران بن أبي نصر:أنا، وقال إسمٰعيلُ بنُ عمارٍالصيرَفي: أنا، فقلنالهما:سَلاَهُ لناعن الصُّعودِ لِنُشْرِفَ على قبرالنبي ﷺفلمّا كان من الغد لَقِيناهما،فاجتمعناجميعاً،فقال إسمٰعيل:قد سألناهُ لكم عَمَّاذ كرتم، فقال:مَاأُحِبُّ لِأَحدٍ أَنْ يَعْلُوفَوْقَهُ وَلاَ آمَنُهُ أَنْ يَّرٰى شَيْئاًيَذْهَبُ مِنْهُ بَصَرُهُ أَوْيَرَاهُ قَائِماًيُصَلِّيْ أَوْيَرَاهُ مَعَ بَعْضِ أَزْوَاجِهٖ.

[اصول کافی ۱:۵۱۴، ابواب التاریخ، باب النہی عن الاشراف علی قبرالنبی ﷺ، روایت:۱۲۲۵]

''جعفر بن مثنیٰ سے مروی ہے کہ میں مدینہ منورہ میں تھا۔ مسجد نبوی کی چھت -جس سے قبر نبی ﷺ نظر آتی تھی- گر گئی تھی۔ کام کرنے والے [بغرضِ تعمیر] اوپر چڑھتے تھے اور اترتے تھے، میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: تم میں کون ایسا ہے جس سے امام جعفر صادق علیہ السلام نے ملنے کا وعدہ کیا ہو؟ مہران نے کہا: میں ہوں، اسماعیل نے کہا: میں ہوں۔ میں نے ان دونوں سے کہا: ہماری طرف سے ایک سوال اُن سے کرو کہ آیا قبر نبی ﷺ سے بلند ہو کر اسے دیکھنا درست ہے؟ وہ لوگ گئے۔ دوسرے روز جب ہم پھر جمع ہوئے تو اسماعیل نے کہا: ہم نے تمہارا مسئلہ دریافت کیا تھا۔ آپ نے فرمایا: کیا تم یہ پسند کرو گے کہ رسول اللہ ﷺ سے اونچے ہو کر اس چیز کو دیکھو جس سے بینائی جاتی رہے یا وہ رسول اللہ ﷺ کو اس حال میں دیکھے کہ تنہا کھڑے نماز پڑھ رہے ہوں یا اپنی کسی بی بی کے پاس ہوں؟'' [الشافی ترجمہ اصول کافی ۳:۲۹]

سید ظفر حسن صاحب نقوی اس روایت کے تحت لکھتے ہیں:

''توضیح: مِرْآةُ الْعُقُولِ میں علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اس کے

---

(۱) محمد بن یعقوب بن اسحاق ابوجعفر کُلَینی۔ بغداد میں شیعوں کے شیخ اور امامیہ کے عالم تھے۔ تاریخ ولادت معلوم نہیں۔ ''رے'' کے گاؤں کُلَین کی طرف منسوب ہیں۔ ۳۲۹ھ=۹۴۱ء کو بغداد میں وفات پائی۔

[سیر أعلام النبلاء ۱۵:۲۸۰، ترجمہ:۱۲۵، الاعلام ۷:۱۴۵]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

راوی جعفر بن مثنّٰی اصحابِ امام رضا علیہ السلام سے ہیں انہوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کا زمانہ نہیں دیکھا۔ دوسرے: علمائے امامیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ انبیاء اور ائمہ علیہم السلام مرنے کے بعد زندہ تو ضرور ہیں لیکن ایسی زندگی وہ نہیں ہوتی جیسی مرنے سے پہلے ہوتی ہے ہاں یہ صحیح ہے کہ سوائے کسی خاص ضرورت کے قبر سے اونچا ہو جانا اور بلندی سے اس کو دیکھنا جائز نہیں۔''

[الشافی ترجمہ اصول کافی ۳:۲۹]

[۴] مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی (۱) نے لکھا ہے کہ:

''انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی حیات حقیقی حسی دنیاوی ہے اُن پر تصدیق وعدۂ الٰہیہ کے لیے محض ایک آن کی آن کو موت طاری ہوتی ہے پھر فوراً اُن کو ویسے ہی حیات عطا فرمادی جاتی ہے۔ اس حیات پر وہی احکام دنیویہ ہیں ان کا ترکہ بانٹا نہ جائے گا اُن کی ازواج پر عدت نہیں وہ اپنی قبور میں کھاتے پیتے نماز پڑھتے ہیں بلکہ سیدی محمد بن عبدالباقی زرقانی فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی قبورِ مطہرہ میں ازواجِ مطہرات پیش کی جاتی ہیں وہ ان کے ساتھ شب باشی فرماتے ہیں۔'' [ملفوظات اعلیٰ حضرت حصہ سوم:۲۷۶]

انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ: ''انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام پر ایک آن کو محض تصدیق وعدۂ الٰہیہ کے لیے موت طاری ہوتی ہے بعد اس کے پھر ان کو حیات حقیقی حسی دنیاوی عطا ہوتی ہے۔''

[ملفوظات اعلیٰ حضرت حصہ چہارم:۳۸۰]

اعلیٰ حضرت صاحب یہ بھی لکھتے ہیں:

''انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام حیات ومَمات ہر حالت میں طیب وطاہر ہیں بلکہ اُن کے لیے موت محض آنی تصدیق وعدۂ الٰہیہ کے لیے ہے پھر وہ ہمیشہ حیاتِ حقیقی دنیاوی روحانی وجسمانی کے

---

(۱) احمد رضا خان قادری بن مولانا نقی علی خان بن مولانا رضا علی خان بن مولانا حافظ کاظم علی خان فاضل بریلوی ہندوستان کے بہت بڑے عالم دین متبحر فاضل بلند پایہ صوفی اور شاعر تھے۔ ۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ = ۱۴ جون ۱۸۵۶ء کو بریلی ''اتر پردیش'' کے محلہ جسولی میں پیدا ہوئے۔ دادا نے احمد رضا نام رکھا جس میں مولانا نے عبدالمصطفیٰ کا اضافہ کیا۔ اعلیٰ حضرت اور فاضل بریلوی کے نام سے مشہور ہیں۔ بریلوی مسلک کے بانی مبانی ہیں۔ ان گنت کتابیں لکھیں۔ ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ = ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۱ء کو وفات پائی۔ [شاہکار انسائیکلوپیڈیا ا:۱۵۷]

ساتھ زندہ ہے جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے اسی لیے کوئی اُن کا وارث نہیں ہوتا اور اُن کی عورتوں کا کسی سے نکاح کرنا ممتنع ہے۔" [فتاویٰ رضویہ ۳:۴۰۴-۴۰۷]

اس عبارت میں دو باتیں ایسی ہیں، جن کا بڑا چرچا ہے:

-انبیاءِ کرام علیہم السلام کی وراثت کا تقسیم نہ ہونا

-امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن سے کسی اور کا نکاح ممتنع ہونا

لیکن یہ محض گلوخلاصی ہے اس لیے کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کی میراث کا تقسیم نہ ہونا یا امہات المؤمنین سے کسی اور کا نکاح نادرست ہونا حیات دنیوی کی دلیل نہیں، اس لیے کہ قرآن مجید کی تصریح کے مطابق شہداء بھی زندہ ہیں، حالانکہ اُن کی میراث بھی تقسیم کی جاتی ہے اور عدت گزرنے کے بعد اُن کی عورتیں نکاح بھی کر سکتی ہیں، اور رہے انبیاءِ کرام علیہم السلام، سو اُن کے بارے میں حدیث میں وارد ہے: إنامعاشر الأنبياء لانورث ماتر كنا صدقة.:۱۸۳

- صحیح بخاری، حدیث: ۳۰۹۳، کتاب فرض الخمس [۵۷] باب فرض الخمس [۱]، حدیث: ۳۷۱۱، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ [۶۲] باب مناقب قرابۃ رسول اللہ ﷺ [۱۲]، حدیث: ۴۰۳۶، کتاب المغازی [۶۴] باب حدیث بنی النضیر [۱۴]، حدیث: ۴۲۴۰-۴۲۴۱، کتاب المغازی [۶۴] باب غزوۃ خیبر [۳۹] حدیث: ۶۷۲۶، کتاب الفرائض [۸۵] باب قول النبی ﷺ: لانورث ماتر کنا صدقۃ [۳]، صحیح مسلم، حدیث ۱۷۵۸، کتاب الجہاد والسیر [۳۲] باب قول النبی ﷺ لانورث ماتر کنا فہو صدقۃ [۱۶]

"ہم گروہِ انبیاء میراث نہیں چھوڑتے، ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں، وہ صدقہ ہوتا ہے۔"

اور ازواجِ مطہرات کے بارے میں قرآن مجید کا حکم ہے:

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ. [سورۃ الاحزاب ۳۳:۶]

"اور نبی کا حق مؤمنوں پر خود اُن کے مقابل میں اولیٰ ہے اور ازواج نبی کی حیثیت سے مؤمنین کی ماؤں کی ہے۔"

اور یہ بھی ارشادِ ربانی ہے: وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَا اَنْ تَنْكِحُوْا اَزْوَاجَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ اَبَدًا اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا. [سورۃ الاحزاب ۳۳:۵۳]

"اور تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم اللہ کے رسول کو تکلیف پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ تم اُس کی

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

بیویوں سے کبھی اس کے بعد نکاح کرو۔ یہ اللہ کے نزدیک بڑی سنگین باتیں ہیں۔"

حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں:

لٰكِنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ خُصَّ نِسَآؤُهٗ بِخَصِيْصَةٍ عَنْ سَائِرِ النِّسْوَانِ
خُيِّرْنَ بَيْنَ رَسُوْلِهٖ وَ سِوَاهُ فَاخْـ تَرْنَ الرَّسُوْلَ لِصِحَّةِ الْإِيْمَانِ
شَكَرَ الْإِلٰهُ لَهُنَّ ذَاكَ وَ رَبُّنَا سُبْحَانَهٗ لِلْعَبْدِ ذُوْ شُكْرَانِ
قَصْرُ الرَّسُوْلِ عَلَى أُولٰئِكَ رَحْمَةً مِنْهُ بِهِنَّ وَ شُكْرَ ذِي الْإِحْسَانِ
وَ كَذَاكَ أَيْضاً قَصْرُهُنَّ عَلَيْهِ مَعْـ لُوْمٌ بِلَا شَكٍّ وَ لَا حُسْبَانِ
فَلِذَا حَرُمْنَ عَلَى سِوَاهُ بَعْدَهٗ إِذْ ذَاكَ صَوْناً عَنْ فِرَاشٍ ثَانِ

[الكافية الشافية فى الإنتصار للفرقة الناجية' المعروف بالقصيدة النونية:۱۴۳]

"رسول اللہ ﷺ کی اَزواجِ مطہرات کو دوسری ساری عورتوں سے اس [نکاح کے سلسلہ] میں امتیاز اور خصوصیت حاصل ہے' اس لیے کہ انہیں رسول اللہ ﷺ اور دوسرے لوگوں میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کا اختیار دیا گیا تو اُنہوں نے صحیح الایمان ہونے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کو ترجیح دی جس کا بدلہ اللہ تعالیٰ نے ‒ جو بندوں کو اُن کے اعمال کا بہتر بدلہ دینے والا ہے ‒ یہ دیا کہ رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ انہی ازواجِ مطہرات پر اکتفا کریں اور اسی وجہ سے آپ ﷺ کے بعد اوروں پر اُنہیں حرام قرار دیا گیا اور دوسروں کے بستروں سے اُن کو بچالیا گیا۔"

حیاتِ انبیاء علیہم السلام سے متعلق ضعیف روایات

[۱] امام بیہقیؒ نے اس سلسلے میں پہلی حدیث یہ پیش کی ہے: سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے:

الأنبياءُ أحياءٌ في قبورهم يصلون. [حیاۃ الانبیاء علیہم السلام بعد وفاتہم: ۷۰]

''انبیاءِ کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔''

اس روایت کو محدث بزارؒ [وفات: ۲۹۲ھ] امام ابویعلیٰؒ [وفات: ۳۰۷ھ] اور حافظ ابن عدیؒ [وفات: ۳۶۵ھ] نے نقل کیا ہے۔

محدث بزارؒ اور حافظ ابن عدیؒ کی سند اس طرح ہے: حسن بن قتیبہ مدائنی' از مستلم بن سعید ثقفی' از حجاج بن اسود' از ثابت بنانی از سیدنا انس رضی اللہ عنہ مرفوعاً۔

[مسند البزار ۱۳: ۶۲' حدیث: ۶۳۹۱' الکامل فی ضعفاء الرجال ۳: ۱۷۳]

یہ حدیث ضعیف ہے' اس لیے کہ اس کا ایک راوی حسن بن قتیبہ مدائنی ہے' جس کے بارے میں حافظ ابن عدیؒ کی رائے قدرے اچھی ہے جو لکھتے ہیں: لا بأس به ہے۔ [الکامل ۳: ۱۷۴]

لیکن حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں: قلتُ: بل هو هَالِكٌ. [میزان الاعتدال ۱: ۵۱۹' ترجمہ: ۱۹۳۳]

''میں [حافظ ذہبی] کہتا ہوں: [نہیں] بلکہ وہ تو ہالک ہے۔''

آگے لکھتے ہیں: امام دارقطنیؒ کہتے ہیں: متروک الحدیث تھا۔ امام ابوحاتمؒ اسے ضعیف کہتے ہیں۔ امام ازدیؒ کہتے ہیں: حدیث کے معاملے میں واہی [کمزور] ہے اور امام عقیلیؒ کہتے ہیں: کثیر الوہم تھا۔ [میزان الاعتدال ۱: ۵۱۹' ترجمہ: ۱۹۳۳]

جب کہ امام ابویعلیٰؒ کی سند اس طرح ہے: یحیٰ بن ابی بکیر' از مستلم بن سعید' از حجاج' از ثابت بنانی از سیدنا انس مرفوعاً۔ [مسند ابی یعلیٰ ۶: ۱۴۷' حدیث: ۳۴۲۵]

یہ حدیث منکر ہے' اس لیے کہ اس کا راوی یحیٰ بن ابی بکیر کا اُستاذ مستلم بن سعید صدوق و عابد تھا (۱)

---

(۱) شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدرؒ نے تقریب: ۴۸۸ کا حوالہ دے کر لکھا ہے: حافظ ابن حجرؒ ان کو صدوق کہتے ہیں۔ [تسکین الصدور: ۲۱۲] چونکہ ''رُبماوهم'' ''بارہا وہم کا شکار ہوئے'' کے الفاظ محترم کے لیے مضر تھے' اس لیے ان الفاظ کو لکھنے سے گریز کیا۔ عافاهُ اللّٰه و إيّانا.

MAKTABA TUL ISHAAT - مکتبۃ الاشاعت

اور بارہا وہم کا شکار ہوا۔[تقریب التہذیب:۵۵۶' ترجمہ:۶۵۹۰]
امام بیہقی نے اسے مؤمل بن اسماعیل قرشی کی سند کے ساتھ سیدنا انس ﷺ سے موقوفاً بھی نقل کیا ہے۔ [حیاۃ الانبیاء علیہم السلام بعد وفاتہم:۷۴]
لیکن یہ روایت بھی چنداں معتبر نہیں اس لیے کہ:
-اس کا راوی مؤمل [بوزنِ محمد] بن اسماعیل قرشی صدوق ہونے کے ساتھ ساتھ سَيِّئُ الْحِفْظِ [خراب حافظے والا] تھا۔[تقریب التہذیب:۵۸۴' ترجمہ:۷۰۲۹]
-اس روایت میں مؤمل بن اسماعیل قرشی کا استاذ عبیداللہ بن ابی حمید ہذلی ہے جو متروک الحدیث ہے۔[تقریب التہذیب:۴۰۲' ترجمہ:۴۲۸۵]
حافظ ابن قیمؒ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

وَحَدِيثُ ذِكْرِ حَيَاتِهِمْ بِقُبُوْرِهِمْ ۔۔۔ لَمَّا يَصِحُّ وَ ظَاهِرُ النُّكْرَانِ
فَانْظُرْ إِلَى الإِسْنَادِ تَعْرِفُ حَالَهُ ۔۔۔ إِنْ كُنْتَ ذَا عِلْمٍ بِهٰذَا الشَانِ

[القصيدة النونية:۱۴۵]

''قبروں میں انبیاءِ کرام علیہم السلام کی [دنیاوی] زندگی والی حدیث ہرگز صحیح نہیں ہے بلکہ ظاہر باہر منکر ہے۔تو اس کی سند میں غور وفکر کرو' تم اس کی حیثیت جان لو گے' اگر تو اس فن [اسماءِ رجال] کے شہ سواروں میں سے ہو۔''
حافظ ذہبیؒ نے بھی حسن بن قتیبہ کی ضعیف روایات میں یہی روایت بطورِ مثال پیش کی ہے۔
[میزان الاعتدال ۱:۵۱۸' ترجمہ:۱۹۳۴]

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں: حجاج بن الأسود نكرةٌ' ماروى عنه فيما أعلم سوى مستلم بن سعيد فأتى بخبر منكر عنه عن أنس في: أن الأنبياء أحياءٌ في قبورهم يصلون' رواه البيهقي.[لسان المیزان ۲:۱۷۵' ترجمہ:۷۸۷]
''حجاج بن اسود انجانا راوی ہے۔ مستلم بن سعید کے علاوہ کسی اور نے اس سے روایت نہیں لی' س نے الأنبياء أحياءٌ في قبورهم يصلون والی منکر روایت نقل کی ہے' جسے بیہقی نے اس کی

سند سے ذکر کیا ہے۔''

[۲] امام بیہقیؒ لکھتے ہیں: وروي كما أخبرنا أبو عبد الله الحافظ ثنا أحمد بن علي الحسنوي ......عن أنس رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال: إنَّ الأنبياء لا يتركون في قبورهم بعد أربعين ليلة و لكنهم يصلون بين يدي الله عزوجل حتى ينفخ في الصور. [حیاۃ الانبیاء:۷۵]

''یہ روایت بھی بیان کی گئی ہے جیسا کہ ہمیں حافظ ابوعبداللہ نے ابوحامد احمد بن علی حسنوی سے اُس نے ابوعبداللہ محمد بن عباس حمصی سے اُس نے ابوربیع زہرانی سے اُس نے اسماعیل بن طلحہ بن یزید سے اُس نے محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے اُس نے ثابت بنانی سے اور اُس نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ: انبیاء علیہم السلام کو چالیسویں رات کے بعد اُن کی قبروں میں چھوڑا نہیں جاتا مگر وہ اپنے رب کے سامنے کھڑے ہو کر نفخ صور تک نماز پڑھتے ہیں۔''

یہ روایت موضوع ہے اس لیے کہ:

— اس کا راوی ابوحامد احمد بن علی حسنوی قابلِ اعتماد راوی نہیں، جو امام حاکم کے استاذ ہیں۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں: کہا جاتا ہے کہ اُس نے ایسے راویوں سے بھی حدیثیں نقل کی ہیں جن سے اُس کی ملاقات ہی نہیں ہوئی، جیسے امام مسلم اور دوسرے قدماء۔ [میزان الاعتدال ۱:۱۲۱، ترجمہ:۴۷۶]

اور امام حاکمؒ کے حوالے سے اس کے بارے میں لکھا ہے:

لو اقتصر على سماعاته الصحيحة كان أولى به، حَدَّثَ عن جماعةٍ أشهدُ بالله أنه لم يَسْمَعْ منهم. [میزان الاعتدال ۱:۱۲۱، ترجمہ:۴۷۶]

''اس کے لیے اپنی صحیح روایات پر اکتفا کرنا زیادہ مناسب تھا، میں اللہ تعالیٰ کو اس بات کا گواہ بناتا ہوں کہ اُس نے ایسے راویوں سے بھی روایتیں نقل کی ہیں، جن سے اُس نے حدیث نہیں سنی۔''

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے امام حاکم کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس کی روایت ناقابل استدلال اور ناقابل احتجاج ہوتی ہے اور حافظ ابوزرعہؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ راوی کذاب ہے۔

[لسان المیزان ۱:۲۲۴، ترجمہ:۲۹۶]

— اس کا ایک راوی محمد بن عباس حمصی ہے، جس کا کتب اسماء الرجال میں کوئی نام ونشان نہیں۔

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

۔ اس کا ایک راوی محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ ہے جو صدوق اور شدید سوءِ حفظ کا شکار تھے۔

[تقریب التہذیب:۵۲۳، ترجمہ:٦٠٨١]

[۳] امام بیہقیؒ لکھتے ہیں زوی سفیان الثوري في الجامع فقال:قال شيخ لنا عن سعيد ابن المسيب قال:مامكث نبي في قبره أكثرمن أربعين ليلةٍ حتى يرفع.

[حیاۃ الانبیاء بعد وفاتہم:۷٦]

"سفیان ثوریؒ(۱) نے جامع میں روایت بیان کی ہے کہ ہمیں ہمارے ایک شیخ نے سعید بن مسیبؒ کے حوالے سے یہ روایت سنائی کہ کوئی نبی اپنی قبر میں چالیس رات سے زیادہ نہیں رکھا جاتا مگر انہیں اوپر اُٹھالیا جاتا ہے۔"

یہ روایت اس لیے ضعیف ہے کہ اس میں سفیان ثوریؒ کے استاذ کا نام مذکور نہیں۔اب یہ کیسے معلوم ہو کہ ثقہ تھے یا غیر ثقہ؟ پھر سعید بن مسیبؒ تابعی ہیں، وہ بھی آگے کا سلسلہ نہیں بتاتے، کہ یہ روایت اُنہوں نے کسی تابعی سے سنی، یا صحابی سے، اور اس نے رسول اللہ ﷺ سے۔

[۴] ما من نبيٍّ يموتُ فيقيمُ في قبره إلّا أربعين صباحاً حتى تردُّ إليه روحه، ومررتُ بموسى ليلةَ أسري بي وهوقائمٌ في قبره بين غائلةٍ وجرهم.

[مسند الشامیین ۱:۱۹٦، حدیث:۳۴۱-[۲] ۲:۴۲۰، حدیث:۱٦۱۴-[۸] حلیۃ الاولیاء ۸:۳۳۳]

"ہر ایک نبی وفات ہونے کے بعد چالیس روز تک اپنی قبر میں مقیم رہتے ہیں، پھر انہیں اُن کی روح لوٹا دی جاتی ہے، میں اِسراء کی رات موسیٰ علیہ السلام کے قریب گزرا جو اپنی قبر میں غائلہ اور جرہم کے درمیان قیام کیے ہوئے تھے۔"

مَرَرْتُ بموسَى ليلةَ أسري بي وهوقائمٌ في قبره کے علاوہ یہ روایت موضوع ہے، اس لیے

---

(۱) سفیان بن سعید بن مسروق ثوری، ابوعبداللہ، کوفہ میں ۹۷ھ=۷۱٦ء کو پیدا ہوئے، وہیں پلے، بڑھے۔ بصرہ میں ۱٦۱ھ=۷۷۸ء کو وفات پائی۔مضر کے مشہور قبیلہ عبدمناۃ کی شاخ بنی ثور سے تعلق تھا۔امیر المؤمنین فی الحدیث تھے۔علوم دینیہ اور تقویٰ میں اپنی مثال آپ تھے۔منصور نے انہیں قضاء کا عہدہ پیش کیا تھا مگر انہوں نے قبول کرنے سے انکار کیا تھا۔[وفیات الاعیان ۲:۳۸٦، تاریخ بغداد ۹:۱۵۱، تذکرۃ الحفاظ ۱:۲۰۳، الاعلام ۳:۱۰۴]

کہ اس کا راوی حسن بن یحییٰ خشنی ہے جس کے بارے میں امام ابن حبان کہتے ہیں: شدید منکر الحدیث ہے۔ ثقہ راویوں کے نام سے بے اصل روایتیں نقل کرتا ہے اس لیے چھوڑ دینے کا مستحق ہے۔[المجروحین ۱:۲۸۵ ترجمہ: ۲۱۴]

امام ابن ابی حاتمؒ کہتے ہیں: صدوق اور سَيِّئُ الْحِفْظِ [خراب حافظے والا] تھا۔

[الجرح والتعدیل ۳:۴۴ ترجمہ: ۱۸٦]

امام دارقطنیؒ لکھتے ہیں: متروک ہے۔[الضعفاء والمتروکین ترجمہ: ۱۹۰]

حافظ ذہبیؒ اور حافظ ابن حجرؒ، امام ابن حبانؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں: یہ روایت باطل اور موضوع ہے۔[میزان الاعتدال ۱:۵۲۵ ترجمہ: ۱۹۵۸ تہذیب التہذیب ۲:۲۹٦ ترجمہ: ۱۳٦٦]

[۵] امام فخر الدین رازیؒ(۱) لکھتے ہیں: قال عطاء عن ابن عباس ﷺ: لما أُسري به ﷺ إلى المسجد الأقصى بعث الله له آدم عليه السلام و جميع المرسلين من وُلده فأذَّنَ جبريل عليه السلام ثم أقامَ فقال: يامحمد [ﷺ]! تَقَدَّمْ فصَلِّ بهم فلما فرغ رسول اللهﷺ من الصلاة قال له جبريل عليه السلام: وَاسْأَلْ يامحمد [ﷺ] مَنْ اَرْسَلْنَامِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَا فقال ﷺ: لاأسألُ لأني لستُ شاكاً فيه. [التفسير الكبير ۹:٦۳۵ بذیل تفسیر سورۃ الزخرف ۴۳:۴۵]

”عطاء، سیدنا ابن عباس ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کو مسجد اقصیٰ لے جایا گیا تو اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام اور تمام انبیاء کو جو اُن کی اولاد میں سے تھے سب کو جمع کیا جس کے بعد سیدنا جبرئیل علیہ السلام نے اَذان اور اِقامت فرمائی، جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو سیدنا جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے فرمایا: جن کو آپ سے پہلے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے اُن سے پوچھئے، جس پر آپ ﷺ نے فرمایا: میں ان سے کچھ نہیں پوچھوں گا اس لیے کہ مجھے اس [وحی] میں

(۱) محمد بن عمر بن حسن بن حسین تیمی بکری، ابوعبداللہ فخر الدین رازی۔ اپنے زمانے میں معقول اور علوم اوائل کے بہت بڑے عالم تھے۔ طبرستان سے تعلق تھا۔ ”رے“ میں ۵۴۴ھ = ۱۱۵۰ء کو پیدا ہوئے۔ ہرات میں ٦۰٦ھ = ۱۲۱۰ء کو وفات ہوئے۔ اُن کا سبب وفات یہ بیان کیا گیا ہے کہ فرقہ کرامیہ اور آپ کے درمیان عرصہ دراز سے نزاع وجدال بپا تھی۔ آپ اُن کو برا بھلا کہتے اور اُن کی تکفیر کرتے ہیں اور وہ آپ کی توہین کرتے ہیں چنانچہ اُنہوں نے آپ کو زہر دے کر نجات حاصل کی۔[وفیات الاعیان ۴:۲۴۸ الاعلام ٦:۳۱۳]

MAKTABA TUL ISHAAT - مکتبۃ الاشاعت

کوئی شک نہیں۔"

یہ روایت شدید ضعیف ہے اس لیے کہ اس کا راوی عطاء بن ابی مسلم خراسانی اگر چہ فی نفسہ ثقہ تھے لیکن سیدنا ابن عباس سے ان کی ملاقات ثابت نہیں۔ [تہذیب الکمال ۲۰: ۱۱۰'سیر اعلام النبلاء ۶: ۱۴۰]

رہی آیت کریمہ: وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ [سورۃ الزخرف ۴۳: ۴۵] کا مفہوم سو اس میں مشرکین کے اس دعویٰ کی تردید ہے کہ جن کو وہ پوجتے ہیں اُن کی عبادت کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے امر و نہی کے معلوم کرنے کا ذریعہ اُس کے رسول ہیں تو جو رسول تم سے پہلے آئے ہیں اُن سے معلوم کرو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے سوا کچھ دوسرے معبود بھی عبادت کے حق دار ٹھہرائے ہیں؟

وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا ایک بلیغ اسلوبِ کلام ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں رسل سے مراد اُن کے صحیفے اور اُن کی تعلیمات ہیں' جو اُن کی دعوت کے ترجمان ہیں۔ کلام کا یہ اسلوب پچھلے صحیفوں میں اکثر استعمال ہوا ہے اور اعلیٰ خطیبوں کے خطبات میں بھی اس کی نہایت بلیغ قسمیں ہیں۔

مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ (۱) لکھتے ہیں: "تو آپ اُن سب پیغمبروں سے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے پوچھ لیجیے [یعنی: ان کی کتب وصحف سے جن کا بقیہ موجود ہے تحقیق کر لیجیے] کہ کیا ہم نے خدائے رحمان کے سوا [کبھی بھی] دوسرے معبود ٹھہرا دیے تھے کہ اُن کی عبادت کی جائے؟ یہ اوروں کو سنانا منظور ہے کہ جس کا جی چاہے تحقیق کر لے اور کتابوں میں دیکھنے کو رسولوں سے پوچھنا مجازاً کہہ دیا' کذا فی المدارک' جیسے ہمارا بھی محاورہ ہے کہ کسی مسئلہ طبیہ مختلف فیہا کو مختلف کتابوں میں دیکھا ہو پھر کہتے ہیں: آؤ بھی! شیخ بوعلی سینا سے پوچھیں وہ کیا کہتا ہے اور یہ کہہ کر قانونِ شیخ کو دیکھنے لگیں۔" [بیان القرآن: ۹۵۰]

---

(۱) اشرف علی بن عبدالحق فاروقی' ۱۲۸۰ھ = ۱۸۶۳ء کو ہندوستان میں تھانہ بھون [ضلع مظفر نگر] میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم میرٹھ میں ہوئی۔ اول اول قرآن مجید کو حفظ کیا۔ عربی اور فارسی کی ابتدائی کتابیں تھانہ بھون میں پڑھیں' دیوبند میں باقی درسیات کی تکمیل کی۔ ۱۳۰۱ھ = ۱۸۸۴ء کو سند فضیلت حاصل کی' اسی سال حج بیت اللہ سے بھی مشرف ہوئے اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے بیعت کی۔ ۱۳۶۲ھ = ۱۹۴۳ء کو وفات پائی۔
[شاہ کار اسلامی انسائیکلوپیڈیا ۱: ۲۲۷]

قبر نبوی ﷺ سے اذان واِقامت کی آواز سنائی دینا

ابونعیمؒ ،سعید بن میتبؒ (۱) سے روایت کرتے ہیں کہ جن ایام میں واقعہ حرہ پیش آیا مسجد نبوی میں میرے سوا کوئی متنفس نہ تھا ان ایام میں جب نماز کا وقت آ جاتا تو میں قبر مبارک سے اذان کو سنتا اس کے مطابق نماز ادا کرتا۔ تین دن تک مسجد نبوی میں نماز نہیں ہوئی میں قبر مبارک سے اذان کی آواز سن کر نماز پڑھتا تھا۔ زرقانی شرح مواہب ج ۵ ص: ۳۳۲ ۔[اظہار الحق: ۱۹۴]

حافظ ابونعیم کی کتاب میں اس روایت کی سند اور الفاظ اس طرح ہیں: 13

حدثنامحمد بن عبدالعزيزبن سهل الخشاب النيسابوري‘قال:ثنا إبراهيم بن إسحاق الأنماطي‘ثنامحمدبن سليمان لوين‘قال:ثناعبدالحميد بن سليمان عن أبي حازم عن سعيد بن المسيب قال: لقد رأيتُني ليالي الحَرَّةَ وما في مسجد رسول الله ﷺغيري‘و مايأتي وقت صلاةٍ إلّاسمعتُ الأذان من القبر‘ثم أتقدَّمُ فأقيم وأصلي‘و إن أهل الشام ليدخلون المسجد زمراً فيقولون:أنظروا إلى الشيخ المجنون.

[سنن الدارمی ۱:۵۷‘مقدمہ‘باب ما اکرم اللہ تعالیٰ نبیہ ﷺ بعد موتہ [۱۵] رقم: ۹۳‘ دلائل النبوۃ: ۵۶۷‘رقم: ۵۱۰‘ طبقات ابن سعد ۵: ۱۳۲‘ تاریخ ابن ابی خیثمہ ۲: ۱۱۹-۱۲۰‘رقم: ۲۰۱۱‘ کرامات اولیاء اللہ عزوجل‘ لالکائی‘ضمن شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ ۲: ۲۴۴‘ رقم: ۱۲۶‘ سیر اعلام النبلاء ۴: ۲۲۸‘ تاریخ اسلام‘ ذہبی ۶: ۳۷۵]

امام دارمیؒ نے باب ما اکرم اللہ تعالیٰ نبیہ ﷺ بعد موتہ میں‘ حافظ ابونعیمؒ نے دلائل النبوۃ میں اور علامہ لالکائیؒ نے کرامات اولیاء اللہ عزوجل میں اس روایت کو اس لیے درج کیا ہے کہ اس سے نبوت کے دلائل ومعجزات یا اولیاءِ کرام کی کرامت کا استنباط کیا جا سکے۔ ہر باہوش عالم جانتا ہے کہ معجزہ معجزہ ہوتا ہے اور کرامت کرامت ہوتی ہے یہ کوئی ایسا عام قانون نہیں جس سے کسی اور مسئلے کا استنباط واِخراج کیا جا سکے۔

---

(۱) سعید بن مُسَیَّب بن حَزن بن ابی وہب‘ ۱۳ھ=۶۳۴ء کو پیدا ہوئے۔ جلیل القدر تابعی ہیں۔ مدینہ منورہ کے سات بڑے فقہاء میں شمار کیے جاتے ہیں۔ محدث‘ فقیہ اور عابد وزاہد تھے۔ زیتون کی تجارت کر کے اس کی آمدنی سے اپنا پیٹ پالتے تھے اور کسی سے کسی قسم کا کوئی وظیفہ نہیں لیتے تھے۔ سیدنا عمرؓ کے فیصلوں کے سب سے بڑے حافظ تھے۔ ۹۴ھ=۷۱۳ء کو وفات پائی۔ [طبقات ابن سعد ۵: ۱۱۹‘ الاعلام ۳: ۱۰۲]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

فصل پنجم

البصائر کا خاتمہ

البصائر کا خاتمہ چند مباحث پر مشتمل ہے۔

پہلی بحث: بدعت کی تعریف

مولانا احمد اللہ صاحب یہ عنوان قائم کر کے پہلے تو بدعت کی تعریف کرتے ہیں اور پھر بتاتے ہیں کہ بدعت کی کئی قسمیں ہیں:

- بعض بدعات واجب ہوتی ہیں، مثلاً باطل اور گمراہ فرقوں کے خلاف دلائل جمع کرنا
- بعض بدعات مستحب ہوتی ہیں، مثلاً مدارس بنانا
- بعض بدعات مکروہ ہوتی ہیں، مثلاً مساجد اور مصاحف پر نقش ونگار
- بعض بدعات مباح ہوتی ہیں، مثلاً لذیذ کھانے کھانا اور قیمتی ملبوسات پہننا
- بعض بدعات حرام ہوتی ہیں جیسا کہ قرآن وسنت کے خلاف میں بدعت وہوا پرمبنی مذاہب۔

اس تقسیم کے لیے اُنہوں نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور علامہ شامی کا نام لیا ہے اور علامہ شامی کے حوالے سے لکھا ہے کہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں۔ [البصائر: ۱۴۴، پشاور ۱۴۷، اٹک]

اس تفصیل کے بعد لکھتے ہیں نفعُلِمَ من هذا التفصيل أن البدعة مطلقاً ليست بحرام ولا ضلالة، والمراد من حديث كل بدعةٍ ضلالةٌ أي: بدعةٌ سيئةٌ ألا ترى إلى قوله ﷺ: مَن سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فله أجرها وأجر من عمل بها إلى يوم القيامةِ، وكذا قول عمر ﷺ لما جمع الناس على إمام واحد: نعمتِ البدعة هذه. [البصائر: ۱۴۴]

''اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ بدعتِ مطلقاً حرام اور گمراہی نہیں، بلکہ حدیث كل بدعة ضلالةٌ سے مراد بدعتِ سیئہ ہے۔ کیا تو دیکھتا نہیں کہ حدیث میں وارد ہے: ''جس نے اسلام میں ایک نیک طریقہ جاری کیا تو اس کے لیے اس کا اجر ہوگا اور قیامت تک جو لوگ اس پر عمل پیرا ہوں گے اُن کے عمل میں اُسے بھی حصہ ملے گا اور اسی طرح سیدنا عمر ﷺ نے تراویح میں جب لوگوں کو ایک امام کے پیچھے جمع کیا تو فرمایا: یہ کیا ہی اچھا نیا طریقہ ہے۔''

سوعرض ہے کہ سب سے پہلے بدعت کی تعریف سن لیجئے۔امام راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں:

الإبداعُ إنشاءُ صَنعةٍ بِلا احتذاءٍ و اقتداءٍ ومنه قيل:ركيةٌ بديعٌ أي:جديدة الحَفرِ و إذااستعمل في الله تعالى فهو إيجاد الشيئ بغير آلةٍ و لامادّةٍ ولازمانٍ و لامكانٍ ، وليس ذلك إلّاالله......و البدعةُ في المذهب :إيرادقول لم يَسْتَنَّ قائلها و فاعلها عليه بصاحب الشريعة و أماثِلِها المتقدمة و أصولها المتقنة. [المفردات:۳۸-۳۹]

"اِبْدَاعٌ کسی کی تقلید اور اِقتداء کیے بغیر کسی چیز کو ایجاد کرنا۔اس سے نئے کھودے ہوئے کنویں کو رَکِيَّةٌ بَدِيعٌ کہا جاتا ہے۔اِبْدَاعٌ کا لفظ جب اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں: بغیر آلہ،بغیر مادہ اور بغیر زمان و مکان کے کسی شے کو ایجاد کرنا اور یہ معنی صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے......اَلْبِدْعَةُ [دین میں] نئی بات پیش کرنا جس کا قائل و فاعل صاحب شریعت ﷺ کی سند نہ لا سکے اور نہ ہی شریعت کے نظائر اور اصولِ محکمہ سے اس کا ثبوت ملتا ہو۔"

علامہ مرتضیٰ زَبیدیؒ[(۱)] لکھتے ہیں:كُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ:إنمايريد ماخالَفَ أصول الشريعة ولم يُوافِقُ السُّنَّةَ.[تاج العروس۵:۲۷۱]

"كُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ والی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز اصول شریعت کے خلاف ہو اور سنت کے موافق نہ ہو[وہ بدعت ہے]۔"

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں: و تُطلق في الشرع في مقابل السنةِ فتكون مذمومةً.
[فتح الباری۴:۲۱۹]

"اور شریعت میں بدعت کا اِطلاق و استعمال سنت کے مقابلہ میں ہوتا ہے لہٰذا وہ مذموم ہی ہوگی۔"

علامہ مسعود بن عمر بن عبداللہ تفتازانیؒ لکھتے ہیں:إن البد عة المذ مومة هي:الحَدَثُ في

---

(۱) محمد بن محمد بن محمد بن عبدالرزاق حسینی زَبیدی ابوالفیض،مرتضیٰ۔لغت،حدیث،رجال اور اَنساب کے ماہر عالم اور قابل مصنف تھے۔اصلاً واسط [عراق] سے تعلق تھا۔۱۱۴۵ھ=۱۷۳۲ء کو بلگرام [ہند] میں پیدا ہوئے۔یمن کے زَبید شہر میں پلے بڑھے۔حجازِ مقدس کا سفر کیا۔مصر میں اقامت پذیر رہے اور مصر ہی میں ۱۲۰۵ھ=۱۷۹۰ء کو طاعون سے وفات پائی۔نہایت ہر دل عزیز تھے۔[فہرس الفہارس ۱:۳۹۸،الاعلام ۷:۷۰]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

الدين من غير أن يكون في عهد الصحابةؓ و التابعين، ولا دَلَّ عليه الدليل الشرعي.
[شرح المقاصد ۳:۵-۴۶۵-۴۶۶، مقصد ۶: السمعیات، فصل ۳: الاسماء والاحکام، مبحث ۸: حکم المؤمن والکافر والفاسق]

''مذموم بدعت دین میں وہ اضافہ ہے جو صحابہ کرامؓ اور تابعین کے زمانہ میں نہ ہوا اور کوئی شرعی دلیل اس پر دلالت نہ کرتی ہو۔''

ان حوالوں سے شرعی بدعت کی تعریف معلوم ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ شرعی بدعت مذموم ہی ہوتی ہے، نہ کہ حسن۔ رہی یہ بات کہ:

- مَن سَنَّ في الإسلام سے بدعت کے اِجراء کرنے کی ترغیب ملتی ہے، سو اس کا جواب امام شاطبی [1] سے سنیے: فتأمَّلُوا أين قال رسول اللّٰه ﷺ: مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً تجدوا ذلك فيمن عمل بمقتضى المذكور على أبلغ ما يقدر عليه حتى بتلك الصرة، فانفتح بسببه باب الصدقة على الوجه الأبلغ، فَسُرَّ بذلك رسول اللّٰه ﷺ حتى قال: مَنْ سَنَّ فِي الإسلام سُنَّةً حَسَنَةً، فدَلَّ على أنَّ السنة هاهنا مثل ما فعل ذلك الصحابي، وهو العمل بما ثبت كونه سنةً. [الاعتصام ۱:۱۸۳]

''خوب غور و فکر کرو کہ رسول اللہ ﷺ نے مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً کو کس موقع پر ارشاد فرمایا؟ [اس موقع پر جب آپ ﷺ نے انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی] تم دیکھو گے کہ اُس صحابیؓ نے اپنی پوری کوشش کر کے اپنی ساری پونجی رسول اللہ ﷺ کے سامنے رکھی جس سے رسول اللہ ﷺ مسرور ہوئے اور یہ بات ارشاد فرمائی کہ: مَنْ سَنَّ فِي الإسلام سُنَّةً حَسَنَةً، جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اس حدیث میں سنت سے مراد اس صحابی کے عمل جیسا عمل ہے، جس کا مسنون ہونا پہلے سے ثابت ہے۔''

---

(۱) ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ بن محمد لخمی، غرناطی، اصولِ دین کے ماہر عالم تھے۔ حافظ تھے۔ غرناطہ [اندلس] سے تعلق تھا۔ مالکی مذہب کے ائمہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ کئی مفید اور معتبر کتابوں کے مصنف ہیں۔ ۷۹۰ھ = ۱۳۸۵ء کو وفات پائی۔ [فہرس الفہارس ۱:۱۳۴، الاعلام ۱:۷۵]

- اور رہا یہ کہ جب سیدنا عمرؓ نے تراویح میں لوگوں کو ایک امام کے پیچھے جمع کیا تو فرمایا: نِعْمَتِ البِدعة هذه 'یہ بہت اچھا طریقہ ہے' سو یہ بھی لفظ بدعت کا لغوی استعمال ہے' نہ کہ شرعی' اس لیے کہ شرعی بدعت تو گمراہی ہی ہوتی ہے جب کہ تراویح رسول اللہ ﷺ نے خود پڑھی ہے' جسے شرعی بدعت وہی شخص کہے گا جو مسلمان ہی نہ ہو۔

حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: ثم ذلك العمل الذي دَلَّ عليه الكتاب والسنة ليس بدعة في الشريعة، وإن سمي بدعة في اللغة. [اقتضاء الصراط المستقیم ۲:۹۶]

''ایسا عمل جس پر قرآن وسنت کی دلیل موجود ہو' اسے شرعی بدعت نہیں کہا جا سکتا اگرچہ لغت میں اسے بدعت کا نام دیا جاتا ہے۔''

علماء نے بدعت کی جو پانچ قسمیں لکھی ہیں' اُن کے بارے میں امام شاطبیؒ لکھتے ہیں: أن هذا التقسيم أمرٌ مخترعٌ، لا يدلُّ عليه دليلٌ شرعيٌّ بل هو في نفسه متدافع، لأن حقيقة البدعة أن لا يدل عليها دليلٌ شرعيٌّ، لا من نصوص الشرع، ولا من قواعده، إذ لو كان هنالك ما يدلُّ من الشرع على وجوبٍ أو ندبٍ أو إباحةٍ لما كان ثَمَّ بدعة، ولكان العمل داخلاً في عموم الأعمال المأمور بها أو المخير فيها، فالجمع بين عَدِّ تلك الأشياء بدعاً و بين كون الأدلة تدلُّ على وجوبها أو ندبها أو إباحتها جمع بين متنافيين.

[الاعتصام ۱:۱۹۲]

''یہ تقسیم ایک امر مخترع [نیا' خود ساختہ] ہے' کوئی شرعی دلیل اس پر دلالت نہیں کرتی' بلکہ فی نفسہ یہ قول کمزور ہے اس لیے کہ بدعت کی حقیقت یہ ہے کہ اس کی پشت پر کوئی شرعی دلیل نہ ہو' نہ شرعی نصوص سے اور نہ شرعی قواعد سے' اس لیے کہ اگر کسی چیز کے وجوب' ندب یا اباحت پر کوئی شرعی دلیل موجود ہے تو وہ بدعت نہیں ہو سکتی اور وہ عمل مامور بہا اعمال میں داخل ہو گا یا اُن اعمال میں جن کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار حاصل ہو' پس ایک طرف یہ قول کرنا کہ یہ چیزیں بدعت ہیں اور دوسری طرف یہ کہنا کہ [شرعی] دلائل ان کے وجوب' ندب یا اباحت پر دلالت کرتی ہے' دو منافی اور آپس میں مخالف چیزوں کو ایک جگہ جمع کرنا ہے [یعنی اجتماع بین الضدین ہے]۔''

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

علامہ ابن حجر ہیتمی[(۱)] نے لکھا ہے: إن البدعة الشرعية ضلالةٌ كما قال ﷺ. ومَن قسمها من العلماء إلى حسن وغير حسن فإنما قسم البدعة اللغوية، ومَن قال: كل بدعة ضلالةٌ فمعناه البدعة الشرعية. [الفتاوی الحدیثیۃ: ۲۷۰، السوال: ۳۰۳]

''شرعی بدعت ضلالت ہوتی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ جن علماء نے بدعت کو حسن اور غیر حسن میں تقسیم کیا ہے، وہ لغوی بدعت ہے [نہ کہ شرعی بدعت] اور جس نے ہر بدعت کو گمراہی کہا ہے، تو وہ شرعی معنوں میں [شرعی بدعت کو کہتے ہیں، نہ کہ لغوی بدعت]۔''

دوسری بحث: بعض امور قرون اولیٰ میں بدعت تھے۔

پہلی مثال: تثویب

مولانا حمد اللہ صاحب لکھتے ہیں: إن بعض الأمور كانت بدعة في القرون الأولى لكن للتواني في الأمور والمصلحة أخرى يجوز فعلها، منها التثويب، فإنه روي أن ابن مسعود ﷺ دخل مسجداً فثُوِّبَ فيه فقال لتلميذه: أخرج بنا من مسجد هذا المبتدع، ومع ذلك أجاز العلماء التثويب على التواني في الأمور الدينية. [البصائر: ۱۴۵، پشاور، ۱۷۵، ترکی]

''بعض امور ایسے بھی ہیں جو قرونِ اولیٰ میں بدعت کے زمرہ میں داخل تھے لیکن دینی امور میں نرمی اور کچھ مصلحت کی وجہ سے آج اُن پر عمل پیرا ہونا جائز ہے، ان میں سے ایک تثویب ہے، اس لیے کہ روایت کی گئی ہے کہ سیدنا ابن مسعود ﷺ ایک مسجد میں داخل ہوئے جس میں تثویب کی گئی تو آپ نے اپنے شاگرد سے فرمایا: ہمیں اس بدعتی کی مسجد سے باہر لے چلو، اور اس کے باوجود علماء نے امور میں رعایت اور نرمی کی خاطر تثویب کی اجازت دی ہے۔''

پہلے تثویب کے بارے میں کچھ سن لیجیے پھر مولانا صاحب کی عبارت پر تبصرہ کروں گا۔

---

(۱) احمد بن محمد بن علی بن حجر ہیتمی مکی مصری شافعی، انصاری، سعدی، شہاب الدین، شیخ الاسلام، غربی مصر کے محلہ ابوالہیتم میں ۹۰۹ھ = ۱۵۰۴ء کو پیدا ہوئے۔ فقیہ اور باحث تھے۔ ازہر میں علم حاصل کیے۔ علم الفقہ میں بڑی مہارت حاصل تھی۔ مکہ مکرمہ میں ۹۷۴ھ = ۱۵۶۷ء کو وفات پائی۔
[النور السافر: ۳۹۰-۳۹۱، الاعلام ۱: ۲۳۴]

تثویب کے لغوی معنی اِعلام بعد الاعلام کے ہیں، جب کہ شریعت میں اس کا اِطلاق دو چیزوں پر ہوتا ہے۔ ایک: حَیْعَلَتَیْنِ[حَيَّ عَلَى الصَّلاة، حَيَّ عَلَى الْفَلاَحِ] کے بعد اَلصَّلاَةُ خَيْرٌمِّنَ النَّوْمِ کہنا، یہ تثویب فجر کے ساتھ مخصوص ہے۔ حدیث کی کتابوں میں تثویب سے یہی مراد ہے۔

تثویب کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ اذان و اِقامت کے درمیان اَلصَّلاَةُ جَامِعَةٌ یاحَيَّ عَلَى الصَّلاَةِ یا اسی قسم کا کوئی اور جملہ استعمال کرنا، اس معنی کے لحاظ سے تثویب کو اکثر علماء نے مکروہ اور بدعت کہا ہے اس لیے کہ یہ تثویب عہد رسالت اور عہد صحابہ کرام ﷺ میں ثابت نہیں۔

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایسی کوئی روایت حدیث کی کتابوں میں نظر سے نہیں گزری، البتہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مجاہد سے مروی ہے: دخلتُ مع عبدالله بن عمر مسجدا وقد أُذِّنَ فيه، ونحن نريد أن نصلي فيه فثوَّبَ المؤذنُ فخرج عبدالله بن عمر من المسجد وقال: أخرج بنا من عند هذا المبتدع، ولم يصل فيه.

[سنن ترمذی، ابواب الصلاة، باب ماجاء فی التثویب فی الفجر[۱۴۵] حدیث:۱۹۸]

"میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی معیت میں داخل ہوا، جہاں اذان ہو چکی تھی، ہمارا ارادہ وہاں نماز پڑھنے کا تھا۔ مؤذن نے تثویب کی تو سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مسجد سے نکلے اور فرمایا: ہمیں اس بدعتی کے پاس سے لے چلو، اور اس [مسجد] میں نماز نہیں پڑھی۔"

امام ابوداودؒ نے مجاہدؒ ہی سے یہ روایت اِن الفاظ میں نقل کی ہے:

كنتُ مع ابن عمر فثوَّبَ رجلٌ في الظهرِ أو العصر، قال: أخرج بنا فإنَّ هذه بدعةٌ.

[سنن ابی داود، کتاب الصلاة[۲] باب فی التثویب[۴۵] حدیث:۵۳۸]

"میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا کہ ایک شخص نے ظہر یا عصر کی نماز میں تثویب کی تو آپ نے فرمایا: ہمیں یہاں سے نکال لو اس لیے کہ یہ [تثویب] بدعت ہے۔"

امام سرخسیؒ (۱) نے اس روایت کو مجاہد کے حوالے سے ان الفاظ میں نقل کیا ہے: دخلتُ مع ابن

---

(۱) محمد بن احمد بن سہل ابوبکر، شمس الائمہ، قاضی اور حنفی فقیہ و مجتہد تھے۔ سرخس [خراسان] سے تعلق تھا۔ المبسوط اُن کی نہایت قیمتی تصنیف ہے، جسے اوزجند [فرغانہ] کے جیل میں تہہ خانہ میں اَسارت کی حالت میں اِملاء کروایا خاقان کو نصیحت کرنے کی پاداش میں جیل کی ہوا کھانی پڑی تھی۔ رہائی کے بعد فرغانہ میں رہائش اختیار کی ......

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

عمر رضي اللّٰه عنهما مسجداً نصلي فيه الظهر فسمع المؤذن يُثَوِّبُ فغضب وقال: قم حتى نخرج من عند هذا المبتدع، فما كان التثويب على عهد رسول الله ﷺ إِلّا في صلاة الفجر. [المبسوط ۱: ۱۳۰-۱۳۱]

''میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی معیت میں نمازِ ظہر پڑھنے کے لیے داخل ہوا تو اُنہوں نے مؤذن کو [ظہر کی اذان میں] تثویب کرتے ہوئے سنا تو غصہ ہوئے اور فرمایا: کھڑے ہو جاؤ تا کہ ہم اس مبتدع کے ہاں سے باہر چلیں، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں تثویب صرف صبح [کی اذان] میں ہوا کرتی تھی۔''

اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ [(1)] کے بارے میں فقہاء نے لکھا ہے: أن عليّاً رضي الله عنه رأى مؤذناً يُثَوِّبُ في العشاء فقال: أخرجوا هذا المبتدع من المسجد. [المبسوط ۱: ۱۳۰، بحر الرائق ۱: ۲۶۱]

''سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک مؤذن کو عشاء [کی اذان] میں تثویب کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: اس بدعتی کو مسجد میں سے نکال باہر کرو۔''

یاد رہے کہ سیدنا ابومحذورۃ رضی اللہ عنہ [(2)] فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مجھے اذان کی تعلیم دی اور فرمایا: فإن كان صلاة الصبح قلتَ: الصَّلَاةُ خيرٌ من النوم، الصَّلَاةُ خيرٌ من النوم.

[سنن ابی داود، کتاب الصلاۃ [۲] باب کیف الاذان [۲۸] حدیث: ۵۰۰، ۵۰۱]

''صبح کی نماز [کی اذان] ہو تو الصَّلَاةُ خيرٌ من النوم، الصَّلَاةُ خيرٌ من النوم کہو۔''

...... جہاں ۴۸۳ھ = ۱۰۹۰ء کو وفات پائی۔ [المنتظم ۹: ۵۲، الاعلام ۵: ۳۱۵]

(۱) سیدنا علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب، ہاشمی، قرشی، نبی ﷺ کے چچا زاد اور داماد تھے۔ چوتھے خلیفہ راشد، سابقون اولون اور عشرۃ مبشرۃ میں سے ہیں۔ مکہ معظمہ میں ۲۳ ق ھ = ۶۰۰ء کو پیدا ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کے سایہ عاطفت میں پلے بڑھے۔ ۳۵ھ کو خلیفہ منتخب ہوئے۔ ۱۷ رمضان ۴۰ھ = ۶۶۱ء کو شہادت پائی۔

[الاستیعاب: ۵۲۷، ترجمہ: ۱۸۶۶، الاعلام ۴: ۲۹۵]

(۲) اوس بن مِعْيَر الجمحی ابومحذورۃ قرشی۔ رسول اکرم ﷺ کے مؤذن تھے۔ اُن کی والدہ بنوخزاعہ سے تھیں۔ غزوۂ حنین کے بعد اسلام قبول کیا۔ مکہ مکرمہ میں اذان دیتے رہے۔ ۵۹ھ = ۶۷۹ء کو وفات پائی۔

[اسد الغابہ ۵: ۲۱۵، ترجمہ: ۶۲۳۳، الاعلام ۲: ۳۱]

اورحدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

لَا تثوبَنَّ في شيءٍ من الصلوات إلّا في صلاة الفجر.

[سنن ترمذی، ابواب الصلاۃ، باب ماجاء فی التثویب فی الفجر[۱۴۵] حدیث:۱۹۸]

''فجر کی نماز[کی اذان] کے علاوہ کسی اور نماز[کی اذان] میں تثویب[اَلصَّلَاۃُ خَیْرٌمِّنَ النَّوْمِ] نہ کہنا۔''

اس سے معلوم ہوا کہ احادیث میں صبح کے اذان میں پڑھی جانے والی اَلصَّلَاۃُ خَیْرٌمِّنَ النَّوْمِ کو تثویب کہا گیا ہے، جسے اگر آج صبح کی اذان کے علاوہ کسی دوسرے وقت کی اذان میں پڑھا جائے تو یقیناً بدعت ہوگی۔

مولوی صاحب نے ایک غیر متعلقہ حدیث کو دینی امور میں نرمی برتنے کا ثبوت مہیا کرنے کی دلیل کے طور پر پیش کی ہے جس سے جوازِ بدعت کی گنجائش نکل آتی ہے اور جو اس بات کی ہرگز دلیل نہیں کہ بعض کام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں تو بدعت تھے اور آج وہ کام بدعت کے زمرہ سے نکل کو جواز و اِباحت کے زمرہ میں داخل ہو جاتے ہیں۔

مولوی صاحب نے صاحبِ ہدایہ اور دوسرے فقہاء کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

ومزيد تفصيل التثويب في الرسالة المسماة بالتحقيق العجيب في مسئلة التثويب لمولانا عبدالحي نور الله مرقده. [البصائر:۱۴۵، پشاور ۱۷۶، ترکی]

''تثویب کی مزید تفصیل مولانا عبدالحیؒ(۱) کے رسالہ اَلتَّحْقِیْقُ الْعَجِیْبِ فِيْ مَسْئَلَةِ التَّثْوِیْبِ میں دیکھی جاسکتی ہے۔''

معلوم نہیں مولانا صاحب نے مذکورہ رسالہ خود پڑھا بھی ہے یا نہیں۔ میں آپ کے سامنے اس رسالہ کی چیدہ چیدہ باتیں رکھتا ہوں۔

---

(۱) عبدالحی بن عبدالحلیم بن امین اللہ، ابوالحسنات، فرنگی محلی، موضع باندہ میں ۱۲۶۴ھ = ۱۸۴۸ء کو پیدا ہوئے۔ سترہ سال کی عمر میں علوم دینیہ کے حصول سے فارغ ہو گئے۔ حدیث اور فقہ حنفی کے جید عالم تھے۔ اصول وفروع میں حنفی ہونے کے باوجود مذہب کے معاملہ میں غیر متعصب اور دلیل کے پیچھے پیچھے چلنے والے تھے۔ ۱۳۰۴ھ = ۱۸۸۶ء کو وفات پائی۔ [نزہۃ الخواطر ۸:۲۵۲، تذکرہ علمائے ہند:۲۸۶]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

[۱]مولانا عبدالحی صاحبؒ نے تثویب کے اطلاقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اِقامت کو بھی تثویب کہا جاتا ہے'اس کے لیے اُنہوں نے صحیح بخاری کی روایت:حتی إذا ثُوِّبَ للصلاة کوذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ:والشاهدُ على أن المراد بالتثويبِ الإقامةُ رواية مسلم:فإذا سمع الإقامة'فإنّ الروايات بعضهايفسر بعضاً.[التحقیق العجیب:۴۰]

''اِس کا شاہد و دلیل کہ [احادیث میں] تثویب سے مراد اِقامت ہے' صحیح مسلم کی وہ روایت ہے جس میں مذکور ہے کہ جب [شیطان] اقامت سنے تو پیٹھ پھیر لیتا ہے' اس لیے کہ روایتیں ایک دوسرے کی تفسیر کرتی ہیں۔''

پھر فرمایا ہے کہ صبح کی اذان میں اَلصَّلاَةُ خَيْرٌمِّنَ النَّوْمِ کو بھی تثویب کہا جاتا ہے'جس کے لیے اُنہوں نے شرح معانی الآثار اور سنن ترمذی کی روایات سے استدلال فرمایا ہے۔

پھر اُنہوں نے بدعی تثویب کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: وقال إسحاق في التثويب غيرهذا: إنه شيئ أحدثه الناسُ بعد رسول الله ﷺ إذا أذَّنَ المؤذن واستبطأ القوم قال المؤذن بين الأذان والإقامةِ:قد قامت الصلاة 'حي على الصلاة 'حي على الفلاح' وهذا الذي قاله إسحاق هو التثويب الذي كرهه أهل العلم.[التحقیق العجیب:۴۰]

''اسحاق[بن راہویہؒ(۱)]نے تثویب کے بارے میں دوسری بات کی ہے۔آپ فرماتے ہیں کہ تثویب بدعت ہے جسے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے بعد ایجاد کر ڈالا جس کا طریقہ یہ ہے کہ اذان ہو جانے کے بعد جب لوگ مسجد آنے میں سست روی کا مظاہرہ کریں تو مؤذن اذان اور اِقامت کے درمیان قَدْ قَامَتِ الصَّلاَةُ 'حَيَّ عَلَى الصَّلاَةِ اور حَيَّ عَلَى الْفَلاَحِ پڑھتا ہے اور اسی تثویب کو علماء نے مکروہ کہا ہے۔''

---

(۱) اسحاق بن ابراہیم بن مَخْلَد حنظلی تمیمی مروزی ابویعقوب ابن راھَوَیہ' اپنے زمانے میں خراسان کے بہت بڑے عالم تھے۔۱۶۱ھ = ۷۷۸ء کو پیدا ہوئے۔کبار حفاظ حدیث میں سے تھے۔امام بخاری' امام نسائی اور امام ترمذی جیسے اساطین علم نے اُن کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے'چونکہ اُن کے والد کی ولادت دوران سفر ہوئی تھی اسی لیے راہویہ کہلائے۔نیشاپور میں ۲۳۸ھ= ۸۵۳ء کو وفات پائی۔[وفیات الاعیان ۱:۱۹۹' الاعلام ۱:۲۹۲]

ان دونوں باتوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ مولانا احمد اللہ صاحب کا دعویٰ تو یہ ہے کہ تثویب قرون مشہود لہا بالخیر میں بدعت تھا مگر بعد کے زمانوں میں بدعت نہیں رہا، جب کہ مولانا عبدالحی صاحبؒ کہتے ہیں کہ تثویب [فجر کی اذان میں الصلاۃ خیر من النوم کہنا اور اقامت] سنت ہے اور بعد کے لوگوں نے اذان واقامت کے درمیان تثویب شروع کی جو مکروہ ہے۔

اس کے بعد مولانا عبدالحی صاحبؒ نے بعض علمائے احناف کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شروع شروع میں اَلصَّلَاۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ اذانِ فجر کے بعد پڑھا جاتا تھا اور امام ابوحنیفہ کو منسوب کر کے لکھا ہے کہ اُنہوں نے فرمایا ہے کہ اَلصَّلَاۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ اذان کے بعد ہے نہ کہ اذان کے اندر اور فخر الاسلام بزدویؒ(1) کے حوالے سے اس کی تصحیح نقل کر کے اس پر استدراک کرتے ہوئے لکھا ہے: قلتُ: كيف يكون الصحيح كونه بعد الأذان مع ورود الأحاديث بخلافه.

[التحقيق العجيب: ۵]

"میں کہتا ہوں: یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ یہ اذان کے بعد ہوں حالانکہ اس کے خلاف احادیث وارد ہیں [کہ ان کلمات کو اذان کے درمیان میں پڑھا جاتا تھا]۔"

آگے لکھتے ہیں: وروى الطحاوي عن ابن عمر قال: كان في الأذان الأول بعد حيَّ على الفلاح: اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ، وقال الطحاوي: فهذا ابن عمر و أنس يُخبر أن ذلك مما كان المؤذنُ يؤذن في أذان الصبح، فثبت بذلك ما ذكرنا من أن الصلاة خير من النوم في الأذان، وهو قول أبي حنيفة و محمد و أبي يوسف. [التحقيق العجيب: ۶]

"امام طحاویؒ نے [شرح معانی الآثار ۱: ۱۳۷] سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے کہ پہلی اذان میں حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کے بعد اَلصَّلَاۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ موجود تھا۔ امام طحاویؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ: سیدنا ابن عمر اور سیدنا انس ؓ فرماتے ہیں کہ فجر کی اذان میں اَلصَّلَاۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ پڑھا جاتا تھا، جس سے ثابت ہوا کہ اَلصَّلَاۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ صبح کی اذان ہی میں تھا اور یہی امام

---

(1) علی بن محمد بن حسین بن عبدالکریم، ابوالحسن، فخر الاسلام بزدوی، ۴۰۰ھ = ۱۰۱۰ء کو پیدا ہوئے۔ سمرقند کے رہائشی اور اکابرینِ احناف میں سے تھے۔ نسف کے قریب ایک قلعہ بزدہ کی نسبت سے بزدوی کہلائے، ۴۸۲ھ = ۱۰۸۹ء کو وفات پائی۔ [الجواہر المضیۃ ۱: ۳۷۲، الفوائد البہیۃ: ۲۰۹، ترجمہ: ۲۶۷، الاعلام ۴: ۳۲۸]

MAKTABA TUL ISHAAT - مکتبۃ الاشاعت

ابوحنیفہ ؒ، امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ نے بھی فرمایا ہے۔''

مولانا عبدالحی صاحبؒ آگے لکھتے ہیں: ''فقہاء نے جس تثویب کا ذکر کیا ہے، وہ قدیم زمانے میں نہیں تھا، نہ تو رسول اللہ ﷺ کے عہد میں اس کا وجود تھا اور نہ صحابہ کرام ؓ کے زمانے میں، جیسا کہ امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے۔'' [التحقیق العجیب:۹-۱۰]

مولانا عبدالحی صاحبؒ اپنے رسالہ کے آخر میں لکھتے ہیں:

إذا عرفتَ هذا فنقولُ:التثويبُ بين الأذان و الإقامةِ قد حدث في زمان الصحابة ووقع عليه منهم النكير والإستقباح،منهم ابن عمر،كمامر من رواية أبي داود عن مجاهد،و منهم عمر كما مر من رواية ابن أبي شيبة،ومنهم علي كماصرح به العيني في البناية شرح الهداية،فقد استقر كونه بدعة مستنكرة في عهدالصحابة،فلايرفعه استحسان مستحسن بدليل عقلي، فكيف يستقيم استحسانهم للكل في الكل مع ورود هذه الآثارالدالة على الإنكار؟[التحقیق العجیب:۱۹]

''جب تم یہ جان چکے تو ہم کہتے ہیں کہ اذان و اقامت کے درمیان کی تثویب کی بدعت صحابہ کرام ؓ کے زمانے میں شروع ہوئی اور صحابہ کرام ؓ نے اس پر نکیر فرمائی اور اسے برا کہا جیسا کہ سیدنا ابن عمر ؓ سے بسند مجاہد سنن ابی داودؒ کی روایت میں تذکرہ ہوا اور مصنف ابن ابی شیبہؒ کے حوالے سے سیدنا عمر ؓ کی روایت سے گزرا اور جیسا کہ سیدنا علی ؓ کے حوالے سے گزرا جیسا کہ علامہ عینیؒ نے البنایہ شرح الہدایہ میں فرمایا ہے،پس فیصلہ یہ ہوا کہ صحابہ کرام ؓ کے زمانے میں اسے قبیح بدعت قرار دیا گیا ہے اس لیے کسی عقلی دلیل کی وجہ سے کسی مستحسن کا اِستحسان اسے بدعت کے درجے سے اوپر نہیں اُٹھا سکتا اور صحابہ کرام ؓ کا اس سے اِنکار [اس کو براجاننے] کی روایات کی موجودگی میں ہر کسی کے لیے خواہ وہ کسی بھی حالت میں ہو اسے کیسے مستحسن کہا جا سکتا ہے؟''

مولانا حمد اللہ صاحب سے ہم بجا طور پر امید رکھتے ہیں کہ وہ مولانا عبدالحی صاحب لکھنویؒ کی ان عبارات کے تناظر میں اپنی اس عبارت پر نظر ثانی فرمائیں گے۔

دوسری مثال: تَلَفُّظ بِالنِّیَّةِ

دوسری مثال مولانا صاحب نے ان الفاظ میں پیش کی ہے: ومن ذلك التلفظُ بالنيةِفي الصلاةِ فإنه مستحسنٌ ' ومع ذلك ما نُقِلَ عن النبي ﷺ ولا من الصحابة ﷺ ولا التابعين كما صرح به في الدرالمختار: ٥٢'والتلفظ عندالإرادةِ بهامستحبٌ'وهو المختار.

[البصائر:۱۴۶]

''اس میں سے ایک زبان سے نیت کہنا ہے'اس لیے کہ یہ مستحسن ہے باوجودے کہ یہ نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام ﷺ اور تابعین سے منقول نہیں' جیسا کہ درمختار:۵۲ میں اس کی تصریح ہے اور پسندیدہ و مستحب یہ ہے کہ زبان سے نیت کے الفاظ ادا کیے جائیں۔''

مولوی صاحب کی خدمتِ اَقدس میں عرض ہے کہ:

الإستحبابُ حكمٌ شرعيٌّ'لَابُدَّ لَهَا مِن دليل. [ردالمحتار۵:۲۸۸]

''استحباب شرعی حکم ہے'اس کے لیے دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔''

اورحافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:الإستحبابُ حكمٌ شرعيٌّ فلايثبت إلّابدليلٍ شرعي.

[مجموع الفتاویٰ ۱۸:۳۱]

''استحباب شرعی حکم ہے'اس لیے کسی شرعی دلیل کے بغیر اس کا ثبوت ممکن ہی نہیں۔''

مولوی صاحب سے پوچھنا ہے کہ تلفظ بالنیۃ کے مستحب ہونے پر کون سی شرعی دلیل موجود ہے؟

امام ابن ہمام حنفیؒ شارحِ ہدایہ لکھتے ہیں:قال بعض الحفاظ:لم يثبت عن رسول الله ﷺ بطريق صحيح ولاضعيفٍ أنه ﷺ كان يقولُ عندالإفتتاح:أصلي كذا ' ولاعن أحدٍ من الصحابةِ والتابعين'بل المنقول أنه كان ﷺ إذاقام إلى الصلاة كبر'وهذه بدعة.

[فتح القدیر ۱:۲۶۶-۲۶۷'مرقاۃ المفاتیح ۱:۹۵]

''بعض حفاظِ [حدیث] نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے کسی صحیح یا ضعیف سند کے ساتھ ثابت نہیں کہ آپ ﷺ نے افتتاحِ نماز میں یہ فرمایا ہو کہ میں فلاں وقت کی نماز پڑھتا ہوں اور نہ کسی صحابی یا تابعی سے یہ [تَلَفُّظ بِالنِّیَّةِ] ثابت ہے' بلکہ نبی اکرم ﷺ سے یہ منقول ہے کہ جب آپ ﷺ نماز کا ارادہ کرتے تو تکبیر پڑھتے اور یہ [تَلَفُّظ بِالنِّیَّةِ] بدعت ہے۔''

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں: كان ﷺ إذا قام إلى الصلاة قال: الله أكبر، ولم يقل شيئاً قبلها، ولا تَلَفَّظَ بالنيةِ البتة، ولا قال: أُصَلِّي للّٰه صلاةً كذا مستقبل القبلة أربع ركعاتٍ إماماً أو مأموماً ولا قال: أداءً ولا قضاءً، ولا فرض الوقت، وهذه عشرُ بدعٍ لم يَنقُل عنه أحدٌ قطُّ بإسنادٍ صحيحٍ ولا ضعيفٍ، ولا مسندٍ ولا مرسلٍ لفظةً واحدةً منها البتة، بل ولا عن أحدٍ من أصحابه، ولا استحسنه أحدٌ من التابعين، ولا الأئمة الأربعة. [زاد المعاد في هدي خير العباد ۱:۲۰۱]

''رسول اللہ ﷺ جب نماز پڑھنے کا ارادہ کرتے تو اللہ اکبر پڑھتے' اور اس سے پہلے کچھ نہ پڑھتے تھے اور نہ زبان سے نیت کے الفاظ ادا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے کبھی بھی زبان سے یہ نہیں فرمایا کہ میں اللہ کے لیے' قبلہ رُخ ہو کر' چار رکعت "بحیثیتِ امام یا مقتدی' ادا یا قضا اور فلاں وقت کی نماز پڑھتا ہوں۔ یہ دس بدعات ہیں جو آپ ﷺ سے کسی صحیح وضعیف یا مسند و مرسل روایت میں ثابت نہیں' بلکہ کسی بھی صحابی سے ثابت نہیں۔ تابعین اور ائمہ مجتہدین میں سے کسی نے بھی اسے مستحسن نہیں کہا۔''

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں: لكن له مَحملٌ عندنا مختصٌ بمن ابتلي بالوسوسة في تحصيل النية وعجز عن أدائها. [مرقاة المفاتیح ۱:۹۵]

''لیکن ہمارے نزدیک اس کا ایک محمل ہے جو اُس شخص کے ساتھ خاص ہے جو وسوسہ میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اپنے دل کو [قلبی ارادے کی طرف] متوجہ کرنے سے عاجز ہو۔''

تیسری مثال: ذکر کرتے وقت سر کو اوپر نیچے حرکت دینا

مولانا حمد اللہ صاحب لکھتے ہیں: ومنها رفع الرأسِ وخفضه في الذكر بأن يرفع رأسه عند النفي ويخفضه عند الإثبات، فإنه ذكر في الطريقة المحمدية أن هذه ليست ببدعة، بل له سندٌ، وهي رفع المسبحة عند النفي ووضعها عند الإثبات، وأما تحريك الرأس فقط من دون تحريك البدن يُمنةً ويُسرةً تحقيقاً لمعنى النفي والإثبات في لا إله إلاّ الله، فالظَّنُّ الغالبُ جوازه بل استحبابه إذا كان مع النية الصالحة.

[البصائر لمنکری التوسل باہل المقابر: ۲۰۶' پشاور ۷۷ء' ترکی]

''ان میں سے ایک لا إله إلاّ الله پڑھتے وقت سر کو اوپر نیچے حرکت دینا ہے اس طرح کہ نفی یعنی

لا اِلٰــہ پڑھتے سر کو اوپر اُٹھایا جائے اور اِثبات یعنی اِلَّا اللّٰہ پڑھتے وقت سر کو نیچے حرکت دی جائے اس لیے کہ طریقہ محمدیہ میں اس بات کو ذکر کیا گیا ہے کہ ایسا کرنا بدعت نہیں بلکہ اس کی ایک سند موجود ہے جیسا کہ نماز میں [تشہد پڑھتے وقت] نفی و اِثبات کے لیے سبابہ سے اشارہ کیا جاتا ہے۔ رہا یہ امر کہ سارے جسم کو حرکت دیے بغیر صرف سر کو دائیں بائیں گھمایا جائے تا کہ کلمہ توحید میں نفی و اِثبات کے معنی کی خوب تحقیق ہو تو غالب گمان اس کے جواز بلکہ استحباب کا ہے۔"

جواب: اَلطَّرِیْقَةُ الْمُحَمَّدِیَّةُ کے مصنف محمد بن پیر علی معروف برکوی رومی [وفات: ۹۸۱ھ] ہیں۔ [کشف الظنون ۲: ۱۱۱۱]

انہوں نے ذکر سے متعلق جو قیاس کی ہے وہ سراسر باطل و مردود ہے' اس لیے کہ یہ ایک شرعی امر کی خود ساختہ کیفیت ہے' جس کی پشت پر کوئی شرعی دلیل موجود نہیں۔

برخلاف اس کے ذوالنون مصریؒ (۱) فرماتے ہیں: مِن علامات المحب للّٰہ عزّ و جلّ: مُتابَعة حبیب اللّٰہ ﷺ في أخلاقه' و أفعاله' و أوامره' و سننه. [رسالہ قشیریہ: ۲۴' الاعتصام ۱: ۹۰]

"اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے کی علامت یہ ہے کہ اخلاق و اعمال اور تمام امور و سنن میں حبیب اللہ محمد رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرنے والا ہو۔"

ابو سلیمان الدارانیؒ (۲) فرماتے ہیں: رُبَمَا یقع فی قلبی النکتة من نکت القوم أیاماً' فلا أقبل منه الاّ بشاھدین عَدْلَیْن: الکتاب و السنة. [رسالہ قشیریہ: ۴۲' الاعتصام ۱: ۹۴]

"بسا اوقات میرے دل میں معارف و حقائق اور علومِ صوفیاء میں سے کوئی خاص اور عجیب نکتہ وارد ہو جاتا ہے' اور ایک زمانہ دراز تک وارد ہوتا رہتا ہے' مگر میں اس کو دو عادل گواہوں کی شہادت و گواہی کے بغیر قبول نہیں کرتا اور وہ دو عادل گواہ قرآن و سنت ہیں۔"

---

(۱) ان کا نام ثوبان بن ابراہیم یا فیض بن ابراہیم تھا۔ تاریخ وفات: ۲۴۵ھ ہے۔ تصوف میں منجھے ہوئے بزرگ مانے جاتے ہیں۔ علم و تقوی اور ادب میں اپنی مثال آپ تھے۔ [رسالہ قشیریہ: ۲۳]

(۲) عبد الرحمٰن بن عطیہ' داران دمشق کا ایک گاؤں کا نام ہے۔ انہوں نے ۲۱۵ھ کو وفات پائی۔ [رسالہ قشیریہ: ۴۰]

MAKTABA TUL ISHAAT - مکتبۃ الاشاعت

احمد بن ابی الحواری(۱) فرماتے ہیں:

مَن عَمِل عملاً بِلا اتباع سنةِ رسول الله ﷺ فباطلٌ عمله. [رسالہ قشیریہ:۴۵]

''جو شخص کوئی عمل بلا اِتباعِ سنتِ نبوی ﷺ کرتا ہے' اُس کا عمل باطل ہے۔''

ابو حفص عمر بن مسلمۃ الحدّاد(۲) فرماتے ہیں: مَن لم یزن أفعالَهُ' وأحوالَهُ في كل وقت بالكتاب والسنة' ولم يتهم خواطره' فلا نعده في ديوان الرجال. [رسالہ قشیریہ:۴۵]

''جو شخص ہر وقت اپنے افعال واحوال کو کتاب وسنت کی میزان میں نہیں تولتا اور اپنے خواطر قلبی [وارداتِ قلبیہ] کو متہم [نا قابلِ اطمینان] نہیں سمجھتا ہم اُس کو مردانِ راہِ تصوف میں شمار نہیں کرتے۔''

جُنَید بغدادی(۳) فرماتے ہیں: الطُّرُقُ كلها مسدودةٌ على الخلق إلّا على مَن اقتفى أثر الرسول ﷺ. [رسالہ قشیریہ:۵۰' الاعتصام ۱:۹۵]

''وُصول إلى الله [اللہ تک پہنچنے] کے جتنے راستے عقلاً ممکن ہو سکتے ہیں' وہ سب کے سب بجز اِتباعِ آثارِ رسول اللہ ﷺ کے تمام مخلوق پر بند کئے گئے ہیں [رسول اللہ ﷺ کی اِقتداء اور پیروی کیے بغیر کوئی بھی شخص ہرگز تقرب الی اللہ حاصل نہیں کر سکتا]۔''

یہ بھی ارشاد فرمایا: من لم يحفظ القرآن' ولم يكتب الحديث لايُقتدَى به في هذا الأمر' لأن علمنا هذا مقيدٌ بالكتاب والسنة. [رسالہ قشیریہ:۵۱]

''جو شخص قرآن کی معرفت حاصل نہ کرے' اور احادیث نبویہ نہ لکھے' اس معاملہ [تصوف] میں اُس

---

(۱) عبدالرحمٰن بن عطیہ' داران دمشق کا ایک گاؤں کا نام ہے۔ اُنہوں نے ۲۱۵ھ کو وفات پائی۔ [رسالہ قشیریہ:۴۰]

(۲) کُورداباذ کے باشندے تھے' جو نیسابور کے قریب' بُخاری کے راستہ میں ہے۔ ائمہ اور سادات میں سے تھے۔ ۲۶۰ھ کے لگ بھگ وفات پا گئے۔ [رسالہ قشیریہ:۴۵]

(۳) سید الطائفہ ابو القاسم جنید بن محمد' ان کا تعلق نہاوند سے تھا۔ عراق میں پیدا ہوئے' ان کے والد شیشہ فروش تھے' اس لیے قواریری سے مشہور ہوئے۔ امام ابو ثور کے مذہب کے فقیہ تھے' اور اُن کی موجودگی میں اُن ہی کے حلقہ درس میں فتوی دیا کرتے تھے' اُس وقت اُن کی عمر بیس سال کی تھی۔ ۲۹۷ھ تاریخ وفات ہے۔ [رسالہ قشیریہ:۵۰-۵۱]

کی اِقتدا نہیں کرنی چاہیے‘ اس لیے کہ ہمارا علم قرآن وسنت کے ساتھ مقید ہے۔“

یہ بھی اُن ہی کا قول ہے: مذ هبنا هذا مُقَيَّدٌ بأصول الكتاب و السنة.

[رسالہ قشیریہ: ۵۰‘ الاعتصام ۱: ۹۵]

”ہمارا یہ مذہب وطریقہ قرآن وسنت کے اصول کے ساتھ مقید ہے۔“

تیسری بحث: مسئلہ دعاء

14 مولوی صاحب لکھتے ہیں: و هذا بحثٌ أهم لأنه قد كثر الشغب فيه و جرت فيه مناظرةٌ و وقعت على الفئة المنكرةِ فضيحةٌ‘ ولم يأتوا هنالك بدليلٍ شافٍ من كتب الأحناف‘ و ذلك في بلدة هوسئ من مضافات مردان بدعوة مولانا و أولانا المحب في اللّٰه و المبغض في اللّٰه ميان گل رحمه اللّٰه المخلص في خدمة الدين‘ و العبدالضعيف أيضاً حضرفي تلك الواقعة‘ و كانت عليهم داهية دهياء‘ و رأى العبد الضعيف فضيحتهم.

[البصائر لمنکری التوسل باہل المقابر: ۱۳۶]

”یہ نہایت اہم بحث ہے اس لیے اس کا بکثرت چرچا ہوا اور اس مسئلہ میں ایک عظیم مناظرہ ہوا جس میں منکرین کو فضیحت اُٹھانی پڑی‘ وہاں انہوں نے اَحناف کی کتابوں سے کوئی کافی شافی دلیل پیش نہیں کی۔ یہ مناظرہ موضع ہوسئ ضلع مردان میں مولانا مولوی میاں گل جان صاحب کے ایماء پر ہوا تھا‘ جو ہم میں سب سے بہتر اور اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت میں بہت مخلص ہیں اور یہ کمزور بندہ بھی اس واقعہ میں حاضر تھا۔ مخالفین پر بہت بڑی مصیبت آن پڑی اور اس کمزور بندہ نے اُن کی رسوائی دیکھی (۱)۔“

---

(۱) یہ مناظرہ ۱۹۵۹ء میں ہماری مسجد میں وقوع پذیر ہوا تھا۔ اس کی وجہ بنیادی طور پر یہ بنی تھی کہ ایک شخص جو اخوند باباؒ کے نام سے مشہور تھے‘ اُس کا بھوسہ کسی نے چرالیا تھا وہ ہر نماز کے بعد اعلان کرتا تھا کہ بھائیو! میرے حق میں دعاء کرو کہ جس شخص نے میرا بھوسہ چوری کیا ہے اسے اللہ تعالیٰ ایسی ایسی سزا دے۔ کئی روز تک تو یہ بددعاء ہوتی رہی‘ ایک دن میرے چچا مولوی عبدالودود صاحبؒ [وفات: ۱۱ فروری ۱۹۹۱ء] میرے والد مولوی عبدالمعبود صاحبؒ [وفات: ۲۵ دسمبر ۱۹۹۳ء] کی جگہ نماز کی امامت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ ......

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

...... اخوند باباؒ نے نماز سے فراغت کے بعد حسب معمول بد دعاء کرنے کی درخواست کی جس پر میرے چچا مولوی عبدالودود صاحبؒ نے اُن سے کہا کہ ہمارے اس علاقے میں جو دعاء سنتوں کے بعد رائج ہے اس کا کوئی شرعی ثبوت نہیں۔اس پر اخوند باباؒ نے غصہ ہو کر قرآن مجید ہماری مسجد سے اٹھایا اور دوسری مسجد میں چل کر وہاں اعلان کیا کہ وہ لوگ تو دعاء نہیں مانتے۔اس سے ایک بحث چڑ گئی اور ایک دن مولوی میاں گل جان صاحبؒ اور شیخ سید عبدالسلام صاحب رستمیؒ کا اس موضوع پر مباحثہ ہوا جس سے لوگوں میں یہ تأثر لیا کہ مولوی میاں گل جان صاحبؒ لاجواب ہو گئے'اُن کے حلقہ اثر میں یہ خبر پھیلی تو انہوں نے اعلان کیا کہ ہم اپنے مولوی صاحب کو جتوائیں گے۔

طے یہ پایا کہ مولوی میاں گل جان صاحبؒ اور شیخ عبدالسلام صاحبؒ کے مابین مناظرہ ہو لیکن بڑے بڑوں نے فیصلہ کیا کہ شیخ عبدالسلام صاحبؒ کے بجائے شیخ القرآن محمد طاہر صاحبؒ مناظرہ کریں گے۔شیخ القرآنؒ ان دنوں سکندری'مردان میں درسِ قرآن مجید دیا کرتے تھے۔دارالعلوم تعلیم القرآن رستم کے سابقہ ناظم اور ہمارے گاؤں کے باشندہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب محترم امین اللہ صاحبؒ کی معیت میں مردان چلے گئے اور شام کو شیخ القرآن کی معیت میں طلباء کی ایک جم غفیر کے ساتھ ہوسئی میں آوارد ہوئے۔میرے چچا مولوی عبدالودود صاحبؒ رستم چلے گئے اور وہاں سے شیخ عبدالسلام صاحب کو اپنے ساتھ لائے۔

اس واقعہ کے چشم دید گواہ شیرین کاکاؒ'چمنے کاکاؒ اور شیرزادہ لالاؒ ہیں (۱)۔وہ کہتے ہیں کہ رات کا کھانا کھانے کے

(۱) محترم شیرزادہ لالا ۷۱مارچ ۲۰۱۵ء کو مغرب کی نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں آئے۔ابھی اقامت شروع نہیں ہوئی تھی کہ عارضۂ قلب سے دوچار ہوئے اور گر کر جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔

بعد ان لوگوں نے یہ مشورہ کیا کہ کل صبح شیخ القرآن کو ہاتھ میں قرآن مجید اٹھانے کا موقع نہ دو ورنہ وہ میدان مار لیں گے۔یہ مشورہ بھی ہوا کہ ہم اُن سے پوچھیں گے کہ صلاۃ استسقاء—جو سنت نماز ہے—کے بعد دعاء ثابت ہے کہ نہیں؟اور جب یہ اِثبات میں جواب دیں گے تو ہم شور مچا کر اعلان کریں گے کہ مناظرہ میں جیت ہماری ہوئی۔وہی ہوا جس کا منصوبہ بنایا گیا تھا۔سب سے پہلے صاحب حق مولوی عبدالحق سکنہ گڑھی دولت زئی'مردان نے[جن کا تعلق بریلوی مکتب فکر سے تھا] ہاتھ پر ہاتھ مارا اور لوگوں کے شوروشغب میں اعلان کیا کہ ہمارے مولوی میاں گل جان صاحب جیت گئے ہیں۔

یہ ہے اس مناظرے کی روداد جسے مولوی صاحب یہ رنگ دے رہے ہیں۔یہ وہی مسجد ہے جس میں میرے والد صاحبؒ اور میرے چچا صاحبؒ فرائض امامت وخطابت انجام دیتے رہے ہیں اور اُن کے بعد آج تک میں اس میں فرائضِ امامت وخطابت انجام دیتا ہوں۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ مولوی میاں گل جان صاحبؒ نے اپنے اس موقف سے رجوع کر لیا تھا چنانچہ......

مولوی صاحب آگے لکھتے ہیں: حرر العلماء فيه رسائل، منها رسالة مولانا المعروف كالشمس في نصف النهار مولانا الحاج شائستہ گل المتوي المسماة بالحجة المنقولة في أحكام الأدعية المعمولة. [البصائر:۱۴۶، پشاور، ۱۷۷-۱۷۸، ترکی]

''علماء نے اس مسئلہ سے متعلق کئی رسالے لکھے ہیں جن میں سے ایک رسالہ نصف النہار کے سورج کی طرح کے مشہور عالم مولانا الحاج شائستہ گل صاحب سکنہ متہ [سنگاؤ، ضلع مردان] کا ہے جس کا نام الحجة المنقولة في أحكام الأدعية المعمولة ہے۔''

مولوی صاحب کی اس عبارت سے اُن کے قلبی رجحان و میلان کا اندازہ ہوتا ہے۔ مولوی

......اُنہوں نے مجھے اُن سے ملنے کے لیے کہلا بھیجا۔ ۲۷ مئی ۱۹۸۳ء کو ایک مختصر سے مباحثہ کے بعد محترم صوبہ دار حبیب الرحمٰن صاحبؒ نے مولوی صاحب کے حکم پر درج ذیل فیصلہ لکھا:

''دعاء مانگنا مستحب ہے اور فرض نماز کے بعد مسنون ہے۔ سنت و نوافل کے بعد دعاء کو لازمی قرار دینا بدعت ہے لیکن اگر کوئی دعاء مانگے تو اُس پر ملامت نہیں۔ دعاء بطور التزام شریعت سے ثابت نہیں۔''

تنبیہ: محترم محمد مظہر صاحب لکھتے ہیں: ''۱۹۵۹ء میں ہوسئی نامی گاؤں میں عبدالرحمٰن خان نے بغرضِ تلاشِ حق شیخ القرآن اور اُن کے مخالف علماء کے درمیان ایک مناظرے کا اہتمام کیا۔......عبدالرحمٰن خان نے آپ کی بڑی عزت کی۔ بعد میں پنج پیر آ کر آپ کی خدمت میں حاضری دی اور آپ کے ساتھی بنے۔''

[شیخ القرآن محمد طاہر- أفکار و آثار:۱۷۶-۱۷۷]

اس عبارت میں کئی تسامحات ہیں۔ عبدالرحمٰن خان نے نہ تو مناظرے کا اہتمام کیا تھا اور نہ اُس نے حق کا ساتھ دیا تھا۔ وہ تو ابتدا ہی سے اس مسئلہ کے مخالف تھے اور آخر تک مخالف رہے، بلکہ جب بھی اُس کا بس چلتا وہ حق اور اہلِ حق کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتے۔ اس مناظرے کا سارا بندوبست حاجی حق نواز خان صاحبؒ بن سرفراز خان صاحبؒ نے کیا تھا اور جب مخالفین میں سے بعض شرپسندوں نے اسلحہ کے زور پر حالات کو خراب کرنا چاہا تو آں جناب نے مسجد کے چھت پر مسلح لوگوں کو بٹھایا اور انہیں حکم دیا کہ شرپسند اگر کوئی غلط حرکت کریں تو ان کو فوراً گولی مارا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کسی کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ شیخ القرآنؒ اور اُن کے ساتھیوں کو کوئی تکلیف دے۔

رہا اُن کا پنج پیر جانا سو عرض ہے کہ وہ پنج پیر ضرور گئے تھے، لیکن کس مقصد کے لیے؟ یہ کسی کو معلوم نہیں۔ وہ شیخ القرآن کو نرپختون کہا کرتے تھے اور اُس کی وجہ یہ تھی کہ پنج پیر میں جب اُن کی خاطر تواضع کی گئی تو اپنے خادمِ [حجاب کاکاؒ] سے حقہ پلانے کی فرمائش کی، جس پر خادِم نے کہا کہ علماء کے ہاں حقہ نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی، مگر انہیں وہاں حقہ پینے کی اجازت دی گئی، جس پر وہ خوش ہو گئے۔

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

شائستہ گل صاحب کا تعلق بریلوی مکتبِ فکر سے تھا' اُن کی اولاد کا رجحان و تعلق بھی اسی مکتبِ فکر سے ہے۔علمائے دیو بند میں سے مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ نے اس مسئلہ پر النفائس المرغوبۃ کے نام سے ایک مدلل کتاب لکھی ہے۔معلوم نہیں مولوی صاحب اُن کا نام کیوں نہیں لیتے؟

مولوی صاحب لکھتے ہیں: وأما الدعاء بعد الفراغ من العمل الصالح فهي قاعدةٌ متقررةٌ في الشرع، ولذا ذكر العلماء أن الدعاء بعد الفراغ من العبادة قاعدةٌ شرعيةٌ، ألاترى إلى إبراهيم وإسماعيل عليهما السلام لما فرغا من بناء الكعبةِ دَعا حيث قالا: رَبَّنَاتَقَبَّلُ مِنَّا إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ، كما هو مذكور في القرآن العظيم، وكذا ورد بعد تمام الصوم: أللهم إني لك صمتُ وبك امنتُ وعلى رزقك أفطرتُ فاغفرلي.

[البصائر: ۱۴۷' پشاور' ۱۹۷۰ء ترکی]

''کسی نیک عمل سے فارغ ہونے کے بعد دعاء کرنا مقرر شرعی قاعدہ ہے' اس لیے علماء نے کہا ہے کہ عبادت سے فارغ ہونے کے بعد دعاء کرنا شرعی قاعدہ ہے' تم سوچتے نہیں کہ سیدنا ابراہیم اور سیدنا اسماعیل علیہما السلام کعبہ کی تعمیر سے جب فارغ ہوئے تو انہوں نے رَبَّنَاتَقَبَّلُ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ والی دعاء مانگی' جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے اور اسی طرح روایات میں وارد ہے کہ جب روزہ پورا ہو جائے تو یہ دعاء پڑھی جائے: أَللّٰهُمَّ إِنِّي لَكَ صُمْتُ وَبِكَ امَنْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ أَفْطَرْتُ فَاغْفِرْلِيْ۔''

ہمیں عبادات کے بعد اذکار و ادعیہ پڑھنے پر کوئی اعتراض نہیں' لیکن اس مقصد کے لیے مولوی صاحب نے جو دلائل پیش فرمائے ہیں وہ نادرست ہیں۔

– قرآن مجید میں یہ بات کہیں بھی موجود نہیں کہ سیدنا ابراہیم اور سیدنا اسماعیل علیہما السلام نے تعمیرِ کعبہ سے فراغت کے بعد یہ دعاء مانگی تھی بلکہ اُنہوں نے خانہ کعبہ کی بنیادیں اُٹھاتے وقت یہ دعاء کی تھی۔قرآنی الفاظ وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرٰهِمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمٰعِيْلُ اس کا واضح ثبوت ہے۔

رہی اِفطار کے وقت والی دعاء سے استدلال' سو اس کی اسنادی حیثیت ایسی نہیں کہ اس سے استدلال کیا جائے۔یہ روایت کئی طرق سے مروی ہے:

طریق معاذ بن زہرہ: أن النبي ﷺ كان إذا أفطرَ قال: أللهم لك صمتُ، وعلى رزقك أفطرتُ. [سنن ابی داود، کتاب الصوم[۸] باب القول عند الإفطار[۲۲] برقم:۲۳۵۸]

''نبی اکرم ﷺ جب روزہ افطار کرتے تو یہ دعاء پڑھتے: أللهم لك صمتُ، وعلى رزقك أفطرتُ۔''

اس روایت کا آخری راوی معاذ بن زہرہ ہے، جس کا ذکر حافظ ابن حبان نے الثقات ۷:۴۸۲ میں تابعین کے ذیل میں کیا ہے۔ امام بخاری نے [تاریخ کبیر ۱:۲۲۷، ترجمہ:۷۱۱] میں اس کا نام محمد بن معاذ لکھا ہے۔ اس کی وثاقت اور عدم وثاقت کا تذکرہ کسی نے بھی نہیں کیا ہے۔ اصول کے لحاظ سے یہ راوی مجہول ہے۔

وہ کہتے ہیں: بلغني أن النبي ﷺ كان إذا أفطرَ قال.......

پس یہ روایت تابعی کی مرسَل ہے اور مرسل حدیث دین میں حجت نہیں ہے۔ حدیث نبوی کے جمہور حفاظ و نقاد کی آخری و حتمی رائے یہی ہے اور اسی فیصلہ کو انہوں نے اپنی تصانیف میں درج کیا ہے۔

امام مسلم فرماتے ہیں: المرسل من الروايات في أصل قولنا وقول أهل العلم بالأخبار ليس بحجة. [صحیح مسلم، المقدمۃ، ۱:۳۰]

''ہمارے اور محدثین کے اصل قول کے مطابق مرسل روایت حجت نہیں۔''

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: المرسل ضعيفٌ، لا حُجَّة فيه.

[فتح الباری ۱:۲۵۱، ۲:۱۷۵، ۵:۱۹۰، ۱۱:۲۶۷]

''مرسل ضعیف ہوتی ہے اور حجت نہیں ہوتی۔''

کیونکہ اس میں غیر معروف راوی کو حذف کیا جاتا ہے جو غیر ثقہ بھی ہوسکتا ہے جب کہ معتبر روایت وہ ہوتی ہے جس کا راوی ثقہ ہو اور مجہول حجت نہیں بن سکتا:

لأنه حُذِف منه راوٍ غير معروف وقد يكون غير ثقة، والعبرة في الرواية بالثقة واليقين، ولا حُجَّة في المجهول. [الباعث الحثيث شرح اختصار علوم الحديث:۵۸، ہامش:۱]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

طریق سیدنا انس بن مالک ﷺ: كان النبي إذا أفطرَ قال: بسم الله، اللهم لكَ صُمتُ وَ على رزقك أفطرتُ. [معجم اوسط ۵: ۳۴۴، برقم: ۵۴۹۷، معجم صغیر ۲: ۵۲]

''رسول اللہ ﷺ جب روزہ اِفطار کرتے تو یہ دعاء پڑھتے: بسم الله، اللهم لكَ صُمتُ وَعلى رزقك أفطرتُ.''

-اس روایت کا ایک راوی اسماعیل بن عمرو بَجَلی ہے، جو ضعیف تھا۔

[میزان الاعتدال ۱: ۲۳۹، ترجمہ: ۹۲۲]

-اس کا ایک اور راوی داود بن زبرقان رقاشی ہے جو متروک الحدیث تھا۔ امام ازدی نے اسے کذّاب کہا ہے۔ [تقریب التہذیب: ۲۳۴، ترجمہ: ۱۷۸۵]

طریق سیدنا ابن عباس ﷺ: كان النبي ﷺ إذا أفطرَ قال: صُمتُ لَكَ وَعلى رزقك أفطرتُ فتقبَّل مني إنك أنت السميع العليم. [معجم کبیر ۱۲: ۱۱۳-۱۱۴، برقم: ۱۲۷۲۰]

''رسول اللہ ﷺ جب روزہ اِفطار کرتے تو یہ دعاء پڑھتے: صُمتُ لَكَ وَعلى رزقك أفطرتُ فتقبَّل مني إنك أنت السميع العليمُ.''

اس کا مرکزی راوی عبدالملک بن ہارون بن عنترۃ عن ابیہ عن جدہ نقل کرتا ہے، جب کہ امام حاکم لکھتے ہیں: یہ اپنے باپ کی سند سے موضوع روایات نقل کرتا ہے۔

[المدخل الى معرفة الصحيح من السقيم: ۱۸۷، ترجمہ: ۱۳۰، لسان المیزان ۴: ۷۲، ترجمہ: ۲۱۳]

امام یحییٰ بن معین کہتے ہیں: کذاب تھا۔ امام ابوحاتم کہتے ہیں: متروک اور ذاہب الحدیث تھا۔ حافظ ابن حبان کہتے ہیں: احادیث وضع کیا کرتا تھا۔ [میزان الاعتدال ۲: ۶۶۶، ترجمہ: ۵۲۵۹]

طریق سیدنا علی ﷺ: ياعلي! إذا كنتَ صائماً في شهر رمضان فقل بعد إفطارك: أللهم لك صُمتُ، وعليك توكلتُ، وعلى رزقك أفطرتُ، يُكتبُ لك مثلُ مَن كان صائماً مِن غير أن ينقص من أجورهم شيء. [المطالب العالیۃ ۱: ۲۹۰-۲۹۱، حدیث: ۹۹۵]

''اے علی! تم جب رمضان میں روزہ رکھو تو اِفطار کرنے کے بعد یہ دعاء پڑھو: أللهم لك صُمتُ، وعليك توكلتُ، وعلى رزقك أفطرتُ تمہارے لیے سارے روزہ داروں کے روزہ کے برابر

اجر وثواب لکھا جائے گا بغیر اس کے کہ اُن کے اجروں میں سے کوئی کٹوتی ہو۔"

–اس کا ایک راوی حماد بن عمرو نصیبی ہے جو متروک الحدیث' منکر الحدیث اور کذاب تھا۔ احادیث وضع کیا کرتا تھا۔ [میزان الاعتدال ۱:۵۹۸' ترجمہ:۲۲۶۲]

– ایک راوی سری بن خالد ہے' جو غیر معروف ہے۔ امام ابن ابی حاتم نے اُس کا نام لکھنے پر اکتفا کیا ہے اور لکھا ہے کہ حماد بن عمرو نصیبی سے روایت لیتا ہے۔ [الجرح والتعدیل ۴:۲۸۴' ترجمہ:۱۲۲۱]

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام ؓ سے نمازِ فرض کے بعد دعاء کا حکم

[۱] ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا(۱) فرماتی ہیں: إن رسول اللهﷺ كان يقول إذا صلى الصبح حين يُسَلِّمُ: أللّهم إني أسألك علماً نافعاً ورزقاً طيباً وعملاً متقبلاً.

[مسند احمد ۶:۲۹۴' سنن ابن ماجہ' کتاب إقامة الصلوات والسنة فيها [۵] باب مايقال بعد التسليم [۳۲] حدیث: ۹۲۵]

"رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارک یہ تھی کہ صبح کی فرض نماز کا سلام پھیرتے ہی یہ دُعاء کرتے تھے:

اے اللہ! میں تجھ سے نفع مند علم' پاکیزہ رزق اور مفید [ومقبول] عمل کا طالب ہوں۔"

یہ روایت ضعیف ہے اس لیے کہ اس کو سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرنے والے اُن کا آزاد کردہ غلام ہے' جس کا نام نہیں لیا گیا ہے' اس لیے مجہول ہونے کی وجہ سے مسند احمد اور سنن ابن ماجہ کی یہ روایت تو ضعیف ہے مگر حافظ طبرانی نے ایک دوسری صحیح سند سے شعبہ از سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی سند سے اس روایت کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

---

(۱) ہند بنت سہیل المعروف ابوامیہ [حذیفہ یازادالراکب] بن مغیرہ' قرشیہ' مخزومیہ' ام سلمہ' ام المؤمنین رضی اللہ عنہا۔ مکہ معظمہ میں ۲۸ قبل ہجری = ۵۹۶ء کو پیدا ہوئیں۔ قدیم الاسلام اور عقل وکمال کے لحاظ سے مکمل ترین خاتون تھیں۔ اپنے سابقہ شوہر سیدنا ابوسلمہ ؓ بن عبدالاسد بن مغیرہ کی معیت میں حبشہ اور پھر مدینہ منورہ کی ہجرت کی۔ سیدنا ابوسلمہ ؓ مدینہ منورہ میں فوت ہوئے۔ ۴ ہجری کو رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آئیں۔ صلح حدیبیہ کے دوران اُن کے مشورہ سے رسول اللہ ﷺ نے اُن کے مشورہ سے قربانی کر کے اِحرام کھولا تھا۔ لکھنا پڑھنا جانتی تھیں۔ طویل عمر پائی۔ اُن سے ۳۷۸ احادیث مروی ہیں۔ ۶۲ھ = ۶۸۱ء کو وفات پا گئیں۔

[اسد الغابۃ ۵:۶۰۶' ترجمہ:۷۴۷۵' الاعلام ۸:۹۷]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

كان النبي ﷺ يقول بعد صلاة الفجر: اَللّٰهم إني أسألك رزقاً طيباً، وعلماً نافعاً، وعملاً متقبلاً. [معجم صغیر ۱: ۲٦۰، باب من اسمه عامر]

''نبی اکرم ﷺ فجر کی نماز کے بعد یہ دُعاء کرتے تھے: اے اللہ! میں تجھ سے پاکیزہ رزق، نفع مند علم اور مفید [ومقبول] عمل کا طالب ہوں۔''

[۲] سیدنا ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ (۱) فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے کسی نے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کن کن اوقات میں دعاء زیادہ مقبول ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: جَوفُ اللَّيلِ الآخِرُ وَدُبُرَ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوبَاتِ. [سنن ترمذی، کتاب الدعوات [۴۹] باب [۷۹] حدیث: ۳۴۹۹، عمل الیوم واللیلۃ، نسائی، صفحہ ۱۸۷، حدیث: ۱۰۸]

''آخری رات کے درمیانی حصہ میں اور [تمام پنج گانہ] فرض نمازوں کے متصل بعد جو دعاء کی جائے۔''

امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کر کے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔ اور صحیح حدیث کی طرح حسن بھی قابل عمل ہوتی ہے جیسا کہ کتب اصولِ حدیث وفقہ میں بالتصریح مذکور ہے۔

[۳] سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ (۲) فرماتے ہیں: ''ایک روز رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: اللہ کی قسم! میرا تیرے ساتھ بہت پیار ہے تو معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان جائیں واللہ! میرا بھی آپ کے ساتھ بڑا پیار ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے معاذ! میں تجھے ایک وصیت کرتا ہوں کہ ہر فرض نماز کے بعد یہ الفاظ کبھی نہ چھوڑنا: اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ. [سنن ابی داود، کتاب الصلاۃ [۲] باب فی الاستغفار [۳٦۱] حدیث: ۱۵۲۲،

---

(۱) صُدَیّ بن عجلان باہلی رضی اللہ عنہ۔ صحابی ہیں۔ جنگ صفین میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں تھے۔ شام میں رہائش پذیر تھے۔ شام کے حمص میں ۸۱ھ = ۷۰۰ء کو وفات ہوئے۔ [سیر اعلام النبلاء ۳: ۳۵۹، الاعلام ۳: ۲۰۳]

(۲) معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بن عمرو بن اوس، انصاری، خزرجی ابوعبدالرحمٰن، ۲۰ ق ھ = ٦۰۳ء کو پیدا ہوئے۔ حلال و حرام کے بہت بڑے عالم اور عہد نبوی ﷺ کے چھ حفاظ کرام میں سے تھے۔ غزوہ تبوک کے بعد رسول اللہ ﷺ نے انہیں معلم کی حیثیت سے یمن بھیجا تھا۔ مرویات کی تعداد ۱۵۷ ہے۔ ۱۸ھ = ٦۳۹ء کو وفات پائی۔
[صفۃ الصفوۃ ۱-۲: ۴۸۹، ترجمہ: ۵۱، الاعلام ۷: ۲۵۸]

الادب المفرد: ۲۳۸، حدیث: ۲۹۰]

[۳] سیدنا مغیرۃ بن شعبۃ رضی اللہ عنہ (۱) فرماتے ہیں کہ:

''رسول اللہ ﷺ جب پنج گانہ فرض میں سے کسی ایک نماز سے فارغ ہوتے اور سلام پھیر چکتے تو یہ دُعاء پڑھتے: لآ إله الله وحده لا شريك لهٗ له الملك وله الحمدُ وهو على كل شيءٍ قدير. أللهم لامانع لما أعطيتَ ولامعطي لما منعت ولا ينفع ذاالجد منك الجد (۲)''

[صحیح بخاری، کتاب الاذان [۱۰] باب الذکر بعد الصلاۃ [۱۵۵] حدیث: ۸۴۴، صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ [۵] باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ وبیان صفتہ [۲۶] حدیث: ۱۳۷-[۵۹۳]، سنن نسائی، کتاب السہو [۱۳] باب القول عند انقضاء الصلاۃ [۸۵] حدیث: ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، سنن ابی داوٗد، کتاب الصلاۃ [۲] باب مایقول الرجل اذا سلم [۳۶۰] حدیث: ۱۵۰۵]

[۴] سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ (۳) سے روایت ہے: ''رسول اللہ ﷺ پنج گانہ نمازوں کے بعد یہ دُعاء پڑھتے تھے: لآ إله الله وحده لاشريك لهٗ، له الملك وله الحمدُ وهو على كل شيءٍ قديرٌ لاحول ولاقوة إلّا بالله، لآ إله إلّا الله ولا نعبد إلّا إياهُ، له النعمة وله الفضل وله

---

(۱) مغیرہ بن شعبۃ رضی اللہ عنہ بن ابی عامر بن مسعود ثقفی، ابوعبداللہ، طائف میں ۲۰ قبل ہجری، مطابق ۶۰۳ء کو پیدا ہوئے۔ جلیل القدر صحابی ہیں۔ ۵ ہجری کو مشرف باسلام ہوئے۔ صلح حدیبیہ، جنگ یمامہ اور فتوحاتِ شام میں شریک رہے۔ جنگ یرموک میں ان کی ایک آنکھ ضائع ہوگئی۔ جنگ قادسیہ، نہاوند اور ہمدان میں بھرپور حصہ لیا۔ ان کی مرویات ۱۳۶ ہیں۔ ۵۰ھ = ۶۷۰ء کو کوفہ میں وفات پائی۔

[الاصابہ ۳: ۴۵۲-۴۵۳، الاعلام ۷: ۲۷۷]

(۲) مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دیوبندی دہلویؒ لکھتے ہیں: ''لفظ إِذَا سَلَّمَ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سنتوں سے پہلے یہ دعاء پڑھتے تھے۔'' [کفایت المفتی ۳: ۳۴۱]

(۳) عبداللہ بن زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما، قرشی، اسدی، ابوبکر، ہجرت کے بعد مسلمانوں میں پہلے مولود ہیں۔ یکم ہجری = ۶۲۲ء کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں فتح افریقہ میں شریک تھے۔ ۶۴ ہجری کو یزید کی موت کے بعد ان کے لیے خلافت کی بیعت لی گئی۔ مصر، حجاز، یمن، خراسان، عراق اور شام پر حکومت کی۔ آپ کی مدتِ خلافت نو سال ہے۔ آپ کے عہدِ خلافت میں گول سکّوں کا اِجراء ہوا۔ آپ سے ۳۳ حدیث مروی ہیں۔ ۷۳ھ = ۶۹۲ء کو شہید کر دیے گئے۔ [الاصابہ ۲: ۳۰۹، الاعلام ۴: ۸۷]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

الثناء الجميل الحسن،لآ إله إلّا الله مخلصين له الدين ولو كره الكفرون.

[صحیح مسلم۱:۲۱۸]

[۵]سیدنا عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ عنہ (۱) فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نماز فجر اور نماز مغرب کے بعد ٹانگیں موڑے بغیر جو شخص دس مرتبہ یہ دُعاء پڑھ لیا کرے تو اُس کے لیے ہر مرتبہ کے بدلے دس نیکیاں لکھی جائیں گی؛ اُس کے دس گناہ مٹا دیے جائیں گے اور اُس کے دس درجے بلند کر دیے جائیں گے اور ہر بری چیز سے اور شیطان مردود سے محفوظ رہے گا اور شرک کے سوا کوئی گناہ اُسے ہلاک نہ کر سکے گا اور وہ سب لوگوں سے افضل ہوگا؛ ہاں اگر کوئی اس سے زیادہ پڑھ کر آگے بڑھ جائے تو اور بات ہے۔

لآ إله إلّا الله وحده لاشريك له،له الملك وله الحمد بيده الخير يحيي ويميت وهو علىٰ كل شيء قدير. [مسند احمد۴:۲۲۷،سنن ترمذی، کتاب الدعوات[۴۹]باب[۶۳]حدیث ۳۴۷۴]

امام ترمذیؒ لکھتے ہیں: یہ حدیث حسن غریب اور صحیح ہے۔[سنن ترمذی۵:۴۸۱]

وجہ اس کی یہ ہے کہ اس کا راوی شہر بن حوشب اشعری شامی صدوق ہونے کے باوجود کثیر الارسال اور کثیر الاوہام تھے۔[تقریب التہذیب:۳۰۳،ترجمہ:۲۸۳۰]

[۶]رسول اللہ ﷺ نے سیدنا مسلم بن الحارث رضی اللہ عنہ (۲) سے فرمایا: إذا انصرفتَ من صلاة المغرب فقل: أللهم أجرني من النار، سبع مرات،فإنك إذاقلتَ ذلك ثم مِتَّ في ليلتك كتب لك جِوَارٌ منها وإذا صليتَ الصُّبحَ فقل كذلك، فإنك إن مِتَّ في يومك كُتِبَ لك جِوَارٌ منها. [سنن ابی داود، کتاب الادب[۳۵]باب مایقول اذا اصبح[۱۱۰]حدیث:۵۰۷۹]

''نماز فجر اور نماز مغرب کے بعد کسی سے بات کرنے سے پہلے سات مرتبہ اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِيْ مِنَ

---

(۱)عبدالرحمٰن بن غَنْم بن کریز اشعری رضی اللہ عنہ۔رسول اکرم ﷺ کے عہد میں اسلام قبول کیا تھا مگر آپ ﷺ سے ملاقات نہیں کی تھی۔اہل فلسطین اور شام کے فقیہ تھے۔۷۸ھ=۶۹۷ء کو وفات پائی۔

[اسد الغابہ۳:۳۴۴،ترجمہ:۳۳۷۷،الاعلام۳:۳۲۲]

(۲)مسلم بن حارث تمیمی رضی اللہ عنہ،صحابی ہیں۔سیدنا عثمان ذوالنورین کے دورِ خلافت میں وفات پائی۔

[تہذیب الکمال۲۷:۴۹۸،ترجمہ:۵۹۲۲]

النَّارِ پڑھ لیا کرو' اگر اس دن یا رات مر جاؤ گے تو دوزخ سے ضرور تمہیں خلاصی اور نجات ہو گی۔"

[۷] سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إذا فرغ أحد كم من صلاته فليدع بأربع ثم ليدع بماشاءَ : أللهم إني أعوذ بك من عذاب جهنم و عذاب القبر وفتنة المحيا و الممات وفتنة المسيح الدجال. [سنن کبریٰ بیہقی ۲: ۱۵۴' الاعتقاد' بیہقی: ۲۵۷]

"جب تم میں سے کوئی [فرض] نماز سے فارغ ہو جائے تو پہلے چار چیزوں سے پناہ مانگے' پھر اور دُعاء مانگے: عذاب جہنم وقبر وفتنہ حیات وممات اور [فتنہ] مسیح دجال سے۔"

[۸] سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ (۱) فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ ہر فرض نماز کے بعد تین بار استغفار کہتے اور پھر یہ دعاء پڑھتے: اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَاذَاالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ.

[صحیح مسلم' کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ [۵] باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ وبیان صفتہ [۲۶] حدیث: ۱۳۵- ۵۹۱]

[۹] سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ ﷺ نے جب بھی ہمیں نماز پڑھائی تو آپ ہماری طرف اپنے معصوم منور چہرہ پھیر کر یہ دُعاء پڑھتے تھے: اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنْ كُلِّ عَمَلٍ يُخْزِيْنِي وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ كُلِّ صَاحِبٍ يُرْدِيْنِي وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ كُلِّ أَمَلٍ يُلْهِيْنِي' وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ كُلِّ فَقْرٍ يُنْسِيْنِي' وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ كُلِّ غِنًى يُطْغِيْنِي۔

[مسند ابی یعلیٰ ۷: ۳۱۳' حدیث: ۱۵۹۷- [۴۳۵۲] الدعاء' طبرانی' حدیث: ۶۵۷]

یہ حدیث عقبۃ بن عبداللہ الاصم الرفاعی البصری کی ضعف کی وجہ سے ضعیف ہے جو کبھی کبھار تدلیس بھی کیا کرتا تھا۔ [تقریب التہذیب: ۴۲۵' ترجمہ: ۴۶۴۲]

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اس روایت کو نقل کر کے لکھتے ہیں: وعقبة شبيه ببكر في الضعف' لكن اتفاق روايتهما ترقي الحديث إلى درجة الضعيف الذي يُعمَلُ به في الفضائل.

[نتائج الافکار ۲: ۳۱۶]

---

(۱) ثوبان بن بجدد رضی اللہ عنہ' ابو عبداللہ۔ سراۃ سے تعلق تھا جو مکہ مکرمہ اور یمن کے مابین واقع ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ رسول اکرم ﷺ کے وفات پا جانے کے بعد رملۃ [فلسطین] اور پھر حمص تشریف لے گئے۔ وہاں گھر بنایا اور حمص ہی میں ۵۴ھ = ۶۷۴ء کو وفات پائی۔ [الاستیعاب: ۱:۲۷۷' ترجمہ: ۲۸۳' الاعلام ۲: ۱۰۲]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

"عقبہ بکر کی طرح کا ضعیف ہے لیکن ان دونوں کی ایک جیسی روایت حدیث کو اُس ضعیف روایت کے درجہ تک پہنچاتی ہے جس پر فضائلِ اعمال میں عمل کی جاتی ہے۔"

اس روایت کو امام ابن السنیؒ نے عمل الیوم واللیلۃ :۶۳، حدیث: ۱۲۰ میں نقل کیا ہے۔

[۱۰] سیدنا علی ؓ سے روایت ہے: رسول اللہ ﷺ جب سلام پھیرتے تو یہ دُعاء پڑھتے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ مَاقَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَاأَعْلَنْتُ وَمَا أَسْرَفْتُ وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهٖ مِنِّيْ، أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَ الْمُؤَخِّرُلَآ إِلٰهَ إِلَّآ أَنْتَ.

[سنن ابی داود، کتاب الصلاۃ[۲] باب ما یستفتح بہ الصلاۃ من الدعاء[۱۲۱] حدیث: ۷۶۰]

ان احادیث سے درج ذیل باتیں ثابت ہوتی ہیں:

[۱] رسول اللہ ﷺ کی عام اور اکثری عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ پنج گانہ نمازوں میں سے ہر فرض نماز کے بعد ذکر کرتے اور دُعاء مانگتے تھے۔

[۲] ان پنج گانہ فرض میں سے ہر فرض کے بعد دعاء کی مقبولیت کی زیادہ امید ہے کیونکہ یہ وقت دُعاء کے مقبول ہونے کا ایک خاص وقت ہے۔

[۳] پنج گانہ نمازوں میں سے ہر فرض نماز کے بعد دُعاء مانگنا ان فرضوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے جن کے بعد سنتیں نہ ہوں بلکہ بلاتخصیص ہر فرض نماز کے بعد دعاء ثابت ہے۔ خواہ اُن کے بعد سنتیں ہوں یا نہ ہوں۔

[۴] فرضوں کا سلام پھیرنے کے بعد سنتیں ادا کرنے سے پہلے رسول اللہ ﷺ اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَاذَاالْجَلَالِ وَالإِكْرَامِ کے علاوہ اور دُعائیں بھی پڑھ لیا کرتے تھے، جو مقدار میں اُس سے بڑی ہیں۔

صحابہ کرام ؓ رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرتے ہوئے ہر فرض نماز کے بعد دعاء مانگتے تھے کیونکہ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ کے اولین مخاطب اور اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ کے مصداق اول ہیں، یہی وجہ ہے کہ سیدنا معاویہ ؓ نے سیدنا مغیرہ بن شعبہ ؓ کو خط لکھا کہ رسول اکرم ﷺ فرض نماز کے بعد کون سی دُعاء پڑھا کرتے تھے؟ تو آپ نے جواب میں لکھا کہ آپ ﷺ

ہر فرض نماز کے بعد یہ دُعاء پڑھا کرتے تھے: لآ إلٰه اللّٰهُ وحده لاشريك لهٗ له الملك وله الحمدُ و هو على كل شيءٍ قدير. أللهم لامانع لما أعطيتَ و لا معطي لما منعت ولا ينفع ذاالجد منك الجد.

[صحیح بخاری، کتاب الاذان[۱۰]باب الذکر بعد الصلاۃ[۱۵۵]حدیث:۸۴۴، صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ[۵]باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ وبیان صفتہ[۲۶]حدیث:۱۳۷-[۵۹۳]،سنن نسائی، کتاب السہو[۱۳]باب القول عند انقضاء الصلاۃ[۸۵]حدیث:۱۳۴۱،۱۳۴۲،سنن ابی داوٗد، کتاب الصلاۃ[۲]باب مایقول الرجل اذا سلم[۳۶۰]حدیث:۱۵۰۵]

صحیح بخاری کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ وَرَّاد جو اس حدیث کے راوی ہیں، فرماتے ہیں:

ثُمَّ وَفَدتُّ بعدُ عَلى معاوية ؓ فسمعته يأمر الناس بذلك القول.

[صحیح بخاری، کتاب القدر[۸۲]باب لامانع لما اعطی اللہ[۱۲]حدیث:۶۶۱۵]

''میں اس کے بھیجنے کے کچھ مدت بعد[سیدنا] معاویہ ؓ کے پاس گیا تو میں نے ان سے سنا کہ وہ لوگوں کو اس کے بارے میں حکم دیتے تھے۔''

آپ نے دیکھا کہ امیر المؤمنین سیدنا معاویہ بن صخر بن حرب[ابوسفیان] رضی اللہ عنہما کا سوال یہ نہ تھا کہ فرض نمازوں کے سلام پھیر چکنے کے بعد رسول اللہ ﷺ دُعاء کرتے تھے یا نہ؟ بلکہ سوال یقین دُعاء سے تھا یعنی مجھے اتنا تو معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرائض کے بعد دُعاء مانگتے تھے لیکن میرا سوال آپ سے یہ ہے کہ وہ خاص دُعاء جو رسول اللہ ﷺ نے اپنا معمول بنا رکھا تھا وہ بتائیں اور ظاہر ہے کہ آپ ﷺ جب وہ دُعاء کرتے تھے اور عقل سلیم بھی اس بات کو تسلیم کرتی ہے کیونکہ صحابہ کرام ؓ یہ بات بخوبی جانتے تھے کہ نبی اکرم ﷺ سے بڑھ کر ہم دُعاء کے محتاج ہیں۔

مولوی حمد اللہ صاحب کی رائے

مولانا حمد اللہ صاحب اور حافظ کفایت اللہ صاحب ڈاگئی ان احادیث کے بالکل برخلاف یوں لکھتے ہیں: قال في مراقي الفلاح: كل صلاةٍ بعدهاسنة يُكرهُ القعود بعدهاوالدعاء، بل يشتغل بالسنة كيلايفصل بين السنة و المكتوبة،فعلم من هذاأن الدعاء بين الفرض و السنة مكروهٌ.[البصائر:۱۴۸،پشاور،۹،۷أترکی الذخائر:۲۸]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

''مراقی الفلاح [شرح نورالایضاح] میں لکھا ہے کہ جس فرض نماز کے بعد سنتیں ہیں اُن کے بعد بیٹھنا اور دعاء پڑھنا مکروہ ہے' بلکہ سنتیں پڑھنے میں مشغول ہونا چاہیے تا کہ سنن وفرائض کے مابین فصل وجدائی نہ ہو' پس اس سے معلوم ہوا کہ فرائض وسنن کے مابین دعاء پڑھنا مکروہ ہے۔''

اور مفتی محمد فرید صاحب فرماتے ہیں: ''امام بقالی [1] کے نزدیک جو کہ فروع میں حنفی ہے اور اصول میں معتزلی ہے فرائض کے ساتھ متصل دُعاء کرنا بہتر ہے۔'' [المقالات:۳۸]

مفتی صاحب اس سے بزعم خویش یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ فرائض کے متصل بعد دُعاء کرنا معتزلہ کا مسلک ہے مگر یہ دونوں باتیں درست نہیں ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں آپ ﷺ کی اقتداء میں عورتیں بھی نماز پڑھنے کے لیے مسجد نبوی میں آتی تھیں تو جب رسول اللہ ﷺ اپنی مکتوبہ نماز کا سلام پھیر چکتے تو آپ ﷺ اور صحابہ کرام ﷺ کی جماعت تھوڑی دیر کے لیے اپنی اپنی جگہ ٹھہرے رہتے تھے۔

[صحیح بخاری' کتاب الاذان [۱۰] باب صلاۃ النساء خلف الرجال [۱۶۶] حدیث:۸۷۵]

سیدہ ام سلمۃ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: تُرَی -واللہ أعلم- أنَّ ذلك كان لِكَيْ ينصرف النساء قبل أن يدركهن الرجال. [صحیح بخاری ۱:۲۳۷]

''اُن کے ٹھہرے کا مطلب -واللہ أعلم- یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں چلی جائیں تا کہ مردوں اور عورتوں کا اختلاط نہ ہو۔''

محدثین فرماتے ہیں کہ اس دوران میں امام ومقتدی سب چپکے دُعاء مانگتے' ذکر کرتے اور تعلیمی صورت میں رسول اللہ ﷺ اُونچی آواز میں دُعاء بھی مانگ لیتے تھے اور اُونچی آواز میں ذکر بھی کر لیتے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی اسی جگہ پر جہاں نماز پڑھی گئی ہے۔ بیٹھ کر دیر تک ذکر وادعیہ میں مشغول رہنے کی ترغیب دی ہے۔ [سنن الکبریٰ ۲:۱۸۵]

---

(۱) محمد بن ابی القاسم بن بایجوک بقالی خوارزمی' ابوالفضل' زین المشائخ کے لقب سے مشہور تھے۔ ادیب' مفسر اور حنفی فقیہ تھے۔ اہل خوارزم میں سے تھے۔ ۴۹۰ھ=۱۰۹۷ء کو پیدا ہوئے۔ کئی مفید کتابیں لکھیں۔ ۵۶۲ھ=۱۱۶۷ء کو جرجانیہ میں وفات پائی۔ [بغیۃ الوعاۃ ۱:۲۱۵' ترجمہ:۳۸۲' الاعلام ۶:۳۳۵]

خیال رہے کہ امام بقالیؒ اگرچہ علامہ زمخشری[1] کے شاگرد تھے مگر اُن کا عقیدہ درست تھا چنانچہ علامہ یاقوت حمویؒ[2] اور علامہ داوودیؒ[3] لکھتے ہیں:

وَ كَانَ جَمَّ الْفَوَائِدِ، حَسَنَ الإعتقاد. [معجم الادباء۱۹: ۵، طبقات المفسرین۲: ۲۳۲]

''کثیر الفوائد اور صحیح الاعتقاد تھے۔''

فقہاءِ کرام کے اَقوال

[۱] شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں: فَالرَّابِحُ مَن يرفع يديه إلى الله تعالى إذافرغ من صلاته المكتوبة. [الغنية لطالبي طريق الحق۲: ۱۵۱]

''پس نفع کمانے والا شخص وہی ہے جو فرض نماز سے فارغ ہونے کے بعد اپنے ہاتھ اللہ تعالیٰ کے دربار میں دُعاء کرنے کے لیے اُٹھائے۔''

[۲] دسویں صدی ہجری کے مشہور عالم علامہ محمد جعفر البولکائیؒ لکھتے ہیں:

---

(۱) محمود بن عمر بن محمد بن احمد، خوارزمی، جار اللہ، ابوالقاسم، خوارزم کے مضافاتی گاؤں زمخشر میں ۴۶۷ھ = ۱۰۷۵ء کو پیدا ہوئے۔ عرصۂ دراز تک مکہ معظمہ میں رہائش پذیر ہونے کی وجہ سے جار اللہ کہلائے۔ خوارزم میں ۵۳۸ھ = ۱۱۴۴ء کو وفات پائی۔ لغوی، ادیب، حنفی اور معتزلی تھے۔ [الجواہر المضیۃ۴: ۳۹۴، ترجمہ: ۱۵۷۴، الاعلام۷: ۱۷۸]

حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: صالحٌ لكنه داعيةٌ إلى الإعتزال، أجارنا الله منه، فكن حَذِراً من كشّافه [میزان الاعتدال۴: ۷۸، ترجمہ: ۸۳۶۷، لسان المیزان۶: ۴، ترجمہ: ۶]

''روایت حدیث کے سلسلے میں صالح اور داعی معتزلی تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اعتزال سے اپنے حفظ و امان میں رکھے [آمین] لہٰذا اُن کی کشاف کے بارے میں محتاط رہئے۔''

(۲) یاقوت بن عبداللہ الرومی الحموی شہاب الدین۔ ۵۷۴ھ = ۱۱۷۸ء کو بلادِ روم میں پیدا ہوئے۔ صغر سنی میں اسیر ہو کر بغداد میں بطورِ غلام ایک مقامی تاجر عسکر بن ابراہیم حموی کے پاس پہنچے اُس نے اپنا حساب کتاب رکھنے کے لیے یاقوت کو تعلیم دلوائی۔ نحو و لغت اور جغرافیہ و تاریخ میں مہارتِ تامہ حاصل کی۔ ۵۹۶ھ کو اُنہیں آزادی ملی۔ کئی مفید کتابیں لکھیں۔ ۶۲۶ھ = ۱۲۲۹ء کو وفات پائی۔ [وفیات الاعیان۶: ۱۲۷، الاعلام۸: ۱۳۱]

(۳) محمد بن علی بن احمد، شمس الدین، داوودی، مالکی، مصری۔ اپنے زمانے میں علمائے حدیث کے سرخیل تھے۔ حافظ جلال الدین سیوطی کے شاگرد ہیں۔ ۹۴۵ھ = ۱۵۳۸ء کو قاہرہ میں فوت ہوئے۔

[شذرات الذہب۸: ۲۶۴، الاعلام۶: ۲۹۱]

MAKTABA TUL ISHAAT - مکتبۃ الاشاعت

ویغتنم الدعاء بعد المكتوبة فإنه مُستحاب.[المتانہ؛۱۸۰،۶۴۲]

''فرائض کے بعد دُعاء کو غنیمت سمجھئے' کیونکہ یہ دُعاء زیادہ قبول ہونے والی ہے۔''

[۳] مولانا عبدالحی صاحب لکھنویؒ لکھتے ہیں: وفي خزانة الفقه عن البقالي: الأفضل أن يشتغل بالدعآء ثم بالسنة.[السعایہ۲:۲۶۱]

''خزانۃ الفقہ میں بقالی سے روایت ہے کہ افضل یہ ہے کہ [فرائض کے بعد] دُعاء کرنے میں مشغول ہوجائے اس کے بعد سنتیں پڑھ لے۔''

[۴] شیخ الطائفہ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ فرماتے ہیں: وهذا يُثبت الدعاء برفع يديه كما هو المعمول وإنكار الجهلة عليه مردودٌ.[الکوکب الدری۱:۱۷۱]

''ان روایات سے [فرائض کے بعد] ہاتھ اُٹھا کر دُعاء کرنا ثابت ہے۔ جیسا کہ [ہمارے اکابر] کا معمول ہے اور جاہلوں کا اِس سے انکار کرنا مردود ہے۔''

مزید ارشاد فرماتے ہیں: لابُدَّ من إتيان الدُعاء على حدة فيعزرُ تارك الدعوات بعد الصلوٰت ولا يُعذر على تركها.[الکوکب الدری۲:۲۹۱]

''فرائض کے بعد مستقل دُعاء کرنا چاہیے۔ فرض نمازوں کے بعد دُعاء کا چھوڑنے والا قابل تعزیر ہے اور اس کے ترک کی وجہ سے وہ معذور نہ ہوگا۔''

[۵] مولانا حمد اللہ صاحب کے استاذ محترم شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ لکھتے ہیں:

وفي شرح شرعة الإسلام: ويغتنم الدعآء بعدالمكتوبة وقبل السنة على ماروي عن البقالي مِن أنه قال: الأفضل أن يشتغل بالدعآء ثم بالسنة.[حاشیہ کوکب الدری۲:۲۹۱]

''شرح شرعۃ الاسلام [1] میں ہے کہ فرائض کے بعد سنتیں پڑھنے سے پہلے دُعاء کو غنیمت جانے۔ بقالیؒ سے بھی یہی منقول ہے کہ افضل یہی ہے کہ پہلے دعاء میں مشغول رہے' پھر اس کے بعد سنتیں

(۱) شیخ ابوالمحاسن رکن الاسلام محمد بن ابوبکر عرف امام زادہ سمرقندی کہتے ہیں: ويغتنم الدعاء بعد المكتوبة فإنه مستجابٌ.[شرعۃ الاسلام:۸۵] ''فرائض کے بعد دعاء کو غنیمت سمجھے اس لیے کہ یہ مستجاب ہے۔''
سوال یہ ہے کہ کیا امام زادہ سمرقندی بھی معتزلی ہیں؟ ہمارا جواب تو نفی میں ہے۔

پڑھ لے۔"

[۶] مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندیؒ لکھتے ہیں: "فرضوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دُعاء کرنا اور بعد دُعاء کے منہ پر ہاتھ پھیرنا احادیث سے ثابت ہے، منکر اس کا جاہل اور بے خبر ہے سُنت سے اور تارک سُنت ہو کر مورد ملامت وطعن ہے۔" [عزیز الفتاویٰ:۱۶۹، سوال:۱۱۵]

15 مفتی صاحب موصوفؒ یہ بھی لکھتے ہیں: "فرضوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دُعاء کرنا اور بعد دُعاء کے منہ پر ہاتھ پھیرنا احادیث سے ثابت ہے، منکر اس کا جاہل اور بے خبر ہے سُنت سے اور تارِک سُنت ہو کر مورد ملامت وطعن ہے۔" [عزیز الفتاویٰ:۱۶۹، سوال:۱۱۵]

[۷] شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ (۱) فرماتے ہیں:

فالإتيان بشيئٍ من الأذكار و الأدعية المأثورة بعد الفرائض متصلاً بها هو الراجح في نظري، فإنه يفيدُ فصلاً زمانياً بين الفريضة و النافلة، كما أنَّ التَّحولَ من موضع الفريضة يفيدُ فصلاً مكانياً. [فتح الملہم ۴:۱۸۵، تحت حدیث: تُسبحونَ وتكبرون وتحمدون دبر كل صلاة ۱۳۴۶-[۱۴۲]

"فرائض کے متصل بعد اذکار اور مسنون دُعائیں پڑھنا میری نظر میں راجح ہے، اس لیے کہ اس سے فرائض وسنن کے مابین فصلِ زمانی ہو جاتا ہے جیسا کہ فرائض کے بعد جگہ تبدیل کرنے سے فصلِ مکانی ہو جاتا ہے۔"

[۸] مفتی اعظم ہند، مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ لکھتے ہیں: "فرائض کے بعد دُعاء مانگنا رسول اللہ ﷺ کا طریقہ اور آپ کی سنت ہے اور اس کی مقبولیت کی اُمید بھی زیادہ ہے اور یہ کہ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ سے کسی قدر زیادہ مقدار کی دُعاء مانگنا بھی جائز ہے اور خود سرورِ کونین شفیع

---

(۱) شبیر احمد عثمانی بن مولانا فضل الرحمٰن عثمانی۔ ۱۰ محرم ۱۳۰۵ھ = ۱۸۸۵ء کو پیدا ہوئے۔ ان کے والد مولانا محمد قاسم کے ساتھ بنائے دار العلوم دیوبند میں برابر کے شریک تھے جو مولانا کی پیدائش کے وقت بجنور میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھے۔ مولانا کی تعلیم کا آغاز ۱۳۱۱ھ میں ہوا اور ۱۳۲۵ھ میں تمام طلبہ میں اول رہ کر تعلیم سے فارغ ہوئے ۱۹۱۱ء کی جنگ بلقان وطرابلس سے سیاسیات میں حصہ لینا شروع کیا۔ ۱۹۴۰ء کے بعد مسلم لیگ میں شامل ہوئے ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی کے ممبر بھی رہے ہیں۔ ۱۹۴۹ء میں وفات پائی اور کراچی میں اسلامیہ کالج کے احاطہ میں دفن ہوئے۔ [شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا ۲: ۱۰۶۴]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

المذنبین ﷺ سے ثابت ہے۔'' [کفایت المفتی ۳:۳۴۴]

[۹] مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ فرماتے ہیں:

''سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ (۱) کی حدیث میں ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی اور آیت شَهِدَ الله اور قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ سے بغیر حساب تک پڑھا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے سب گناہ معاف فرمائیں گے اور جنت میں جگہ دیں گے اور اس کی ستر حاجتیں پوری فرمائیں گے جن میں کم سے کم حاجت اس کی مغفرت ہے۔''

[معارف القرآن ۲:۳۵، بذیل تفسیر سورۃ آل عمران ۳:۱۸ (۲)]

---

(۱) خالد بن زید بن کلیب بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ بنونجار سے تعلق تھا۔ جلیل القدر صحابی ہیں۔ بدر، اُحد، خندق اور سارے غزوات میں شرکت کی۔ مدینہ منورہ سے شام چلے گئے، یزید بن معاویہ نے جب قسطنطنیہ پر چڑھائی کی تو آپ نے بھی اُس کے زیر کمان اس غزوہ میں شرکت کی جہاں بیمار ہوئے اور ۵۲ھ=۶۸۲ء کو وفات پا گئے۔ انہوں نے وصیت کی تھی کہ میری لاش دشمن کے علاقے میں دور تک لے جا کر دفن کیا جائے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور اُنہیں قسطنطنیہ کے قلعہ کے فصیل کے قریب دفن کیا گیا۔ [الاصابہ ۱:۴۰۵، الاعلام ۲:۲۹۵]

(۲) اس روایت کو حافظ سیوطیؒ اور سید آلوسیؒ نے اس طرح نقل کیا ہے: أخرج الديلمي عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله عنه مرفوعاً: لما نزلت ألحمد لله رب العلمين، وآية الكرسي، وشهد الله، وقل اللهم ملك الملك إلى بغير حساب تعلقن بالعرش وقلن: أنزلتنا على قوم يعملون بمعاصيك، فقال: وعزتي و جلالي وارتفاع مكاني لايتلوكن عبدٌ عند دبر كل صلاةٍ مكتوبةٍ إلّاغفرتُ له ماكان فيه، وأسكنته جنة الفردوس، ونظرتُ له كل يوم سبعين مرةً، وقضيتُ له سبعين حاجة، أدناها المغفرة.

[درمنثور ۲:۱۶۲، اللآلی المصنوعۃ ۱:۲۰۹-۲۱۰، روح المعانی ۳-۴:۱۴۱]

اس کی سند میں محمد بن عبدالرحمٰن بن مجبر بن عبدالرحمٰن بن معاویہ بن بُجَیر بن رَیسان ہے جو ثقہ راویوں سے منکر روایات اور امام مالک سے باطل روایتیں نقل کرتا ہے۔ [الکامل فی ضعفاء الرجال ۷:۵۴۷، ترجمہ: ۱۵۲-[۱۷۷۳]

اس قسم کی ایک اور روایت حافظ ابن السنیؒ نے عمل الیوم واللیلۃ: ۶۵، حدیث: ۱۲۵ میں نقل کی ہے مگر اُس کی اسنادی حالت بھی کچھ اچھی نہیں، اس لیے کہ اس کی سند میں حارث بن عمیر ہے، جس کو بعض محدثین نے ثقہ کہا ہے لیکن امام حاکم لکھتے ہیں: اس کی کنیت ابو عمیر ہے۔ حمید الطّویل اور جعفر بن محمد الصادق سے موضوع روایات نقل کرتا ہے۔ [المدخل إلى معرفة الصحيح من السقيم ۱:۱۳۴، ترجمہ: ۳۳]

حافظ ابن حبانؒ اور حافظ ذہبیؒ نے زیر بحث روایت کو اس کے ترجمہ میں نقل کر کے فرمایا ہے: ......

[۱۰]مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ فرماتے ہیں: ''دعاء میں بقدر اَللّٰھُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ اختصار کرنا ضروری نہیں بلکہ دعاءِ طویل بھی سنت کے موافق ہوگی۔'' [امداد الاحکام ۱: ۲۳۷]

مزید ارشاد ہے کہ: ''فرض نمازوں کے بعد دُعاء مانگنا آکد ہے کیونکہ حدیثوں میں اس کی ترغیب زیادہ ہے۔ باقی سنت ونوافل کے بعد دُعاء مانگنا ضروری نہیں، اگر مانگ لیا کرے تو اچھا ہے۔''

[امداد الاحکام ۱: ۲۲۶]

[۱۱]مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ فرماتے ہیں: ''فرائض کے بعد دُعاء حضور اقدس ﷺ سے ثابت ہے اور فقہ میں اس کا جواز مصرح ہے، فرق فقط یہ ہے کہ جن فرائض کے بعد سنتیں ہیں ان کے بعد دعاءِ طویل نہ چاہیے۔'' [احسن الفتاویٰ ۱: ۳۴۶]

...... موضوعٌ، لا أصل له. [المجروحین ۱: ۲۶۶، ترجمہ: ۲۰۲، میزان الاعتدال ۱: ۴۴۰، ترجمہ: ۱۶۳۸]
''یہ روایت موضوع اور بے اصل ہے۔''

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

اعتراضات اور اُن کے جوابات

اعتراض۱: بحرالرائق ۱:۳۰۴، ۲:۴۹، شامی ۱:۴۹۴، ۵۰۳، فتح القدیر ۱:۴۴۰، ۴۴۱ط بیروت میں ہے کہ فرائض کے متصل بعد سنتوں سے قبل اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ...... سے طویل دُعاء کرنا مکروہ ہے؟

جواب۱: مضمون کے ابتدائی حصہ میں جو احادیث نقل کی گئی ہیں، ان میں طویل طویل دُعائیں بھی ہیں جو مقدار میں اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ سے یقیناً لمبی ہیں، تو کیا ان احادیث پر عمل ترک کیا جائے؟

جواب۲: فقہاء کرام کے اس قول کا جواب خود دوسرے فقہاء کرام نے دیا ہے۔ علامہ حلبی (۱) شرح منیۃ المصلی میں فرماتے ہیں: وقول عائشة رضي الله عنها: مقدار مايقول، يفيد أن ليس المراد أنه كان يقول ذلك بعينه، بل كان يقعد زماناً يسع ذلك المقدار و نحوه من القول تقريباً، فلا ينافي مافي الصحيحين عن المغيرة رضي الله عنه أنه عليه السلام كان يقول في دبر كل صلاة مكتوبة لآإله إلّا الله وحده لا شريك لهٗ لهُ الملك ولهُ الحمد وهو على كل شيئ قدير، أللهم لامانع لما أعطيت و لامُعطي لما منعت، ولا ينفع ذا الجد منك الجد، لأن المقدار المذكور من حيث التقريب، دون التحديد، قد يسع كل واحد من نحو هذه الأذكار لعدم التفاوت الكثير بينهما و كون التقدير بالتقريب في التخمين دون التحديد و التحقيق. [کبیری: ۳۴۲ط لاہور]

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے بعد نہ بیٹھتے تھے مگر اتنی مقدار کہ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ پڑھیں، اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مراد نہیں ہے کہ خاص یہی دُعاء پڑھتے تھے بلکہ مقصود یہ ہے کہ اتنی دیر بیٹھتے تھے جس میں یہ دُعاء یا اتنا ہی کوئی اور ذکر پڑھا جا سکے اور اس سے بھی تقریبی مقدار مراد ہے۔ اس صورت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت اس حدیث کے مخالف نہ ہوگی جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ

---

(۱) ابراہیم بن محمد بن ابراہیم حلبی، حنفی فقیہ ہیں۔ حلب سے تعلق تھا۔ حلب اور مصر میں حصول علم کیا۔ قسطنطنیہ میں مستقل رہائش اختیار کی اور وہیں ۹۵۶ھ = ۱۵۴۹ء کو ۹۰ سال سے زیادہ کی عمر میں وفات پائی۔
[کشف الظنون ۲:۱۸۱۴، الاعلام ۱:٦٦]

سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر فرض نماز کے بعد یہ دُعاء پڑھا کرتے تھے: لآ إله إلّا اللّٰه وحده لا شريك له.... اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا اس حدیث کے مخالف نہ ہونا اس لیے ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں مقدار سے مراد تقریبی اور تخمینی ہے نہ حقیقی۔"

بالکل یہی بات شیخ احمد طحطاوی حنفی (۱) نے بھی لکھی ہے۔[حاشیۃ الطحطاوی ۱:۴۲۱-۴۲۲]

مولانا عبدالحی صاحب لکھنویؒ نے لکھا ہے: وسُنِّيَّةُ الوصل عند المتأخرين، ولم أرَ لهم دليلاً على ذلك إلّا ظاهر حديث عائشة رضي اللّٰه عنها، فالراجح عندي ما عند المتقدمين و إباحة الفصل بنحو ما ورد من الأدعيَةِ.[السعایہ ۲:۲۶۲]

"فرائض کے بعد متصل طور پر سنتیں پڑھنا متاخرین علماء کے نزدیک ہے جب کہ میں نے ان کے پاس سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ظاہر روایت کے بغیر کوئی دلیل نہیں دیکھی، میرے نزدیک وہی بات راجح ہے جو متقدمین کے نزدیک راجح ہے اور وہ یہ کہ مسنون دُعاؤں سے فرائض اور سُنن ونوافل کے درمیان فصل اور جدائی کے استحباب کا قول کیا جائے۔"

مولانا عبدالحی صاحب لکھنویؒ کے نزدیک یہی متقدمین کا مذہب ہے اور یہی راجح ہے مگر دارالعلوم حقانیہ کے سابقہ مفتی محمد فرید صاحب اسے بقالی معتزلی کا مذہب کہتے ہیں۔[دیکھئے المقالات:۳۸]

جواب ۳: حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لَمْ يَقْعُدْ إلَّا مِقْدَارَ مَا يَقُوْل کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: وأمّا قول عائشة: كان إذا سلم لم يقعد إلّا مقدار ما يقول: أللهم أنت السلام فيحتمل وجوهاً: منها: أنه ﷺ كان لا يقعد بهيئة الصلاة إلّا هذا القدر ولكنهٗ كان يتيامَنُ أو يتياسر أو يقبل على القوم بوجهه فيأتي بالأذكار لئلا يظن الظان أن الأذكار من الصلاة. ومنها: أنه ﷺ كان حينا بعد حين يترك الأذكار غير هذه الكلمات يعلمهم أنها ليست فريضة وإنما مقتضى كان وجود هذا الفعل كثيراً، لا مرة، ولا مرتين، ولا

---

(۱) احمد بن محمد بن اسماعیل طحطاوی [طہطاوی] حنفی فقیہ ہیں۔ مصر کے شہر اسیوط کے قریب "طہطا" میں پیدا ہوئے ازہر میں علم حاصل کیا۔ مصر میں شیخ الاحناف کے منصب پر فائز رہے ہیں۔ ۱۲۳۱ھ=۱۸۱۶ء کو قاہرہ میں وفات پائی۔[الاعلام ۱:۲۴۵]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

المواظبة، والأصل في الرواتب أن يأتي بها في بيته، والسرفي ذلك كله أن يقع الفصل بين الفرض والنوافل بماليس من جنسهما، وأن يكون فصلا معتدًا به يدرك ببادي الرأي، وهوقول عمر رضی اللہ عنہ لمن أراد أن يشفع بعد المكتوبة: إجلس فإنهم لم يهلك أهل الكتاب إلّا أنه لم يكن بين صلواتهم فصل، فقال النبي ﷺ: أصاب الله بك يا ابن الخطاب. [حجۃ اللہ البالغۃ ۲: ۱۲-۱۳]

''رہا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول کہ جب رسول اللہ ﷺ سلام پھیرتے تو اس سے زیادہ نہیں بیٹھے تھے کہ اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ الخ پڑھیں تو اُس قول میں کئی احتمالات ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ آپ ﷺ نماز کی ہیئت پر اس مقدار سے زیادہ نہیں بیٹھے تھے بلکہ دائیں یا بائیں طرف مڑ جاتے تھے یا لوگوں کی طرف منہ کر لیتے تھے تا کہ کسی کو یہ گمان نہ ہو کہ اذکار واَدعیہ بھی نماز میں داخل ہیں۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ آپ ﷺ کبھی کبھی اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ الخ کے سوا باقی دوسرے اَذکار واَدعیہ چھوڑ دیتے تھے اور چھوڑنے سے یہ تعلیم مقصود تھی کہ اذکار وادعیہ فرض نہیں ہیں اور سنتوں میں اصل حکم یہ ہے کہ گھروں میں ادا کی جائیں اور سب کا راز یہ ہے کہ فرضوں اور نفلوں میں ظاہر طور پر گھروں میں ادا کی جائیں اور اس سب کا راز یہ ہے کہ فرضوں اور نفلوں میں ظاہر طور پر فصل وجُدائی اور فرق ہو جائے جو ظاہری نگاہ سے معلوم ہو سکے اور یہی مطلب ہے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس فرمانے کا اس شخص سے جو فرضوں کے بعد متصل سنتیں پڑھنا چاہتا تھا کہ بیٹھ جاؤ کیونکہ پہلی اُمتوں کو اس بات نے ہلاک کیا کہ اُن کے فرائض ونوافل میں فرق نہ تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ اے ابن خطاب! اللہ نے تمہیں درست طریقہ ہدایت فرمایا۔''

جواب ۴: مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندی لکھتے ہیں: ''درمختار میں ہے: ويُكرهُ تأخيرُ السنة إلّا بقدر أللهم أنت السلام لیکن مطلب اِس کا یہ ہے کہ یہ تقریبی امر ہے اگر کچھ اس سے زیادہ بھی دعاء وغیرہ ہو تو کچھ حرج نہیں ہے اور صحیح یہ ہے کہ فصل بالأوراد [وظائف واَوراد کی وجہ سے تاخیر] میں کچھ مضائقہ نہیں، کماهو معمولُ مشايخنا، قال الحلواني: لا بأسَ بالفصل بالأوراد و اختاره الكمال [جیسا کہ ہمارے مشائخ کا معمول ہے۔ حلوانی کہتے ہیں: اوراد پڑھنے کی وجہ سے سنتوں میں

تاخیر کرنے کی کوئی پرواہ نہیں اور اسے کمال نے پسندیدہ قرار دیا ہے]۔"

[فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مکمل ۴:۱۶۴ سوال:۱۷۰۲]

اعتراض ۲: مولانا مفتی محمد فرید صاحب لکھتے ہیں: "دُبر المکتوبات کا یہ مطلب نہیں کہ فرائض کے ساتھ متصل بلا حائل کیا جائے کیونکہ دُبر ضد ہے قبل کا' پس جو ذکر وغیرہ اختتام فرائض پر مقدم نہ ہوں تو وہ دُبر ہوں گے' نیز پیغمبر ﷺ نے تسبیحات کے متعلق بھی لفظ دُبر کا اطلاق کیا ہے [جیسا کہ مسلم کی حدیث میں ذکر کیا گیا] تو اگر یہ لفظ اتصال کا مقتضی ہو جائے تو دُعاء اور تسبیحات کے درمیان جمع خلاف سنت ہوگا کیونکہ دونوں کا بیک وقت ادا کرنا ناممکن ہے' تو اگر پہلے تسبیحات پڑھی جائیں تو دبر المکتوبات نہ ہوگی اور اگر پہلے دُعاء کی جائے تو تسبیحات دبر المکتوبات نہ ہوں گی حالانکہ اس میں سے کوئی بھی خلاف سنت نہیں ہے۔ ہر ایک کا تقدیم دوسرے پر جائز ہے' اسی طرح جب صلوٰۃ راتبہ [سنتوں] کے بعد دُعاء کی جائے تو یہ فصل غیر معتد بہ ہوگا۔" [القالات:۳۱:۳۲]

مُفتی صاحب کے خدمت میں التماس ہے کہ محدث ہند شاہ ولی اللہؒ نے لکھا ہے:

والأولى أن يأتي بهذه الأذكار قبل الرواتب فإنه جاءَ في بعض الأذكار ما يَدُل على ذلك نصاً كقوله: مَن قال قبل أن ينصرف ويثني رجليه من صلاة المغرب والصبح: لآ إلٰه إلَّا اللّٰه وحده لاشريك له' له الملك وله الحمد بيده الخير يحيي ويميت وهو على كل شيئ قدير' وكقول الرواي: كان ﷺ إذا سلم مَن صلاته يقول بصوته الأعلى: لآ إلٰه إلَّا اللّٰه. [حجۃ اللہ البالغۃ ۲:۱۲]

"بہتر یہ ہے کہ ان اذکار کو سنن مؤکدہ سے پہلے ادا کرے کیونکہ بعض اذکار میں تو اس کی تصریح ہے جیسے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص نماز مغرب اور صبح کے بعد لوٹنے اور پاؤں موڑنے سے پہلے یہ کہے کہ لآ إلٰـــه إلَّا اللّٰه اور جیسے راوی کا یہ قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کا سلام پھیرتے تو اپنی بلند آواز سے فرماتے لآ إلٰه إلَّا اللّٰه۔"

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندیؒ لکھتے ہیں: "فرضوں کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دُعاء کرنا اور بعد دُعاء کے منہ پر ہاتھ پھیرنا احادیث سے ثابت ہے۔ منکر اس کا جاہل اور بے خبر ہے سنت سے اور تارک

MAKTABA TUL ISHAAT- مكتبة الاشاعت

سنت ہو کر موردِ ملامت وطعن ہے۔" [عزیز الفتاویٰ:۱۶۹،سوال:۱۱۵]

یہ بھی ارشاد ہے کہ:"جن نمازوں کے بعد سنت مؤکدہ ہیں ان میں فرضوں کے بعد زیادہ تاخیر کرنے کو مکروہ لکھا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ کچھ حرج نہیں ہے پس بہتر ہے کہ امام جتنی دیر دُعاء مانگے اس کے ساتھ دُعاء مانگے۔" [عزیز الفتاویٰ:۳۱۸،سوال:۴۸۹]

یہ بھی فرمایا:" آیۃ الکرسی اور تسبیحات کا پڑھنا قبل بھی جائز ہے اور معمول بہ اکابر کا ہے اور احادیث سے دونوں امر ثابت ہیں۔" [فتاویٰ دار العلوم دیو بند مکمل ۴:۱۶۳،سوال:۱۷۰۰]

ناظرین کرام سمجھ گئے ہوں گے کہ فرائض کے بعد دُعاء مکروہ ہے اور نہ ذکر واذکار،بات صرف یہ ہے کہ جن فرائض کے بعد سنتیں ہوں ان کے بعد مسنون اَوراد پر اضافہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ جو مسنون اَوراد و اَدعیہ ہیں اُن پر اکتفا کی جائے۔

اعتراض۳: علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں: "فرائض کے بعد اَذکار واَدعیہ کے بارے میں جو احادیث وارِد ہیں تو ان میں اس بات پر دلالت نہیں کہ اذکار کو سنتوں سے پہلے پڑھا جائے کیونکہ سنن توابعاتِ نماز اور مکملاتِ فرائض ہیں۔" [شامی ۱:۴۹۴]

جواب۱: علامہ شامیؒ لکھتے ہیں: أن ههنا قاعدةٌ مقررةٌ،وهي أن المسائل الفقهية إن كان مأخذها معلوماًمشهوراًمن الكتاب والسنة والإجماع فلا نزاع فيها لأحدٍ،وإلّا بأن كانت اجتهادية ينظرإنْ نقلهامجتهدٌ لَزِمَ اتباعه بلامطالبةٍ بالدليل،وإلّا فإن نقلها عن مجتهد وأثبت نقله فكذلك،فإن كان ينقلُ مِن قِبَلِ نفسه أومن مقلدٍآخرأو أطلقَ،فإن بَيَّنَ دليلاً شرعياً فلا كلام،وإلّا يُنْظَرُ، فإن وافقَ الأصولَ والكتب المعتبرة يجوزالعمل به،وينبغي للعالم أن يطلب الدليل عليه،وإن خالَفَ ما ذُكِرَ فلايلتفت إليه،فقد صَرَّحُوا أن المقلد إن افتَى بِلا نقلٍ عن المعتبرات فلايُنظَرُ إلى فتواه.

[مجموعہ رسائل ابن عابدین ۱:۱۷۹]

"فقہی مسائل کے بارے میں ایک مقرر قاعدہ ہے کہ اگر قرآن وسنت اور اجماع سے اس کا مأخذ معلوم ہو تو اسے قبول کرنے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں اور اگر ایسا نہ ہو [یعنی قرآن وسنت اور اجماع

سے اس کا مأخذ معلوم نہ ہو] اور کوئی اجتہادی مسئلہ ہو تو دیکھا جائے گا۔ اگر مجتہد نے اسے نقل کیا ہو یا اور کسی نے مجتہد سے اسے نقل کیا ہو اور اس کی نقل درست ہو تو مطالبہ دلیل کے بغیر اس کی پیروی لازم ہے۔ اور اگر وہ اسے اپنی طرف سے یا کسی دوسرے مقلد کو منسوب کر کے بیان کرتا ہو اور کوئی شرعی دلیل اس پر پیش کی ہو تو اسے قبول کرنے میں کسی کو کوئی کلام نہیں اور اگر کوئی شرعی دلیل پیش نہیں کی ہو تو اب دیکھا جائے گا اگر شرعی اصول اور کتبِ معتبرہ کے موافق ہو تو اس پر عمل کرنا جائز ہے اور عالم کو چاہیے کہ دلیل کا مطالبہ کرے اور اگر مذکورہ شروط کے خلاف ہو تو پھر قابل التفات نہیں اس لیے کہ علماء نے تصریح کی ہے کہ اگر کوئی مقلد معتبر کتابوں سے نقل کیے بغیر کوئی فتویٰ دے تو اس کا فتویٰ نا قابلِ التفات ہے۔"

ہم علامہ شامیؒ سے دلیل پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ اُنہوں نے اپنے اس قول پر کوئی دلیل شرعی پیش نہیں فرمائی، اس لیے نا قابل التفات ہے۔

جواب ۲: اگر ان کی دلیل لَمْ یقعد إلّا مقدار مایقولُ حدیث سے ہے تو اس کا جواب ابھی ابھی محدث ہند حکیم الامت شاہ ولی اللہؒ کی عبارت سے دیا گیا ہے، جب کوئی دلیل شرعی موجود نہیں تو علامہ شامی کا یہ قول قابل التفات نہیں۔

جواب ۳: یہ درست ہے کہ سنن فرائض کے مکملات میں سے ہیں، مگر کس حیثیت سے؟ اس کی وضاحت ایک حدیث سے سنیے جس میں وارد ہے: إنّ أولَ مایُحاسبُ الناسُ به يوم القيامة من أعمالهم الصَّلاة، قال: يقول ربنا جل و عز لملئكته و هو أعلم: أنظروا في صلاة عبدي أتمَّها أم نَقَصَها، فإن كانت تامة كتبت له تامة، وإن كان انتقص منها شيئاً قال: أنظروا هل لعبدي من تطوع؟ فإن كان له تطوع قال: أتموا لعبدي فريضته من تطوعه.

[سنن ابی داود، کتاب الصلاۃ [۲] باب قول النبی ﷺ: کل صلاۃ لا یتمہا صاحبہا تتم من تطوعہ [۱۴۹] حدیث: ۸۶۴]

"روزِ قیامت لوگوں سے سب سے پہلے نماز کا حساب کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ملائکہ سے فرمائے گا۔ حالانکہ وہ خوب جانتا ہے۔ میرے بندہ کی نماز کو دیکھو کیا انہیں پورا کیا ہے، یا ان میں نقصان کا

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

شکار ہوا ہے۔ اگر اس کی نمازیں پوری ہوں تو پورا لکھ دیا جائے گا اور اگر اس میں کچھ کمی واقع ہوئی ہو تو فرمائے گا: دیکھو! میرے بندہ کی کچھ تطوعات [نوافل وغیرہ] بھی ہیں؟ اگر تطوعات ہوں تو فرمائے گا کہ میرے بندے کے فرائض کی کمی تطوعات میں سے پورا کرو۔"

جواب ۴: مولوی صاحب تو دیوبندی ہونے کے مدعی ہیں، سو دار العلوم دیوبند کے چوٹی کے محدث مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں: وشیخ مشائخنا رشید أحمد الگنگوهي أفقهُ عندي من الشامي. [فیض الباری ۲: ۳۰۷، بذیل حدیث: ۷۳۲]

"اور ہمارے شیخ المشائخ رشید احمد گنگوہیؒ میرے نزدیک علامہ شامیؒ سے بڑھ کر فقیہ ہیں۔"

وہی أفقهُ من الشامي شیخ الطائفہ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی فرماتے ہیں:

قد تاهت العلمآء بحديث عائشة رضي الله عنها هذا فاضطروا إلى تأويلاتٍ فيما وردَ أنه ﷺ كان يقول أزيد من هذا، وحكموا أن الزيادة على هذا المقدار في الجلوس بعد الفريضة قبل أداء السنن لاتجوز إلَّا أن بعضهم لَمَّا تنبَّهَ على صحة الروايات المثبتة للزيادة في الجلوس قال: لا تجوز الزيادة في الجلوس على مقدار الركعتين، وهذا هو القول الصحيح الذي لايتعدى عن الحق الصريح، فإن حديث عائشة رضي الله عنها يمكن أن يقال فيه أن النبي ﷺ كان يقول هذه الكلمات أحياناً فاتفقت الروايات وكل ما ورد عن النبي ﷺ أنه كان يقولها بعد الصلاة لايتعدى عن مقدار الركعتين.

[الکوکب الدری ۱: ۱۴۰-۱۴۱]

"سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کی وجہ سے علماء سوچ میں پڑ گئے اور اسی وجہ سے مختلف تاویلات کرنے لگے۔ ان روایات میں جن میں اسی مقدار سے زیادہ دیر تک بیٹھنا بیان ہوا ہے اور اسی وجہ سے یہ فیصلہ کیا کہ فرائض کے بعد اَللّٰھُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ سے زیادہ دیر کرنا جائز نہیں لیکن ان میں سے بعض کو جب معلوم ہوا کہ بعض صحیح احادیث میں اَللّٰھُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ کے علاوہ اور بھی اَذکار واَدعیہ ہیں تو اُنہوں نے یہ قول اختیار کیا کہ فرائض کے بعد سنن سے پہلے دو رکعت سے زیادہ مقدار بیٹھنا جائز نہیں اور یہ نہایت کامیاب اور صحیح قول ہے کیونکہ اسی وجہ سے روایات میں

تطبیق کی صورت پیدا ہوتی ہے۔"

اعتراض ۴: محدث بیہقی نے عبداللہ بن فروخ کے طریق سے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ: "نبی اکرم ﷺ کی عادت مبارک یہ تھی کہ جوں ہی آپ سلام پھیرتے تھے فوراً ہی اُٹھ کھڑے ہوتے تھے، پھر خلیفہ بلافصل سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بھی یہی عادت تھی کہ جوں ہی آپ سلام پھیر چکے فوراً اپنی جگہ سے اُٹھتے جیسے کوئی گرم پتھر سے اُٹھتا ہو۔" [السنن الکبریٰ ۲:۱۸۲]

جواب: اس روایت سے استدلال صحیح نہیں کیونکہ خود امام بیہقی ہی نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: تفَرَّدَ به عبد الله بن فروخ المصري، وله أفرادٌ. [السنن الکبریٰ: ۲:۱۸۲]

"اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن فروخ راوی اس روایت کے بیان کرنے میں متفرد ہے [یعنی: اس کے ہم سبق ساتھیوں میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو یہ روایت بیان کرتا ہو] اور وہ مزید کئی روایات میں متفرد ہے۔"

عبداللہ بن فروخ خراسانی یا یمامی وہ شخص ہے جس کے بارے میں حافظ ابن عدیؒ فرماتے ہیں: اس کی احادیث غیر محفوظ ہیں کیونکہ یہ شخص ثقہ راویوں کے خلاف روایات نقل کرنے کا عادی ہے اور امام بخاری نے فرمایا ہے کہ یہ شخص معروف و منکر ہر قسم کی روایت بیان کرتا رہتا ہے۔

[الکامل فی ضعفاء الرجال ۵:۳۳۴، ترجمہ: ۴۳-[۱۰۱۰]، میزان الاعتدال ۲:۴۷۱-۴۷۲، ترجمہ: ۴۵۰۷]

فرائض کے بعد نبی اکرم ﷺ کیا کرتے؟

[۱] سیدنا سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ (۱) فرماتے ہیں: كان النبي ﷺ إذا صلى صلاة أقبل علينا بوجهه. [صحیح بخاری، کتاب الاذان [۱۰] باب یستقبل الامام الناس اذا سلم [۱۵۶] حدیث: ۸۴۵، کتاب الجنائز [۲۳] باب [۹۳] حدیث: ۱۳۸۶]

"جب بھی رسول اللہ ﷺ نماز پڑھتے تو اپنا چہرہ انور ہماری طرف پھیر دیتے تھے۔"

---

(۱) سمرۃ بن جندب بن ہلال فزاری رضی اللہ عنہ۔ شجاع اور نڈر صحابی ہیں۔ مدینہ منورہ میں پلے بڑھے۔ بصرہ میں سکونت اختیار کی تھی۔ حروریہ کے شدید مخالف تھے۔ ۶۰ھ=۶۷۹ء کو کوفہ یا بصرہ میں وفات پائی۔
[اسد الغابۃ ۲:۳۴۱، ترجمہ: ۲۲۴۳، الاعلام ۳:۱۳۹]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

[۲] سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: إن النبي ﷺ کان إذا سَلَّمَ یمکث في مکانه یسیراً.

[صحیح بخاری، کتاب الاذان[۱۰] باب صلاۃ النساء خلف الرجال[۱۶۷] حدیث:۸۷۵]

"جب رسول اللہ ﷺ [فرائض سے] سلام پھیرتے تو اپنی جگہ میں کچھ وقت کے لیے ٹھہر جاتے۔"

[۳] سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے نماز ظہر چار رکعت کے بجائے پانچ رکعت پڑھائی۔ نماز ختم ہونے کے بعد کسی نے کہا کہ نماز میں کوئی تبدیلی کی گئی؟ آپ نے پوچھا کیا؟ تو آپ سے کہا گیا کہ چار رکعت کے بجائے آپ نے پانچ رکعت پڑھائی۔ آپ قعدہ کی حالت میں گئے اور دو سجدے کیے، سلام پھیرنے کے بعد:

أقبلَ علینا بو جهه. [صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ[۸] باب التوجہ نحو القبلۃ[۳۱] حدیث:۴۰۱]

"آپ نے اپنا چہرہ انور ہماری طرف پھیر دیا۔"

[۴] سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے عشاء کی نماز بڑی دیر سے پڑھائی:

ثم أقبَلَ علینا بو جهه.

[صحیح بخاری، کتاب الاذان[۱۰] باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلاۃ[۳۶] حدیث:۶۶۱]

"آپ نے سلام پھیرنے کے بعد اپنا چہرہ انور ہماری طرف کر لیا۔"

[۵] غزوان بن جریر اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ جب فرائض کا سلام پھیر لیتے تو: فیحرك شفتیه فلا ندري ما یقول، ثم یقول: لآ إله إلّا اللّٰه وحده، لا شریك لهٗ، و لاحول و لاقوة إلّا باللّٰه، و لانعبد إلّا إیاه، ثم یقبل علی القوم بو جهه، و لایبالي عن یمینه انصرف أو عن شماله. [سنن کبریٰ، بیہقی ۲:۲۹-۳۰، کنز العمال، حدیث:۲۲۰۹۶]

"آپ اپنے ہونٹوں کو ہلاتے اور ہم آپ کی بات پوری طرح نہ سمجھتے تھے پھر آپ لآ إله إلّا اللّٰه وحدہ پڑھتے اور اس کے بعد قوم کی طرف منہ موڑ لیتے اور اس بات کی پرواہ نہیں کرتے تھے کہ دائیں طرف سے مڑا جائے یا بائیں طرف سے۔"

[۶] سیدنا علی رضی اللہ عنہ یہ بھی فرماتے ہیں: إنّ مِن السُّنّة إذا سَلَّم الإمام أن لایقوم في موضعه الذي صلی فیه فیصلي تطوعاً حتی ینحرف. [سنن دار قطنی ۱:۳۸۲]

''سنت یہ ہے کہ جب امام سلام پھیر لے تو وہ اپنی جگہ میں جہاں [فرض] نماز پڑھی ہے، سنن و نوافل ادا کرنے کے لیے نہ ٹھہرے بلکہ وہاں سے ہٹ جائے۔''

ان احادیث سے کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ آپ بھی ایک محدث کی زبانی سنیے:

إستدلوا أيضاً بعموم أحاديث رفع اليدين في الدعاء قالوا: إن الدعاء بعد الصلاة المكتوبة مستحب ورغب فيه وأنه قد ثبت عن رسول الله ﷺ رفع اليدين في كثير من الدعاء وإنه لم يثبت المنع عن رفع اليدين في الدعاء بعد الصلاة المكتوبة، بل جاء في ثبوته الأحاديث الضعاف، قالوا: فبعد الأمور الأربعة وعدم ثبوت المنع لا يكون رفع اليدين بعد الصلاة المكتوبة بدعة سيئةً. [تحفۃ الاحوذی ۱: ۲۴۵]

''ان لوگوں نے احادیث کے عموم سے بھی استدلال کیا ہے جو دعاء میں ہاتھ اُٹھانے کے بارے میں ہیں یہ بھی کہتے ہیں کہ فرائض کے بعد دُعاء مستحب ہے اور اس کی ترغیب بھی دی گئی ہے اور رسول اللہ ﷺ سے اکثر دعاؤں میں ہاتھ اُٹھانا ثابت ہے اور رسول اکرم ﷺ سے دُعاء میں ہاتھ اُٹھانے سے منع بھی ثابت نہیں بلکہ دعاء میں ہاتھ اُٹھانے کے بارے میں ضعیف احادیث موجود ہیں اس لیے ان چار باتوں کی وجہ سے فرائض کے بعد دعاء میں ہاتھ اُٹھانا بدعت سیءہ نہیں، بلکہ جائز ہے اور اس کے کرنے والے پر کوئی ملامت نہیں۔''

مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں: رفع اليدين بعد الصلاة للدعاء قَلَّ ثبوته فعلاً وكَثُرَ فضله قولاً، فلا يكون بدعة أصلاً. [فیض الباری ۲: ۵۸۳، بذیل حدیث: ۱۱۷۸]

''نمازوں کے بعد دعاء میں ہاتھ اُٹھانے کے بارے میں فعلی احادیث کم ہیں اور قولی احادیث میں کثرت سے اس کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ پس یہ اصلاً بدعت نہیں۔''

سوال: فقہاء کرام نے فرمایا: الإشتغال بالسنة عقيب الفرض أفضل من الدُعآء.

[الاشباہ والنظائر: ۱۲۷-۱۲۸]

''فرض کے بعد دعاء میں مشغول ہونے سے سنت پڑھنے میں مشغول ہونا بہتر ہے۔''

ولكن عندنا السنة مقدمة على الدعآء الذي هو عقب الفراغ. [بحر الرائق ۱: ۳۰۴]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

"لیکن ہمارے نزدیک سنت پڑھنا اس دعاء سے مقدم ہیں جو فرائض کے بعد ہے۔"

جواب: دونوں حوالے علامہ ابن نجیم کے ہیں، اور انہوں نے اپنی رائے پر کوئی شرعی دلیل پیش نہیں کی، اس لیے نا قابل استدلال ہے۔

ہیئت اجتماعی کے ساتھ علی سبیل الإلتزام دعاء بعد السنن

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: أفضل صلاة المرء في بيته إلّا المكتوبة.

[صحیح بخاری، کتاب الاذان[۱۰] باب صلاة اللیل[۸۱] حدیث:۷۳۱، کتاب الادب[۷۸] باب مایجوز من الغضب والشدة لامر اللہ[۷۵] حدیث:۶۱۱۳، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة[۹۷] باب ما یکرہ من کثرة السوال[۳] حدیث:۷۲۹۰، صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین[۶] باب استحباب صلاة النافلة فی بیتہ وجوازہا فی المسجد[۲۹] حدیث:۲۱۳-[۷۸۱]]

"آدمی کی افضل نماز وہ ہے جو گھر میں پڑھے سوائے فرض نماز کے۔"

یعنی فرض نماز کے سوا باقی نمازیں گھر میں پڑھنا بہتر ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ [(۱)] فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: أيما أفضل: الصلاة في بيتي أو الصلاة في المسجد؟ قال: ألا ترى إلى بيتي؟ ما أقربه من المسجد! فلأن أصلي في بيتي أحب إليّ من أن أصلي في المسجد إلّا أن تكون صلاة مكتوبة. [سنن ابن ماجہ، کتاب الصلاة[۲] باب ماجاء فی التطوع فی البیت[۱۸۶] حدیث:۱۳۷۸]

"نماز میرے گھر میں افضل ہے یا مسجد میں افضل ہے؟ فرمایا کہ مجھے گھر میں پڑھنا زیادہ محبوب ہے مسجد میں نماز پڑھنے سے مگر یہ کہ نماز فرض ہو۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ میرا گھر مسجد سے کتنا قریب ہے؟"

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کی نماز کا حال پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: "آپ ﷺ میرے گھر میں ظہر سے پہلے چار رکعتیں پڑھتے پھر باہر تشریف لے جاتے اور لوگوں

---

(۱) عبداللہ بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ، غزوۂ قادسیہ میں شریک رہے ہیں۔ ان کا شمار شامیین میں ہوتا ہے۔ [اسد الغابة ۳:۲۷۲، ترجمہ:۲۹۷۵]

کوظہر کی نماز پڑھاتے' پھر اندر تشریف لاتے اور دو رکعتیں پڑھتے' پھر عصر کے وقت باہر جاتے اور عصر کی نماز پڑھاتے اور [مغرب کے وقت] مغرب کی نماز پڑھاتے' پھر اندر آ کر دو رکعتیں پڑھتے' پھر لوگوں کو عشاء کی نماز پڑھاتے اور میرے گھر میں آ کر دو رکعتیں پڑھتے۔"

[صحیح مسلم' کتاب صلاۃ المسافرین[٦] باب جواز النافلۃ قائماً[١٦] حدیث:١٠٥-[٧٣٠]]

ان احادیث سے یہ معلوم ہوا کہ عہد نبوی میں یہ دستور تھا اور رسول اللہ ﷺ اکثر اس پر عمل پیرا تھے کہ سنن ونوافل اپنے اپنے گھروں میں جا کر ادا کرتے تھے' اس کے بعد اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ سنن ونوافل ادا کرنے کے بعد اجتماعی صورت میں دُعاء مانگنے کے لیے پھر سے نبی اکرم ﷺ اور آپ کے مقتدی صحابہ کرام ﷺ اپنے اپنے گھروں سے نکل کر مسجد نبوی جمع ہوتے ہوں۔

خلفائے راشدین ﷺ کے زمانے میں یہ طریقہ نہ تھا کہ امام ومقتدی سنن ونوافل کے بعد اجتماعی دعاء میں شریک ہوں' لہٰذا اس کے بدعت ہونے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں' اس طرز استدلال کے چند نظائر ملاحظہ ہوں۔

[ا] نافع [سیدنا ابن عمر ﷺ کے مولیٰ] روایت کرتے ہیں کہ: "ایک شخص نے سیدنا ابن عمر ﷺ کے پہلو میں چھینک ماری تو اُس شخص نے کہا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُولِ اللّٰهِ' تو سیدنا ابن عمر ﷺ نے فرمایا: وأنا أقول: ألحمدُ للّٰهِ والسلام علی رسول اللّٰه' ولیس ھکذا عَلَّمَنَا رسول اللّٰه ﷺ عَلَّمَنَا أن نقول: ألحمد للّٰه علی کل حالٍ.

[سنن ترمذی' کتاب الادب[۴۴] باب ما یقول العاطس اذا عطس[۲] حدیث:۲۷۳۸]

"اس کا تو میں بھی قائل ہوں کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُولِ اللّٰهِ' لیکن ہمیں رسول اکرم ﷺ نے اس کی تعلیم نہیں دی ہے' ہمیں اس موقع پر اس کی تعلیم دی گئی ہے کہ ہم اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ کہیں۔"

آپ نے دیکھا کہ سیدنا ابن عمر ﷺ نے السَّلَامُ عَلٰی رَسُولِ اللّٰهِ سے منع کیا۔ آپ گستاخِ رسول نہ تھے اور نہ رسول اللہ ﷺ پر سلام بھیجنا گناہ ہے' انہوں نے منع کیوں فرمایا؟ اس کی صرف ایک ہی وجہ ہے کہ اس موقع پر یہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

[۲] سیدنا سالم بن عبید ﷺ[1] کے پاس ایک شخص نے چھینک ماری اور کہا: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ ۔ سیدنا سالم ﷺ نے جواب دیا: تم پر اور تمہاری ماں پر سلام' اس جملہ سے وہ شخص ناراض ہو گیا۔ سیدنا سالم ﷺ نے فرمایا: بہر حال میں نے صرف وہی کچھ کہا ہے جو نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا۔"

[سنن ترمذی' کتاب الادب[۴۴] باب مایقول العاطس اذا عطس[۲] حدیث: ۲۷۴۰' سنن ابی داود' کتاب الادب[۳۵] باب ماجاء فی تشمیت العاطس[۹۹] حدیث: ۳۰۵۱]

کیا السلام علیکم کہنا گناہ تھا کہ ایک صحابی اس سے منع کر رہے ہیں؟ نہیں گناہ تو نہیں' تو پھر اس سے منع کیوں کیا جا رہا ہے؟ اس کا بس ایک جواب ہے کہ اس موقع و محل میں یہ ثابت نہیں۔

[۳] امام مجاہدؒ فرماتے ہیں: "میں ایک دفعہ سیدنا ابن عمر ﷺ کے ساتھ ایک مسجد میں نماز پڑھنے کی غرض سے داخل ہوا۔ اذان ہو چکی تھی۔ ایک شخص نے تثویب شروع کر دی تو سیدنا ابن عمر ﷺ نے مجھ سے فرمایا: أُخْرُجْ بِنَا' فإنَّ هذه بدعةٌ .

[سنن ابی داود' کتاب الصلاۃ[۲] باب فی التثویب[۴۵] حدیث: ۵۳۸]

"مجھے یہاں سے لے چل اس لیے کہ یہ بدعت ہے[2]۔"

سیدنا ابن عمر ﷺ اس مسجد سے چلے گئے اور نماز تک وہاں ادا نہ کی' چنانچہ دوسری روایت میں ہے:

أخرج بنا من عند هذا المبتدع ولم يُصل فيه.

[سنن ترمذی' کتاب الصلاۃ' باب ماجاء فی التثویب فی الفجر[۱۹۸] تحت حدیث: ۱۹۸]

"مجھے اس بدعتی کے ہاں سے لے چل' اور اس مسجد میں نماز نہ پڑھی۔"

آپ نے ملاحظہ کیا کہ سیدنا ابن عمر ﷺ نے بدعت اور اہل بدعت سے کیسی نفرت کی کہ انہوں نے ان کی مسجد میں نماز پڑھنی بھی گوارا نہ کی۔ آج کل کا دور ہوتا تو لوگ کہہ دیتے کہ تثویب کرنے والا

---

(۱) سالم بن عبید اشجعی ﷺ' صحابی ہیں۔ اہل صفہ میں سے تھے۔[تقریب التہذیب: ۲۶۱' ترجمہ: ۲۱۸۱]

(۲) امام نووی لکھتے ہیں: رواه أبو داود' وليس إسناده بقوي. [المجموع شرح المهذب ۴: ۱۶۱] اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا ایک راوی ابو یحییٰ القتات لین الحدیث ہے۔

[تقریب التہذیب: ۶۰۷' ترجمہ: ۸۴۴۴]

نماز کے لیے بلا رہا ہے‘ یہ کوئی گناہ تو نہیں کر رہا بلکہ اجر کا مستحق ہے‘ مگر صحابہ کرام ﷺ تو رمز شناس رسول ﷺ تھے‘ ان کی دوررَس نگاہیں بدعات کی ظاہری چمک میں الجھ کر نہیں رہ جاتی تھیں‘ وہ ہدایت کے اصل منبع اور سرچشمہ تک رسائی کر لیتی تھی۔

[۴] امام نووی شرح مہذب میں لکھتے ہیں: ’’سیدنا علی ﷺ نے ایک مؤذن کو عشاء کی نماز کے لیے تثویب کرتے دیکھا تو فرمایا کہ اس بدعتی کو مسجد سے نکال دو[۱]۔‘‘ 16

[المبسوط ۱: ۱۳۰-۱۳۱‘ بحر الرائق ۱: ۲۶۱]

[۵] چاشت کی نماز مستحب ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے خود پڑھی اور صحابہ کرام ﷺ کو ترغیب بھی دی اور وصیت بھی کی۔ [صحیح مسلم‘ کتاب صلاۃ المسافرین[۶] باب استحباب صلاۃ الضحیٰ[۱۳] حدیث: ۸۰-[۳۳۶]

فجمهور العلماء علی استحباب الضحی. [شرح صحیح مسلم‘ نووی ۵: ۲۳۰]

’’اور جمہور علماء اسے مستحب سمجھتے ہیں۔‘‘

مگر مع ہذا ایک بلند پایہ صحابی سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اسی چاشت کی نماز کو بدعت کہتے ہیں۔ [صحیح بخاری‘ کتاب العمرۃ[۲۶] باب کم اعتمر النبی ﷺ[۳] حدیث: ۱۷۷۵‘ صحیح مسلم‘ کتاب الحج[۱۵] باب بیان عدد عمر النبی ﷺ[۳۵] حدیث: ۲۲۰-[۱۲۵۵]

کیوں؟ کیا جو کام رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو وہ بھی بدعت ہے؟ اس کا مفہوم علماء کرام نے یہ بتایا ہے کہ سیدنا ابن عمر ﷺ کبھی ایسے کام کو بدعت نہیں کہہ سکتے جس کو نبی کریم ﷺ نے کیا اور لوگوں کو اس کی ترغیب دی ہو اور اس کی وصیت کی ہو۔ دراصل بات یہ تھی کہ سیدنا ابن عمر ﷺ نے جب لوگوں کو دیکھا کہ ایک مستحب کے ساتھ فرض کا معاملہ کرنے لگ گئے ہیں اور فرائض کی طرح اس نماز کی مواظبت شروع کر دی‘ پھر گھروں کی بجائے مسجد میں اس کی ادائیگی شروع کر دی‘ یہ سب باتیں دیکھ کر اس پر بدعت کا فتویٰ دیا۔ [شرح صحیح مسلم‘ نووی ۵: ۲۳۰]

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ:

[۱] کیا ہیئتِ اجتماعی کے ساتھ مروجہ دُعاء بعد السنن مستحب ہے؟

---

(۱) امام نووی کی یہ عبارت اَلْمَجْمُوع شرح المُهَذَّب میں مجھے نہ مل سکی۔

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

[۲]اس کے مستحب ہونے کی دلیل کیا ہے؟

[۳] کیا رسول اللہ ﷺ سے ساری عمر میں ایک دفعہ ثابت ہے یا کیا آپ ﷺ نے اس کی ترغیب دی ہے؟

[۴] کیا خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عمل سے ثابت ہے؟

[۵] کیا دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس پر عمل پیرا تھے؟

[۶] کیا تابعین یا اتباع تابعین اس پر عامل تھے؟

[۷] کیا کسی مجتہد کے قیاس سے اس کا ثبوت ملتا ہے؟

اگر نہیں اور جواب یقیناً نفی میں ہے، تو:

[۱] کیا اس مروجہ دعاء کو لازمی قرار نہیں دیا گیا ہے؟

[۲] اسے باعث ثواب اور مستحب نہیں گردانا جاتا جیسا کہ البصائر:۱۷۹ میں ہے؟

[۳] اس کے تارک کو وہابی اور خارجی کے طعنے نہیں دیے جاتے؟

[۴] کیا اس پر التزام نہیں کیا جاتا؟

اگر جواب ہاں میں ہے اور یقیناً جواب ہاں میں ہے تو اس کے بدعت نہ ہونے کی دلیل کیا ہے؟

فقہ میں اس استدلال کے نظائر

علامہ برہان الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر فرغانی مرغینانی ؒ(۱) لکھتے ہیں:

[۱]ویکرہ أن یتنفل بعد طلوع الفجر بأکثر من رکعتي الفجر، لأنه عليه السلام لم یزد علیهما مع حرصه علی الصلاۃ. [ہدایہ اولین:۷۷]

''طلوع فجر کے بعد صبح کی دو رکعت سنتوں کے علاوہ نفل پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت اور منقول نہیں، باوجودے کہ آپ ﷺ نماز پڑھنے کے بہت حریص تھے۔''

(۱) علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل فرغانی مرغینانی ابوالحسن برہان الدین۔ فقہائے احناف کے اکابر میں سے تھے۔ ۵۳۰ھ=۱۱۳۵ء کو پیدا ہوئے۔ فرغانہ کے نواحی علاقے مرغینان کی طرف نسبت ہے۔ حافظ، مفسر، محقق اور ادیب تھے۔ ۵۹۳ھ=۱۱۹۷ء کو وفات پائی۔ [الجواہر المضیئۃ:۲۴۸، ترجمہ:۹۷۹، الاعلام۴:۲۶۶]

[۲] ولا يَتَنَفَّلُ في المصلّى قبل صلاة العيد لأن النبي ﷺ لم يفعل ذلك مع حرصه على الصلاة. [ہدایہ اولین:۱۵۳]

''عیدگاہ میں نمازِ عید پڑھنے سے پہلے نفل نہ پڑھیں' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے باوجود نماز پر حریص ہونے کے نہیں پڑھے ہیں۔''

[۳] وليس في الكسوفِ خطبة لأنه لم ينقل. [ہدایہ اولین:۱۵۶]

''نمازِ کسوف کے وقت خطبہ نہیں' کیونکہ اس کا نقل اور ثبوت نہیں۔''

[۴] ولا يقلب القوم أرديتهم' لأنه لم ينقل أنه ﷺ أمر هم بذلك. [ہدایہ اولین:۱۵۷]

''[نمازِ استسقاء میں] قوم اپنی چادریں نہ پلٹیں کیونکہ اس کا ثبوت موجود نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام ﷺ کو اس کا حکم دیا ہو [باوجودے کہ خود اپنی چادر پلٹ دی تھی]۔''

آپ نے دیکھ لیا کہ عدمِ نقل' دلیل ہے کراہت کی' اسی لیے ملا علی قاری لکھتے ہیں:

والمتابَعة كماتكون في الفعل تكونُ في الترك أيضاً' فمَن واظَب على فعلٍ لم يفعله الشارع ﷺ فهو مبتدع. [مرقاۃ المفاتیح ۱:۹۵' بذیل حدیث:۱]

''اتباع جس طرح کرنے میں ہوتی ہے' بالکل اسی طرح کسی چیز کے ترک کرنے میں بھی ہوتی ہے' پس جو کوئی کسی ایسے کام پر مداومت کرے جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہ ہو تو وہ بدعتی ہے۔''

سوال: جب رسول اللہ ﷺ نے سنن ونوافل مسجد میں ادا نہیں کیں' تو اُن کا مسجد میں ادا کرنے والا بھی بدعتی ٹھہرا؟

جواب: یہ کس نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تمام سنن ونوافل گھر میں پڑھے ہیں۔ ہمیں اچھی طرح علم ہے کہ آپ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرتے رہے اور تمام عمر میں اعتکافوں کے دوران یہ بات کہیں ثابت نہیں کہ آپ سنن ونوافل کے لیے مسجد سے باہر تشریف لے گئے ہوں پس یہ تو ثبوت ہوا مسجد میں سنتیں پڑھنے کے جواز کا' لیکن اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھئے کہ مسجد میں سنن پڑھنے کے باوجود کہیں بھی یہ ثابت نہیں کہ آپ ﷺ نے سنتوں کے بعد اجتماعی دعاء مانگی ہو۔

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

جب کہ ایک حدیث میں وارِد ہے: كان رسول الله ﷺ يطيل القرآءة في الركعتين بعد المغرب حتى يتفرق أهل المسجد.

[سنن ابی داوُد کتاب الصلاۃ [۲] باب رکعتی المغرب این تصلیان [۳۰۴] حدیث: ۱۳۰۱]

''رسول اللہ ﷺ مغرب کی سنتوں کا قیام اتنا طویل کرتے کہ نمازی گھروں کو واپس لوٹے ہوئے ہوتے۔''

لیکن یہ روایت ضعیف ہے' اس لیے کہ اس کی سند میں یعقوب بن عبداللہ قمی ہے' جس کی کنیت ابوالحسن ہے۔ صدوق تھا اور وہم کا شکار ہوا کرتا تھا۔ [تقریب التہذیب: ۶۳۹' ترجمہ: ۷۸۲۲]

مروجہ دعاء بعد السنن کے بارے میں علمائے دیو بند کی عبارات

[۱] مفتی اعظم ہند مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''احادیث وفقہ سے کہیں یہ ثابت نہیں ہوتی کہ قرون ثلاثہ میں دعاء کا یہ طریقہ تھا کہ سنتیں' نفلیں پڑھ کر ساری جماعت دعاء مانگتی ہو اور جب اس پر یہ قیود اور بڑھ جائیں کہ امام لوگوں کے فارغ ہونے تک ان کا انتظار کرلے اور پھر الفاتحہ بلند آواز سے کہہ کر دعاء شروع کرے تو اس طریقہ کا طریقہ جدیدہ ومحدثہ ہونا اور بھی پختہ ہوجاتا ہے پھر اس پر اگر اس التزام کا بھی لحاظ کرلیا جائے جو بعض اطراف میں مشاہدہ ہے کہ اس طریقہ دعاء کو ضروری سمجھتے ہیں اور نہ کرنے والے کو ملامت کرتے ہیں تو پھر اس کے بدعت ہونے میں کسی طرح کا شک وشبہ باقی نہیں رہتا کیونکہ شریعت مقدسہ کا حکم یہ ہے کہ اگر کسی امرِ مباح یا مستحب کو بھی ضروری سمجھ لیا جائے اور اس پر اصرار کیا جائے تو وہ بدعت ہوجاتا ہے۔'' [کفایۃ المفتی ۳: ۳۳۷' جواب: ۵۵۸' النفائس المرغوبۃ: ۴]

[۲] مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''دُعاء بعد السنن بالهيئة الإجتماعية پر نہ تعامل ثابت ہے اور نہ کسی حدیث واثر سے اس کا ثبوت ہے تو اس پر اجتماع اور اس کا التزام بلاشبہ بدعت کی حد میں آجاتا ہے۔'' [امداد المفتیین: ۱۹۵' سوال: ۸۹]

[۳] مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: إنه بدعةٌ تضَمَّنَت بدعاتٍ كثيرة' لا أرى لمثل هذا وجهة من السنة. [معارف السنن ۳: ۱۲۵]

''یہ ایک ایسی بدعت ہے جس نے کئی بدعات اپنے اندر لپیٹ لیے ہیں۔ میں اس کو سنت نہیں جانتا۔''

[۴] مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی لکھتے ہیں: ''یہ بدعت ہے اس کی کچھ اصل نہیں' بالخصوص التزام اور اصرار کی وجہ سے یہ بدعت سیئہ میں داخل ہے۔'' [امداد الاحکام ۱:۸۷]

[۵] مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدرؒ لکھتے ہیں: ''بعض علاقوں میں سنتوں اور نوافل کے بعد اجتماعی طور پر دعا کا خاصا اور خوب اہتمام کیا جاتا ہے اور دعا نہ کرنے والے کو بنظر حقارت دیکھا جاتا ہے حالانکہ یہ کارروائی نری بدعت ہے۔ علماء کو اس سے سختی کے ساتھ گریز کرنا چاہیے اور علی الخصوص علماءِ حق کو جو بعض علاقوں میں رسمی اور رواجی طور پر اس بدعت اور مکروہ فعل میں مبتلا ہیں۔''
[حکم الذکر بالجہر :۱۵۱]

[۶] مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ لکھتے ہیں:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ نوافل کے بعد دعاء مانگنا احادیث سے ثابت ہے اور کبھی اتفاقاً کسی نے امام کے ساتھ دعاء مانگ لی تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں' کلام تو اس میں ہے کہ ساری جماعت امام کے فارغ ہونے تک منتظر بیٹھی رہتی ہے اور اس کا اس قدر التزام کیا جاتا ہے کہ پہلے اُٹھ جانے کو معیوب سمجھا جاتا ہے اور اس پر انکار اور لعن طعن کیا جاتا ہے' اگر امام زیادہ دیر تک نوافل میں مشغول رہا تو بھی کافی دیر تک انتظار کی زحمت اُٹھائی جاتی ہے۔ امام بھی اس قدر التزام کرتا ہے کہ اگر زیادہ دیر تک نوافل اوابین وغیرہ پڑھنا چاہتا ہے تو پہلے دعاء مانگ کر مقتدیوں کو فارغ کر کے مزید نوافل میں مشغول ہوتا ہے۔ غرض یہ کہ امام اور مقتدیوں دونوں کی طرف سے مثل واجب اس کا اہتمام کیا جاتا ہے' پھر دعاء میں بھی مخصوص طریق کا التزام کیا جاتا ہے' امام کے ساتھ بہیئت اجتماعیہ دعاء مانگنا رسول اکرم ﷺ' صحابہ کرام ؓ' تابعین' تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین میں سے کسی سے بھی ثابت نہیں' جس کا وجود ہی ثابت نہ ہوا سے وجوب کا درجہ دینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ جو امر رسول اللہ ﷺ اور قرون مشہود لہا بالخیر سے ثابت نہ ہوا سے ثواب تصور کرنا یہ سمجھنے کے مترادف ہے کہ نعوذ باللہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام ؓ نے دین کو سمجھا نہیں یا پوری طرح پہنچایا

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

نہیں اس لیے دین ناقص رہا جس کی تکمیل آج ہم کررہے ہیں، حالانکہ ارشاد ہے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ یہ لوگ اپنے عمل سے اس آیہ کریمہ کی تکذیب کررہے ہیں، چونکہ اِکمال دین اور اِتمام نعمت ہو چکا ہے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا فَهُوَ رَدٌّ، دعاء مَبْحُوثٌ عنہا میں عدم جواز کے دونوں سبب موجود ہیں، التزام بھی اور موہم زیادۃ بھی، اگر یہ دعاء ثابت ہوتی اور مندوب بھی ہوتی تب بھی ناجائز ہو جاتی چہ جائے کہ اس کا ثبوت اور وجود ہی نہیں۔" [احسن الفتاویٰ ۱:۳۴۱]

مولوی حمد اللہ صاحب اور حافظ کفایت اللہ صاحب ڈاگئی کی رائے

[۱] مولوی حمد اللہ صاحب لکھتے ہیں: إن الدعاء بالهيئة الإجتماعية المعمولة مستحب. [البصائر لمنکری التوسل باہل المقابر: ۱۵۵]

"بے شک مروجہ دعاء ہیئت اجتماعیہ کے ساتھ مستحب ہے۔"

[۲] حافظ کفایت اللہ صاحب ڈاگئی لکھتے ہیں: "دعاء بعد السنن بالہیئۃ الاجتماعیۃ بدعت نہیں بلکہ فقہاء اسے مستحب اور واجب کہتے ہیں۔" [الذخائر: ۳۲]

اب اگر کوئی یہ پوچھے کہ اس کے مستحب ہونے کا دلیل کیا ہے؟ اور کس مجتہد اور کس فقیہ نے اس دعاء کو مستحب اور واجب کہا ہے؟ کیا رسول اللہ ﷺ نے اپنی ساری عمر میں اس پر عمل کیا ہے؟ یا کیا کسی صحابی کے عمل سے ثابت ہے؟ یا کسی تابعی، تبع تابعی اور کسی امام، فقیہ اور مجتہد کے قول وعمل میں اس کا ثبوت موجود ہے؟ اگر موجود ہے تو بیان کیجئے۔ بات لگی لپٹی نہ ہو۔ دوٹوک ہو۔ صریح اور صحیح سند سے ثابت ہو۔

علماء دیوبند کے آراء آپ نے ملاحظہ کیں، جو سارے کے سارے اس دعاء کو بدعت کہتے ہیں، کیا یہ فقہاء نہیں جو اس دعاء کو بدعت کہتے ہیں، اس سے منع کرتے ہیں اور اسے مکروہ قرار دیتے ہیں؟

مفتی محمد فرید صاحب کا انکشاف

مفتی محمد فرید صاحب نے فرمایا ہے: "ہندوستان اور اٹک کے اُس پار والے علماء دعاء بعد السنّت بہیئت اجتماعی اور حیلہ اسقاط میں حنفی مسلک کے خلاف ہیں۔" [تجلیاتِ فریدی: ۲۱۸]

اس پر سوائے إِنَّاللّٰہ اور لا حولَ و لاقوۃ إلَّا باللّٰہ العلي العظیم پڑھنے کے اور کیا کہا جا سکتا ہے؟ سارے علمائے دیوبند کو فقہ حنفی کے خلاف جاننا مفتی صاحب کر سکتے ہیں، مجھ جیسا چھوٹا شخص اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

دعاء کے لیے تین بار ہاتھ اٹھانا

مولوی حمد اللہ صاحب لکھتے ہیں: و ذکر الإمام مسلم في واقعة بقیع الغرقد أنه رفع یدیه ثلاثاً، قال الإمام النووي: فیه استحباب إطالة الدعاء، و تکرر رفع الیدین.

[البصائر لمنکری التوسل باہل المقابر: ۱۴۹، پشاور، ۱۸۱، ترکی]

''اور امام مسلمؒ نے واقعہ بقیع الغرقد میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دعاء کے لیے تین مرتبہ ہاتھ اٹھائے، امام نوویؒ نے کہا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طویل دعاء کرنا اور دعاء میں بار بار ہاتھ اٹھانا مستحب ہے۔''

حافظ کفایت اللہ صاحب ڈاگئی لکھتے ہیں: ''مشکوٰۃ ص:۱۳۱ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین دفعہ دعاء کے لیے ہاتھ اُٹھائے۔'' [الذخائر لاہل البصائر:۳۱]

مولوی صاحب! ہمیں معلوم ہے کہ یہ حدیث صحیح مسلم [کتاب الجنائز[۱۱] باب مایقال عند دخول القبور والدعاء لاہلہا[۳۵] برقم:۱۰۳-[۹۷۴]] کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بقیع میں تین دفعہ ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگی۔ اس کے بارے میں مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی لکھتے ہیں:

''بقیع والی حدیث کے مندرجہ ذیل جوابات دیے جا سکتے ہیں:

[۱] واقعہ واحدہ اتفاقیہ سے التزام پر استدلال درست نہیں زیادہ سے زیادہ جواز بلا التزام پر استدلال ثابت ہوگا۔ التزام بہر حال ناجائز ہے۔

[۲] ممکن ہے کہ مختلف قبور پر متعدد دفعہ رفع ایدی [ہاتھ اٹھانا] ہوا ہو۔

[۳] یہ بھی احتمال ہے کہ ایک دفعہ دعاء ختم کرنے کے بعد جدید دعاء کا کوئی خاص داعیہ مثلاً مزید رقتِ قلب و شان رحمت پیدا ہوا ہو، اسی طرح دوسری دعاء ختم کرنے کے بعد تیسری دفعہ رفع ایدی خاص داعیہ کے تحت ہو۔

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

[۴] ممکن ہے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت ہو بایں طور کہ پہلے خصوصی شفاعت کے طور پر دُعاء فرمائی ہو۔ ختم کرنے پھر مزید دعاء کرنے کا امر الٰہی ہوتا گیا۔

ان توجیہات کی ضرورت اس لیے ہے کہ اصل میں حدیث کا مفہوم سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے صحابہ، تابعین اور ائمہ کے قول و عمل کا ملاحظہ ضروری ہے جو کام عبادت سمجھ کر رسول اللہ ﷺ نے ہزاروں صحابہ کے روبرو کیا ہو، پھر دعاء کا واقعہ کوئی عمر بھر میں ایک آدھ نہیں بلکہ دن میں کئی مرتبہ کا ہے، پس اگر تثلیث دعاء کا کوئی ثبوت ہوتا اور صحابہ اسے ثواب سمجھتے تو ضرور وہ اسے نقل کرتے اور خود بھی اس پر عمل کرتے حالانکہ امت میں سے کسی نے نہ اسے نقل کیا اور نہ ہی اس کے مطابق عمل کیا۔" [احسن الفتاویٰ ۱:۳۴۴]

مُفتی محمد فرید صاحب لکھتے ہیں: "چونکہ یہ تثلیث عوام کے لیے اس کے مسنون ہونے کے اعتقاد کی طرف پہنچانے والے ہے، لہٰذا قواعد کی رُو سے یہ تثلیث مکروہ ہے۔" [المقالات: ۴۳]

ایک اور اعتراض

یہ لوگ استدلال میں یہ عبارت بھی پیش کرتے ہیں: ویستحب للإمام بعد سلامه أن يتحول إلى يساره للتطوع بعد الفرض، وأن يستقل بعدهٗ الناس......ثم يدعون لأنفسهم.

[نورالایضاح: ۸۰]

"امام کے لیے مستحب یہ ہے کہ فرض کا سلام پھیرنے کے بعد سنن پڑھنے کے لیے بائیں طرف ہٹ جائے اور اس کے بعد لوگوں کی طرف منہ کر کے پھر سب اپنے لیے دعاء مانگیں۔"

ان لوگوں کا کہنا کہ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ دعاء بعد السنن بالهيئة الاجتماعية المروجة مستحب ہے لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ کیا صاحب نورالایضاح نبی ہیں یا صحابی، تابعی، یا مجتہد؟ کہ ان کی بات بلا دلیل مانی جائے، کیونکہ کسی کام کو مستحب کہنے کے لیے دلیل شرعی کی ضرورت ہوتی ہے جیسا کہ کتب اصول فقہ میں مصرح ہے۔ نورالایضاح کے مصنف نے استحباب کا حکم لگانے پر کون سی شرعی دلیل پیش کی ہے؟ صرف عبارت پیش کرنے کا نام دلیل نہیں ہوتا بلکہ:

الأصل في الأحكام: التَّمَسُّكُ بالكتاب والسنة ومجانبة الهوى والبدعة، ولزوم طريق

السنة و الجماعة الذي كان عليه الصحابة و التابعون و مضى عليه الصالحون و القياس المعنى المُستَنبَط من هذه الأصول. [اصول بزدوی: ۳، ۵]

''شرعی احکام میں اصل بات یہ ہے کہ قرآن وسنت کو مضبوط پکڑا جائے۔ خواہشات کی پیروی اور بدعت سے اجتناب کرلے اہل سنت اور جماعت کے طریقے کو مضبوط پکڑے جو سب صحابہ اور تابعین کی راہ تھی اور مجتہد کا وہ قیاس جو ان اصول سے مستنبط ہو۔''

صاحب نور الایضاحؒ نے ان میں کون سی دلیل پیش کی ہے؟ اور جب دلیل پیش نہیں کی تو ان کی بات پرکاہ کے برابر نہیں چہ جائے کہ وہ حجت بن جائے، حالانکہ علامہ ابن عابدین شامیؒ اور مولانا عبدالحی صاحب لکھنویؒ امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں لکھتے ہیں:

إن إبراهيم بن يوسف روى عن أبي يوسف عن أبي حنيفة أنه قال: لا يحل لأحد أن يفتي بقولنا ما لم يعرف مأخذه من الكتاب و السنة.

[رسائل ابن عابدین ۱: ۲۸، ۱۳۵، الفوائد البہیۃ: ۳۰، تحت ترجمہ: ۸]

''ابراہیم بن یوسفؒ امام ابو یوسفؒ سے اور وہ امام ابوحنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ ہمارے قول پر فتویٰ دے جب تک وہ اس کے لیے قرآن و سنت کی دلیل نہ پائے۔''

جب امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابتؒ کا یہ ارشاد ہے کہ میرا قول بغیر شرعی دلیل و برہان کے قبول نہ کرو تو باقی رہتا کون ہے کہ اس کی بات بلا دلیل تسلیم کی جائے؟

[۲] صاحب نور الایضاح کا قول نص نہیں بلکہ محتمل ہے کیونکہ انہوں نے اذکار واردہ بعد الفرض کے عنوان کے نیچے یہ عبارت لکھی ہے، چنانچہ مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ لکھتے ہیں:

''نور الایضاح کی عبارت میں صرف دعاء بعد النوافل کا ذکر ہے یہ نہیں لکھا کہ امام اور مقتدی مل کر دعاء کریں یعنی سب لوگ دعاء کریں، مگر امام کے ساتھ مقتدیوں کا تعلق ہو، اس کا کوئی ثبوت نہیں مثلاً نماز فجر کے بعد متعدد لوگ بیک وقت تلاوت قرآن میں مشغول ہوتے ہیں، بظاہر یہ تلاوت اجتماعی ہوتی ہے مگر درحقیقت ہر شخص اپنے طور پر اپنی تلاوت میں مشغول ہے، کسی کا دوسرے کے

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

ساتھ کوئی تعلق نہیں، نہ ابتداء ایک ساتھ کرنے کا اہتمام ہوتا ہے اور نہ انتہا' بلکہ ہر شخص اپنی فرصت اور ہمت کے مطابق تلاوت کر کے فارغ ہو جاتا ہے'اسی طرح فرض کے بعد والی دعاء بھی امام کے ساتھ مل کر کرنا ثابت نہیں' اگر اتفاقاً امام کے ساتھ ہو جائے تو کوئی حرج نہیں' التزام کی وجہ سے یہ فعل بدعت ہو جائے گا۔" [احسن الفتاویٰ ۱:۳۴۵]

ایک اور اعتراض

یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں دعاء بعد السنن بالہیئة الإجتماعية کے استحباب کی تصریح موجود ہے اس کا جواب مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سے سنیے جو لکھتے ہیں: "علامہ طحطاویؒ کی عبارت احقر کی نظر سے بھی گزری ہے لیکن اس کی تو کوئی توجیہ میری سمجھ نہیں آئی اور قواعدِ مسلمہ کے خلاف صرف ان کی یہ تصریح ہمارے مشائخ کے نزدیک قابل تقلید واتباع نہیں ہے۔" [امداد المفتیین: ۱۹۵' سوال: ۸۹]

[۴] چوتھی بحث: حیلہ اسقاط

مولوی صاحب نے حیلہ اسقاط کے اِثبات' اسے مستحب و مستحسن قرار دینے اور اس سے متعلقہ مباحث پر البصائر لمنكري التوسل بأهل المقابر کے صفحات: ۱۵۵-۱۶۴ سیاہ کیے ہیں۔ مگر وائے بے بختی! علمائے دیوبند میں سے چوٹی کے عالم مفتی کفایت اللہ صاحب نے حیلہ اسقاط مروج کی تردید میں دلیل الخیرات فی ترک المنکرات کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھی ہے۔ نیز علمائے دیوبند کے مختلف اَدوار میں دیے گئے اَن گنت فتاویٰ میں مروج حیلہ اسقاط کو بدعت ہی کہا گیا ہے۔

مولوی صاحب لکھتے ہیں: ذكر في الفتاوى السمرقندية دوران أجزاء القرآن و كذا الواقدي في فتوح الشام فقال: أخبره أبو عاصم عن ابن جريج عن ابن شهاب عن أبي سلمة عن أبي موسى قال: فعل عمر ﷺ أي: دوران أجزاء القرآن.

[البصائر لمنکری التوسل باہل المقابر: ۱۶۶' پشاور' ۲۰۳' ترکی]

"فتاویٰ سمرقندیہ میں [حیلہ اسقاط میں] قرآن مجید کے اجزاء کا دور ثابت ہے اسی طرح واقدی نے

فتوح الشام میں ابو عاصم عن ابن جریج عن ابن شہاب عن ابی موسیٰ کے سند سے لکھا ہے کہ سیدنا عمر ﷛ نے [حیلہ اسقاط میں] قرآن مجید کے اجزاء کا دور کیا تھا۔"

اس بارے میں عرض ہے:

-۱: مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی لکھتے ہیں: "امیر المؤمنین فاروق اعظم ﷛ اور اُن کے سوا اور حضرات سے جو کچھ روایات بے سروپا اس عبارت میں مذکور ہیں سب باطل و افتراء ہیں۔ نہ یہ عبارت فتاویٰ سمرقندیہ میں ہے، اُس پر بھی افتراء ہے اور بے چارہ افتراء کرنے والا عربی عبارت بھی با قاعدہ نہ بنا سکا، اپنی ٹوٹی پھوٹی جاہلانہ خرافات کو صحابہ وائمہ کی طرف منسوب کیا۔"

[فتاویٰ رضویہ ۸:۱۷۵]

-۲: فتوح الشام اور فتاویٰ سمرقندیہ دونوں بازار میں دستیاب ہیں: ہمت ہے تو یہ عبارت ان میں سے دکھائی جائے۔

-۳: اس روایت میں ابو عاصم کون ہے؟ کچھ علم نہیں۔

-۴: ابن جریج: عبد الملک بن عبد العزیز بن جریج مکی، فقیہ حجاز۔ امام دارقطنی فرماتے ہیں: بدترین اور قبیح ترین تدلیس ابن جریج کی ہے اس لیے کہ وہ ہمیشہ مجروح راوی کی روایت میں تدلیس کرتا ہے۔ [تعریف اہل التقدیس: ۹۵، ترجمہ: ۸۳- [۱۷]] اور اُس کی یہ روایت معنعن ہے۔

-۵: ابن شہاب: محمد بن مسلم زہری مدلس ہیں۔ [تعریف اہل التقدیس: ۱۰۹، ترجمہ: ۱۰۲- [۳۶]] اور اُن کی یہ روایت معنعن ہے۔

-۶: حافظ ذہبیؒ واقدیؒ کے بارے میں اپنے ریمارکس اِن الفاظ میں نقل کرتے ہیں:

وقد تَقَرَّرَ أنَّ الواقدي ضعيفٌ يُحتاجُ إليه في الغَزَوات والتاريخ، ونُورِدُ آثارَهُ من غير احتجاجٍ، أمّا في الفرائض فلاينبغي أن يُذْكَرَ، فهذه الكتب الستة، ومسند أحمد، وعامّة مَن جمع في الأحكام نراهم يترَخَّصون في اخراج أحاديث أناس ضُعفاء، بل و متروكين، ومع هذا لايُخرِجون لمحمد بن عمر شيئاً، مع أنَّ وزنَهُ عندي أنه مع ضعفه يُكتب حديثه ويُروَى، لأني لا أتهمه بالوضع، وقول مَن أهدره فيه مجازفةٌ من بعضِ الوجوه، كما أنّه لاعبرةَ بتوثيقِ مَن وَثَّقَهُ كيزيد، و أبي عبيد، والصّاغاني، والحربي، ومَعن،

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

وتَمام عَشرة محدثين 'إذ قد انعقدالإجماعُ اليومَ على أنه ليس بحُجَّةٍ وأنَّ حديثَهُ في عِدادِ الواهي. [سیراعلام النبلاء ۹:۴۶۹]

"یہ بات ہر کسی کومعلوم ہے کہ واقدی ضعیف تھے۔ہم تاریخ اورغزوات میں اُن کی روایات کے محتاج ہیں۔ہم استدلال واحتجاج کیے بغیراُن کی روایات نقل کرتے ہیں اگر چہ فرائض کے سلسلے میں اُن کی روایات کوذکر کرنا غیرمناسب ہے مگراس کے باوجوداُن کا مرتبہ میرے نزدیک یہ ہے کہ ضعیف ہونے کے باوجوداُن کی روایات لکھی اورنقل کی جائیں کیونکہ میرے نزدیک وہ حدیث گھڑنے سے بدنام نہیں ہے لیکن جن محدثین مثلاً: یزید'ابوعبید'صاغانی'حربی'معن اوردیگر چند لوگوں نے واقدی کی جوتوثیق کی ہے وہ قطعاً بےاعتبار ہے کیونکہ اس بات پراجماع ہے کہ واقدی حجت نہیں اوراُن کی روایات واہی[کمزور] روایات کی ذیل میں آتی ہیں۔"

امام بخاریؒ اورامام نسائیؒ فرماتے ہیں:واقدیؒ متروک الحدیث تھا۔

[تاریخ کبیر۱:۱۷۸' تاریخ اوسط۲:۲۲۰' تاریخ صغیر۲:۲۸۳' ضعفاء صغیر' بخاری' ترجمہ:۳۳۴' الضعفاء و المتروکین' نسائی' ترجمہ:۳۳۴]

امام احمدؒ فرماتے ہیں: كان يقلبها يعني:أحاديث. [العلل ومعرفة الرجال۳:۲۶۴' فقرہ:۵۱۶۶]

"احادیث میں ہیرپھیر کیا کرتے تھے۔"

امام شافعیؒ فرماتے ہیں: كتب الواقدي كلها كذبٌ. [الجرح والتعدیل۸:۲۱]

"واقدی کی ساری کتابیں جھوٹی ہیں۔"

امام اسحاق بن راھویہؒ فرماتے ہیں:إنه عندي ممن يضع الحديث.

[الجرح والتعدیل۸:۲۱' سیراعلام النبلاء۹:۴۶۲]

"میرے نزدیک اس کا شمار واضعینِ حدیث میں ہوتا ہے۔"

امام نسائیؒ فرماتے ہیں: چار شخص وضع احادیث میں بہت مشہور ہیں: مدینہ منورہ میں ابن ابی یحیٰ' بغداد میں واقدی' خراسان میں مقاتل بن سلیمان اورشام میں محمد بن سعید۔

[سیراعلام النبلاء۹:۴۶۳]

امام ابن معینؒ فرماتے ہیں: ہم نے واقدی کی روایات کا جائزہ لیا' اُن کی وہ سب روایات

منکر ہیں جو اُنہوں نے مدنی مجہول رُواۃ سے لی ہیں۔ پھر ہم نے جائزہ لیا تو اِس نتیجہ پر پہنچے کہ ممکن ہے کہ یہ منکر روایات اس کی ہوں اور اس کا بھی احتمال ہے کہ اُن کے مجہول اساتذہ کی ہوں پھر اس کی اُن روایات کا جائزہ لیا جو ابن ابی ذئب اور معمر کی سند سے تھیں اس لیے کہ اُن کی روایات کو بھی یہ ضبط کیا کرتا تھا مگر ہم جلد ہی اس نتیجہ پر پہنچے کہ اُن سے نقل کردہ روایات میں بھی نکارت ہی ہے اس لیے ہم نے اُس سے روایت لینا ہی چھوڑ دیا۔ [الجرح والتعدیل ۸:۲۱]

اس روایت سے استدلال کرنا کسی بھی صورت میں جائز نہیں' یہ الگ بات ہے کہ مولانا صاحب اور اُن کے حواریوں کو اس جھوٹی روایت پر ناز ہے۔

MAKTABA TUL ISHAAT - مکتبۃ الاشاعت

فصل ششم

البصائر کی تَذْنِیبٌ

مولوی حمد اللہ صاحب نے تَذْنِیبٌ میں کئی مسائل کا تذکرہ کیا ہے، جن میں سے چند ایک کے متعلق ذیل میں بحث کی جاتی ہے۔

[ا]

مولوی صاحب نے سب سے پہلے حافظ ابن تیمیہؒ کو تختۂ مشق بنایا ہے۔ مولوی صاحب لکھتے ہیں:

ظهر ابن تيمية في ٧٠٥ھ و كان يقول بكون اللّٰه تعالى مجسماً ، تعالى اللّٰه عن ذلك علواً كبيراً، ويقول بحرمة السفر بقصد الزيارة النبوية، و كان طريقه تحقير بعض الخلفاء الراشدين ، و توهين الأئمة المجتهدين ، و الدليل على ذلك كتابه المسمى بصراط مستقيم. [البصائر لمنکری التوسل باہل المقابر:۱۷۸]

''ابن تیمیہؒ ۷۰۵ھ میں ظاہر ہوئے، اُن کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ مجسم ہیں، یہ بھی کہا کرتے تھے کہ زیارتِ نبوی کے ارادہ سے سفر کرنا حرام ہے۔ بعض خلفائے راشدین ﷡ کی تحقیر اور ائمہ مجتہدین کی توہین کا مرتکب ہوئے۔ اُن کی کتاب صراطِ مستقیم اس کا واضح ثبوت ہے۔''

مجھے یقین ہے کہ مولوی صاحب نے حافظ ابن تیمیہؒ کی کوئی کتاب خود نہیں پڑھی ہے بلکہ محض سنی سنائی باتوں یا اُن کے مخالفین کے منفی پروپیگنڈہ سے متأثر ہوئے ہیں۔ اُن کی کسی بھی کتاب میں خلفائے راشدین ﷡ اور ائمہ مجتہدینؒ کی توہین و تحقیر نہیں کی گئی ہے اور نہ وہ تجسیم الٰہی کے قائل ہیں اُن کی کتاب اِقتضاء الصراط المستقيم لمخالَفةِ أصحاب الجحيم سو وہ بنیادی طور پر قبروں سے متعلق بدعات و رسومات کے رد میں لکھی گئی ہے۔ عام ملتی ہے۔ متداول ہے۔ اُس میں کسی صحابی یا امام مجتہد کی تضحیک و توہین نہیں کی گئی۔

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں: أقول صانهما اللّٰه [ابن تيمية، وابن القيم] عن هذه السمة الشنيعة و النسبة الفظيعة [يعن ...] من طالَعَ شرح منازل السائرين لنديم الباري الشيخ

عبد الله الأنصاري الحنبلي ' وهو شيخ الإسلام عند الصوفية حال الإطلاق بالإتفاق '
تَبَيَّنَ له أنهما كانا من أهل السنة و الجماعة 'بل ومن أولياء هذه الأمة.

[مرقاۃ المفاتیح ۸:۱۴۸-۱۴۹'بذیل حدیث:۴۳۴۰]

''میں [ملاعلی قاری] کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ نے ان دونوں [حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم] کو اس شنیع نام اور بدنام نسبت [تجسیم] سے محفوظ رکھا ہے۔ جس شخص نے شیخ عبداللہ انصاری حنبلی - جو صوفیاء کے نزدیک بالاتفاق شیخ الاسلام ہیں - کی کتاب شرح منازل السائرین پڑھی ہے اُس پر یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی ہوگی کہ وہ دونوں [حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم] اہل سنت و جماعت میں سے تھے بلکہ اس امت کے اولیاء میں سے تھے۔''

[۲]

مولوی صاحب نے علامہ محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

وهو كان من الخوارج كماذكر العلامة الشامي ۳:۳۳۷'باب البغاة. [البصائر:۱۷۹]

''آپ خوارج میں سے تھے جیسا کہ علامہ شامیؒ نے ۳:۳۳۷ میں باب البغاۃ میں ذکر کیا ہے۔''

اور آگے لکھا ہے: فنقول قد عرفت حال محمد بن عبدالوهاب النجدي أنه كان من الخوارج' وخرج من النجد' وتغلّب على الحرمين الشريفين' وكان يَدّعي الحنبلية ' و كانت عقيدته أن ينسب الشرك إلى من كان مخالفاً عن عقيدته ويبيح قتل علماء أهل السنة ويبيح أكل أموال المسلمين و سفك دمائهم إلى أن كسرالله شوكتهم' ذكرفي عقائد علماء الديوبند أن عقيدتنا في حقه ماقال صاحب الدرالمختار ومثل هذا ذكر العلامة الشامي في ۳:۳۳۷ باب البغاة' ومثل ذلك ذكرفي التنقيح الحامدية في ۱:۱۰۳ باب الردة. [البصائر:۱۸۷' جاءالحق' مفتی احمد یارخان نعیمی بریلوی ۱:۴۰]

''آپ نے محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کا حال تو پڑھ ہی لیا' جو خوارج میں سے تھے۔ نجد سے نمودار ہوئے تھے۔ حرمین شریفین پر غلبہ حاصل کیا۔ حنبلی المسلک ہونے کے مدعی تھے اُن کا عقیدہ تھا کہ ہر وہ شخص مشرک ہے جو اُن جیسے عقائد نہیں رکھتا۔ اہل سنت و جماعت کے علماء کو حلال الدم کہتے تھے اور مسلمانوں کے اَموال کو اپنے لیے جائز خیال کرتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

رعب ودبدبہ کوختم کرڈالا۔عقائد علمائے دیوبند میں لکھا ہے کہ اُن [شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی] کے بارے میں ہمارا وہی عقیدہ ہے جسے صاحب درمختارؒ علامہ شامیؒ نے بیان کیا ہے اور جو تنقیح الحامدیہ میں درج ہے[(۱)]۔"

مولوی صاحب کومعلوم ہونا چاہیے کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کے بارے میں علامہ محمد امین ابن عابدین شامیؒ [ردالمحتار۳:۳۳۹] کے یہ ریمارکس قطعاً غلط' بے اصل اور بے بنیاد ہیں' اور مخالف سیاسی پروپیگنڈہ پرمبنی ہیں اس لیے کہ اُنہوں نے عبدالوہابؒ کے پیروکاروں کے بارے میں یہ سب کچھ لکھا ہے' جب کہ وہابی تحریک انہوں نے نہیں بلکہ اُن کے فرزند محمدؒ نے برپا کی تھی۔

رہی المہند علی المفند اور دوسرے علمائے دیوبند کی شیخ محمد بن عبدالوہاب کے خلاف عبارتیں' سو اُن کی حقیقت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی دیوبندی کی کتاب "شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ہندوستان کے علمائے حق" میں پڑھی جاسکتی ہے' جو متداول ہے۔

شیخ الطائفہ مولانا رشید احمد گنگوہی کے فتاویٰ رشیدیہ میں ہے:

سوال: عبدالوہاب نجدی کیسے شخص ہیں؟

---

(۱) مفتی عبدالحمید صاحب حقانی نے بھی اپنی کتاب اِظہار الحق للمتمسکین بالحق کے صفحات: ۲۳-۳۱ میں "وہابیت کی مختصر تاریخ" کے زیرعنوان یہی باتیں لکھی ہیں۔ مفتی صاحب کومعلوم ہونا چاہیے کہ وہی مولانا منظور صاحب جن کی معارف الحدیث کے حوالے اُن کی اس کتاب میں جابجا موجود ہیں' انہوں نے "شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ہندوستان کے علمائے حق" کے نام سے ۱۴۰ صفحات پر مشتمل ایک کتاب لکھی ہے' جسے قدیمی کتب خانہ کراچی نے شائع کیا ہے۔ مفتی صاحب کو چاہیے کہ اس کتاب کا ٹھنڈے دل سے بغور مطالعہ کریں' اس میں انہیں معلوم ہو جائے گا کہ علامہ شامی کی ردالمحتار' علمائے دیوبند کی التصدیقات [عرف عام میں المہند علی المفند یا عقائد علمائے دیوبند]' محترم مولانا شاہ محمد انور صاحب کشمیری کی فیض الباری اور مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے الشہاب الثاقب میں شیخ محمد بن عبدالوہاب صاحب نجدی کے بارے میں جو فتاوی درج ہیں' وہ حقیقت پرمبنی نہیں بلکہ شیخ کے سیاسی مخالفین کے پروپیگنڈہ پرمبنی ہیں' اور جب المہند علی المفند کے مرتب مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری اور الشہاب الثاقب کے لکھنے والے مولانا حسین احمد صاحب مدنی کو حقیقت حال معلوم ہوئی تو اُنہوں نے شیخ کے بارے میں اپنی رائے اور موقف سے رجوع کرلیا۔ رہا فقہی فکری اختلاف سو وہ نہ تو کوئی گناہ ہے اور نہ جرم!

جواب: محمد بن عبدالوہاب کولوگ وہابی کہتے ہیں وہ اچھا آدمی تھا۔ سنا ہے کہ مذہب حنبلی رکھتا تھا اور عامل بالحدیث تھا۔ بدعت وشرک سے روکتا تھا۔ مگر تشدیداس کے مزاج میں تھی۔

سوال: وہابی کون لوگ ہیں اور عبدالوہاب نجدی کا کیا عقیدہ تھا اور کون مذہب تھا اور وہ کیسا شخص تھا اور اہل نجد کے عقائد میں اور سُنی حنفیوں کے عقائد میں کیا فرق ہے؟

17 **جواب:** محمد بن عبدالوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں۔ ان کے عقائد عمدہ تھے اور مذہب اُن کا حنبلی تھا البتہ اُن کے مزاج میں شدت تھی مگر وہ اور ان کے مقتدی اچھے ہیں مگر ہاں جو حد سے بڑھ گئے ہوں اُن میں فساد آ گیا ہے اور عقائد سب کے متحد ہیں۔ اعمال میں فرق حنفی شافعی مالکی حنبلی کا ہے۔ [تالیفات رشیدیہ:۲۴۱-۲۴۲]

[۳]

مولوی صاحب لکھتے ہیں: كلا بل قول القائل يارسول الله ويا محمد بطريق الإستعانة جائزٌ كما في المواهب اللدنية. [البصائر:۱۸۰]

''نہیں! بلکہ کہنے والے کا استعانت کے طور پر یارسول اللہ اور یا محمد کہنا جائز ہے جیسا کہ مواہب لدنیہ میں ہے۔''

مولوی صاحب! اَحناف کا مذہب ہے کہ عقیدہ کے باب میں صحیح خبر واحد بھی نا قابل قبول ہے تو کیا مواہب لدنیہ کے حوالے سے جو بات آپ نے لکھی ہے' کیا وہ درست ہے؟ مولوی صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ:

غائبانہ پکار عبادت ہے

اللہ تعالیٰ سے عاجزی وانکسار کے ساتھ رگڑ رگڑا کر مانگنا نہ صرف عبادت بلکہ تمام عبادات کا نچوڑ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ. [سورۃ حم المؤمن ۴۰:۶۰]

''تمہارے پروردگار نے فرمایا کہ مجھے ہی پکارا کرو' میں تمہاری پکار کو پہنچوں گا اور تمہاری دعاء اور پکار کو قبول کروں گا' واقعی جو لوگ میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں وہ عن قریب ذلیل ہو کر جہنم

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

میں داخل ہوں گے۔"

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ ؛ ثُمَّ قَرَأَ: وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْ أَسْتَجِبْ لَكُمْ.

[سنن ابی داوٗد کتاب الصلاۃ [۲] باب الدعاء [۳۵۸] حدیث: ۱۴۷۹، سنن ترمذی کتاب تفسیر القرآن [۴۸] باب تفسیر سورۃ المؤمن [۴۱] حدیث: ۳۲۴۷]

"پکارنا عبادت ہے" پھر آپ ﷺ نے قرآن عزیز کی یہی آیت کریمہ استشہاد کے طور پر پڑھی کہ پکارنا عبادت ہے۔"

سیدنا ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ: ليس شيئٌ أكرم على الله من الدعاء.

[سنن ترمذی حدیث: ۳۳۷۰، سنن ابن ماجۃ حدیث: ۳۸۲۹]

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک پکار اور دعاء سے بڑھ کر پیاری اور عزیز چیز کوئی نہیں۔"

سیدنا ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی ایک اور روایت میں ہے کہ: مَن لم يسأل الله يغضب عليه.

[سنن ترمذی کتاب الدعوات [۴۹] بابٌ [۲] حدیث: ۳۳۷۳، المستدرک ۱: ۴۹۱]

"جو اللہ تعالیٰ سے نہ مانگے اللہ تعالیٰ اُس پر ناراض ہو جاتے ہیں۔"

غائبانہ طور پر کسے پکارا جائے؟

اس مختصر سے سوال کا جواب تو انتہائی مختصر ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارا جائے اس لیے کہ وہ ہر جگہ سے سنتا ہے ہر کسی کی زبان اور اُس کی تکلیف کو جانتا ہے اور ہر کسی کا سوال پورا کرنے پر قادر ہے۔ اُس اللہ سے دعاء مانگنی چاہیے جو ساری کائنات کا مالک ہے وہ جس سے انبیائے کرام اور اولیائے عظام مانگا کرتے تھے اُسی کے سامنے گڑگڑاتے، روتے اور اپنی حاجتیں طلب کرتے تھے اُسی رب العلمین، رحمان ورحیم اور مالک الملک اور خلاق وعلیم کو پکارنا چاہیے جس کے سامنے سیدنا آدم اور سیدہ حوا علیہما السلام نے گڑگڑا کر سوال کیا تھا:

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ. [سورۃ الاعراف ۷: ۲۳]

"اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہم کو نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔"

ہمیں اُس رب العالمین کے پاس اپنی حاجات لے جانے اور اُن کا حل تلاش کرنے کا حکم دیا گیا جس کے سامنے سیدنا یعقوب علیہ السلام نے اپنی تکلیف بیان کی تھی:

اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ. [سورۃ یوسف ۱۲:۸۶]

''بے شک میں اپنے غم والم کی فریاد اللہ تعالیٰ ہی سے کرتا ہوں۔''

سیدنا زکریا علیہ السلام کو نرینہ اولاد کے نہ ہونے کی شکایت تھی' انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعاء کی:

رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا...... وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا. [سورۃ مریم ۱۹:۴-۵]

''اے میرے رب! میرے اندر سے میری ہڈیاں کھوکھلی ہو چکی ہیں اور میرا سر بڑھاپے سے بھڑک اٹھا اور اے میرے رب! میں تجھے پکار کے کبھی محروم نہیں رہا...... اور میری بیوی بانجھ ہے تو تُو اپنے پاس سے مجھے ایک وارث بخش دے۔''

سیدنا ایوب علیہ السلام عرصہ دراز تک بیمار رہے' انہوں نے اپنے پروردگار کو یوں پکارا:

اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ. [سورۃ الانبیاء ۲۱:۸۳]

''میں دکھ میں مبتلا ہوں اور تُو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔''

ہم اُس اللہ رب العالمین سے دعاء کرتے ہیں جس کے سامنے سیدنا لوط علیہ السلام نے ان الفاظ میں دعاء کی تھی: رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ. [سورۃ العنکبوت ۲۹:۳۰]

''اے میرے رب! اِن شریر لوگوں کے مقابلے میں میری مدد فرما۔''

انبیائے کرام علیہم السلام ہی کی اتباع اور پیروی میں مسلمان ہر نماز کی ہر رکعت میں اپنے رب سے یہ عہد کرتے ہیں: اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ. [سورۃ الفاتحہ ۱:۴]

''ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔''

اور ہمیں معلوم ہے کہ

[۱] جو کوئی مشکلات ومصائب میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو پکارے' اِسی طور پر کہ وہ پاس موجود نہ ہو' نہ وہ اُس کی پکار اور آواز کو سنتا ہو اور نہ وہ چیز عادۃً اُس کے دائرہ اختیار میں داخل ہو تو

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

ایسا شخص اسلام کے دائرہ سے خارج ہو جاتا ہے: قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰنَا اللّٰهُ. [سورۃ الانعام ۶:۷۱]

''آپ کہہ دیجیے: کیا ہم اللہ کے سوا اُن کو پکاریں جو ہم کو نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان، اور کیا ہم اس کے بعد بھی الٹے پاؤں پھر جاویں کہ اللہ نے ہم کو سیدھی راہ دکھا دی ہے۔''

[۲] ایسا شخص ظلم کا مرتکب ہو جاتا ہے: وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ. [سورۃ یونس ۱۰:۱۰۶]

''اور اللہ کے سوا کسی ایسے کو مت پکارو جو تیرا بھلا یا برا نہ کرے اور اگر تُو ایسا کرے گا، تو تُو اُس وقت ظالموں میں سے ہوگا۔''

[۳] ایسا کرنا کفر ہے: لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ.

[سورۃ الرعد ۱۳:۱۴]

''حقیقی پکارنا تو صرف اُس [اللہ] کو پکارنا ہے، رہے وہ جن کو یہ اُس کے سوا پکارتے ہیں تو اُن کی بھی کوئی دادرسی نہیں کر سکتے، اُن کو پکارنا ایسا ہی ہے کہ کوئی اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف بڑھائے کہ وہ اُس کے منہ تک پہنچ جائے درآں حال یہ کہ وہ کسی طرح اُس کے منہ تک پہنچنے والا نہ ہو۔ اِن کافروں کی فریاد محض صدا بصحرا ہے۔''

[۴] ایسا کرنا شرک ہے: اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ. [سورۃ فاطر ۳۵:۱۴]

''اگر تم ان کو پکارو گے تو وہ تمہاری فریاد نہیں سنیں گے اور اگر سنیں گے بھی تو تمہاری فریادرسی نہ کریں گے اور قیامت کے دن تمہارے شرک کا انکار کریں گے اور ایک باخبر کی طرح کوئی دوسرا تمہیں آگاہ نہیں کر سکتا۔''

مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''یعنی جن معبودوں کا سہارا ڈھونڈتے ہو وہ تمہاری پکار نہیں سنتے، اور توجہ کرتے بھی تو کچھ کام نہ آسکتے بلکہ قیامت کے دن

تمہاری مشرکانہ حرکات سے علانیہ بے زاری کا اظہار کریں گے اور بجائے مددگار بننے کے دشمن ثابت ہوں گے۔" [تفسیر عثمانی:۵۸۲]

[۵] ایسا کرنا صریح اور کھلی ہوئی گم راہی ہے: وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَسْتَجِيْبُ لَهٗ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝ [سورۃ الاحقاف ۴۶:۵-۶]

"اور اُن سے بڑھ کر گم راہ کون ہوسکتا ہے جو اللہ کے سوا اُن کو دُہائی دیتے ہیں جو تا قیامت ان کا جواب دینے والے نہیں ہیں اور وہ ان کی دعاؤں سے بے خبر بھی ہیں' اور جب لوگ اکھٹے کیے جائیں گے تو وہ ان کے دشمن اور ان کی عبادت کے منکر ہوں گے۔"

[۶] ہمیں رسول اللہ ﷺ نے بتایا ہے: إن أصابك ضر فدعوته كشفه عنك' وإن أصابك عام سَنَةٍ فدعوتَهُ أنبتَهَا لك ' وإن كنتَ بأرضٍ قفرٍ أو فَلاةٍ فضلَّت راحلتك فدعوته ردَّها ردَّها عليك. [سنن ابی داؤد' حدیث:۴۰۸۴]

"جب تمہیں تکلیف پہنچے اور اُس [اللہ] کو پکارے تو وہی تم سے تکلیف ہٹا دے گا' اگر تمہیں قحط سالی کا سامنا کرنا ہو اور تو اُس کو پکارے تو وہی تمہارے لیے غلہ اگائے گا اور اگر تو جنگل میں ہو اور تمہاری سواری کا جانور گم ہو جائے اور تو اُسی [اللہ] کو پکارے تو وہی تم کو اُسے واپس لوٹا دے گا۔"

مولانا صاحب سے ایک سوال

ہم مولانا صاحب سے پوچھتے ہیں کہ از روئے قرآن کریم کسی مسلمان کے لیے جائز ہے کہ وہ یا محمد [ﷺ] کہے؟ ہمارا جواب تو نفی میں ہے' اس لیے کہ قرآن مجید میں وارد ہے کہ:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا. [سورۃ النور ۲۴:۶۳]

"تم لوگ رسول کے بلانے کو اس طرح کا بلانا نہ سمجھو جس طرح تم ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔"

امام ابن ابی حاتم اور حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: لَا تُسَمُّوهُ إذا دعوتموهُ يامحمد.

[تفسیر ابن ابی حاتم ۸:۲۶۵۴-۲۶۵۵' برقم:۱۴۹۲۴' ۱۴۹۲۵' تفسیر ابن کثیر ۱۰:۲۷۹' واللفظ لہ]

"تم جب انہیں پکارتے ہو تو یا محمد نہ کہو۔"

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

یہ بھی اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے کہ: وَلَاتَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَاتَشْعُرُوْنَ. [سورۃ الحجرات ۴۹: ۲]

''اور نہ اُس کو اس طرح آواز دے کر پکارو جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو، مبادا تمہارے اعمال ڈھے [اکارت وبرباد ہو] جائیں اور تم کو احساس بھی نہ ہو۔''

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مفسر فراء (۱) نے لکھا ہے کہ: ''یا محمد نہ کہا کرو۔''

[معانی القرآن، فراء ۳: ۷۰]

[۴]

مولانا احمد اللہ صاحب لکھتے ہیں: و کون المیلاد قربة وغیر ذلك مماهو من المسلَّماتِ عند الدیو بندیین. [البصائر: ۱۸۷]

''میلاد النبی ﷺ وغیرہ دیوبندیوں کے نزدیک مسلّم نیکیوں میں سے ہے۔''

مولانا صاحب کی عبارت پر تبصرہ کرنے کے بجائے اصل مسئلہ کی تحقیق پیش کرنے کی جسارت کرتا ہوں۔

عید میلاد النبی ﷺ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ. [سورۃ المائدۃ ۵: ۳]

''آج ہی کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کرلیا۔''

مگر آہ! اسی کامل ترین اور مکمل ترین دین کو عجمی فنکار ناقص و نامکمل سمجھ کر اس میں روز بروز نت نئے اضافے کرتے رہتے ہیں، ان اضافوں میں ایک اضافہ ''عید میلاد'' کا ہے۔

رسول اللہ ﷺ تریسٹھ برس تک اسی عالم آب وگل میں رہے، لیکن یقین کیجیے کہ انہوں نے ایک دفعہ بھی اپنی سالگرہ نہیں منائی، نہ کسی کو اس کا حکم دیا اور نہ کسی کو ایسا کرنے کی ترغیب دی، اب اگر عید

---

(۱) یحیٰی بن زیاد بن عبداللہ بن منظور الدیلمی، مولی بنی اسد، ابوزکریا المعروف بالفراء، نحو، لغت اور فنون ادب میں اہل کوفہ کے امام ہیں۔ کوفہ میں ۱۴۴ھ = ۷۶۱ء کو پیدا ہوئے۔ بغداد منتقل ہوئے۔ مامون کے دونوں بیٹوں کے استاذ اور اتالیق رہے ہیں۔ ۲۰۷ھ = ۸۲۲ء کو مکہ مکرمہ جاتے ہوئے وفات پائی۔

[معجم الادباء ۲۰: ۹، الاعلام ۸: ۱۴۵]

میلاد منانا باعث اجر و ثواب ہے تو لامحالہ اسے دین کہا جائے گا اور کسی کام کے دین اور باعث ثواب ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ قرآن عزیز اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہو اور چونکہ عید میلاد منانے کا کوئی شرعی ثبوت موجود نہیں' لہٰذا یہ کام باعث اجر و ثواب نہیں' بلکہ یہ قرآن مجید کی صریح مخالفت ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ [وفات:۱۷۹ھ=۷۹۵ء] فرماتے ہیں: مَن ابتدع في الإسلام بدعة يراها حسنة فقد زعم أن محمدا ﷺ خانَ الرسالة ' لأن الله يقول : اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ 'فمالم يكن يومئذ ديناً'فلا يكون اليوم ديناً. [الاعتصام ۱:۴۹]

"جس نے اسلام میں کوئی ایسی بدعت نکالی' جس کو وہ اچھا سمجھتا ہے' تو گویا اُس نے گمان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے رسالت کی ادائیگی میں خیانت کی' کیونکہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کیا' پس جو چیز اُس وقت دین نہ تھا وہ آج بھی ہرگز دین نہیں ہو سکتا۔"

پوری چھ صدیوں تک مسلمانوں میں کہیں بھی اس "بدعت" کا رواج نہ تھا' بلکہ کسی صحابی' تابعی یا تبع تابعی کے عمل سے ثابت نہیں اور نہ کسی امام' مجتہد' محدث اور فقیہ نے اس کا اجراء کیا۔ یہ بدعت اگر سوجھی تو صرف ایک مسرف' بے دین اور عیار بادشاہ کو اور اس کے ایک زر پرست مولوی کو۔

اس بادشاہ کا نام ابوسعید کوکبوری (۱) بن ابی الحسن علی بن بکتگین بن محمد تھا۔ الملک المعظم' مظفر الدین اور صاحب اربل جیسے القاب سے ملقب تھا۔

ابوسعید کوکبوری ۶۰۳ ہجری کو اپنے والد زین الدین علی بن کوجک الترکمانی کی وفات کے بعد چودہ برس کی عمر میں اربل کا بادشاہ بنے' ان کے اتابک (۲) مجاہد الدین قیماز نے ان کے خلاف ایک

---

(۱) یہ ترکی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں: لطیف القد۔ [تاریخ الاسلام' حافظ ذہبی ۱۳:۴۶۰] اس کے حالات کے لیے دیکھیے: وفیات الاعیان' ابن خلکان ۴: ۱۱۳-۱۲۱' العبر فی خبر من غبر' حافظ ذہبی ۴: ۲۰۸' تاریخ الاسلام' حافظ ذہبی ۱۳: ۶۰۴' ترجمہ: ۲۴۸۱۱' سیر اعلام النبلاء' حافظ ذہبی ۲۲: ۳۳۴۔

(۲) اتابک [اتابیگ] سلجوقیوں کے عہد میں ایک بلند مرتبہ عہدے دار کا خطاب' یہ ترکی زبان کی اصطلاح ہے اور اسلامی تاریخ میں پہلی مرتبہ سلجوقیوں کے عہد میں استعمال ہوئی۔ [اُردو دائرہ معارف اسلامیہ ۱: ۹۵۷]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

مختصر میں لکھا کہ یہ صِغر سنی کی وجہ سے سلطنت کے اہل نہیں' اور ان کے بھائی یوسف کو ان کا قائم مقام بنایا۔ کوکبوری بعد ازاں حران چلے گئے اور پھر سلطان صلاح الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے' ان کے ہاں ٹھہرے اور ان کے بہن ربیعہ سے شادی کی۔ سلطان کے ساتھ کئی معرکوں میں شریک ہوئے اور دادِ شجاعت حاصل کی' ان دنوں یہ حران اور رہا کے ملک تھے۔ اپنے بھائی کی وفات کے بعد اربل اور شہرزور کے ملک بنے۔ [تاریخ الاسلام۱۳:۴۶۰]

یہ بادشاہ ''عید میلاد'' کا بہت دلدادہ تھا۔ ایک دنیا پرست مولوی نے ۶۰۴ ہجری میں اس کو علمی طور پر مسلح کرنے کے لیے ایک کتاب لکھی' جس کا نام اس نے کتاب التنویر في مولد السراج المنیر رکھا۔ [وفیات الاعیان۳:۴۴۹-۴۵۰]

اس زر پرست مولوی نے جب اپنی یہ کتاب شاہ اربل کے سامنے پیش کی تو اس نے اس کے صلہ میں اسے ایک ہزار پونڈ انعام دیا۔ [البدایہ والنہایہ۱۳:۱۳۱' حوادث: ۶۳۰ ہجری' وفیات الاعیان۳:۴۵۰' ۴:۱۱۹' تاریخ الاسلام۱۳:۴۶۲]

شاہ اربل بڑا چالاک تھا' چونکہ رسول اللہ ﷺ کی تاریخ ولادت کے بارے میں مؤرخین کے ہاں اختلاف پایا جاتا ہے' اسی لیے وہ ایک سال آٹھ ربیع الاول کو اور اگلے سال بارہ ربیع الاول کو عید میلاد مناتا: وکان یعمله سنة في ثامن الشهر' وسنة في الثاني عشر لأجل الإختلاف الذي فیه. [وفیات الاعیان۴:۱۱۸' تاریخ اسلام۱۳:۴۶۱]

یہ مسرف بادشاہ ہر سال بیت المال اور رعایا کی لاکھوں رقم اس بدعت پر صرف کر دیتا تھا' چنانچہ حافظ ذہبیؒ اور حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ: وہ ہر سال میلاد پر تقریباً تین لاکھ پونڈ خرچ کرتا تھا:

وکان یصرف علی المولد في کل سنة ثلاث مائة ألف دینار.

[تاریخ الاسلام۱۳:۴۶۲' سیر اعلام النبلاء۲۲:۳۳۶' البدایة والنهایة۱۳:۱۳۲]

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اس دن ''شاہ اربل'' ایک نیا دسترخوان بچھا دیتا جس پر پانچ ہزار بھنے ہوئے سر' دس ہزار مرغیاں' ایک لاکھ مکھن بھری ہوئی مٹی کے پیالے اور تیس ہزار حلوے کے پلیٹ چنے جاتے: حکی بعض من حضر سماط المظفر في بعض الموالد کان یمد ذلك السماط: خمسة آلاف رأس مشوي' وعشر آلاف دجاجة ومائة ألف زبدية وثلاثین ألف صحن حلوی. [البدایة والنهایة۱۳:۱۳۲]

صرف یہی نہیں بلکہ چار ایسی شمعیں تیار کروائے جن میں سے ہر ایک بمشکل ایک خچر پر لاد کر لایا جا سکتا تھا: وفي جملتها شمعتان أو أربع -أشك في ذلك- من الشموع الموكبية التي تحمل كل واحدة منها على بغل ومن ورائها رجل يسندها وهي مربوطة على ظهر البغل حتى ينتهي إلى الخانقاه. [وفیات الاعیان ۴:۱۱۸، تاریخ الاسلام ۱۳:۳۶۱]

شاہ اربل اسی کے ساتھ صوفیوں کے لیے ظہر سے فجر تک مجلس سماع [راگ وقوالی] منعقد کراتا اور خود بھی ان کے ساتھ بھنگڑا ڈالتا تھا: ويعمل للصوفية سماعا من الظهر إلى الفجر ويرقص بنفسه معهم. [البدایۃ والنہایۃ ۱۳:۱۳۲]

معلوم ہوا کہ یہ محفل ایک رسمی تقریب تھی جو سستی شہرت کے لیے رچائی گئی تھی اور اس کا مقصد خوشنودی طبع اور ہوا پرستی کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا ورنہ باجوں گاجوں کے بارے میں تو رسول اللہ ﷺ کا صاف اور صریح حکم موجود ہے کہ میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو زنا، ریشم، شراب اور باجوں گاجوں کو حلال اور جائز کہیں گے: ليكونن من أمتي أقوام يستحلون الحِرَّ والحرير والخمر والمعازف. [صحیح بخاری، کتاب الاشربۃ [۷۴] باب ماجاء فیمن یستحل الخمر ویسمیہ بغیر اسمہ [۶] حدیث: ۵۵۹۰، سنن ابی داؤد کتاب اللباس [۲۶] باب ماجاء فی الخز [۹] حدیث: ۴۰۳۹]

جس زر پرست مولوی نے اس جشن کی دلدادہ شاہ اربل کے لیے عید میلاد کے جواز پر مواد اکٹھا کر دیا تھا اس کا نام ابوالخطاب عمر بن الحسن بن علی تھا۔ اپنے آپ کو ابن دحیۃ الکلبی، یعنی: دحیۃ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ کا پوتا کہلاتا تھا، حالانکہ اس کا یہ دعوی سراسر غلط اور جھوٹ ہے کیونکہ دحیۃ رضی اللہ عنہ کی کوئی اولاد نہیں ہوئی، تو ان کا پوتا یا نواسا کہاں سے آیا؟ وہ تو لاولد فوت ہوئے تھے: فهذا نسب باطل بوجوه: أحدها: أن دحية لم يعقب. [میزان الاعتدال ۳:۱۸۶، لسان المیزان ۴:۲۹۲]

اس کذاب نے جو کتاب لکھی ہوگی اور جو مواد اکٹھے کیے ہوں گے اس کے بارے میں ناظرین خود ہی فیصلہ فرمالیں، جو آدمی نسبی تفوق کے لیے جھوٹ بولنے سے نہیں کتراتا۔ شرعی طور پر بدعت کے جواز پر اس کی پیش کردہ دلیل کی کیا حیثیت ہوگی؟

حافظ ذہبیؒ اسی ابن دحیہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ شیخ، علامہ، محدث، کثرت سے حصول علم کے لیے سفر کرنے والا اور ہر فن مولا تھا: الشيخ، العلامة، المحدث، الرَّحَّال، المتفنن.

[سیر اعلام النبلاء ۲۲:۳۸۹]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

آگے فرماتے ہیں: كان بصيراً بالحديث معتنياً بتقييده، مُكِبًّا على سماعه، حسن الخط، معروفاً بالضبط، له حَظٌّ وافِرٌ من اللغة ومشاركة في العربية وغيرها. [سیر اعلام النبلاء ۲۲: ۳۹۰]

"وہ حدیث کا علم رکھنے والا تھا۔ حدیث کے سننے کا شوقین تھا۔ نہایت خوش خط تھا۔ حسن ضبط میں مشہور تھا اور عربی لغت میں خوب دسترس حاصل تھی۔"

مزید لکھتے ہیں: كان له معرفةٌ حسنةٌ بالنحو واللغة وأُنسة بالحديث، فقيهاً على مذهب مالك، وكان يقال: أنه حفظ صحيح مسلم جميعه. [سیر اعلام النبلاء ۲۲: ۳۹۱]

"علم نحو اور لغت میں بہت بڑا ماہر تھا، حدیث کا دلدادہ، اور مالکی مذہب کا فقیہ تھا اور صحیح مسلم اسے زبانی یاد تھی۔"

علامہ ابن نقطہؒ فرماتے ہیں: كان موصوفاً بالمعرفة والفضل، ولم أره إلّا أنه كان يدعي أشياء، لا حقيقة لها. [سیر اعلام النبلاء ۲۲: ۳۹۱]

"صاحب علم وفضل تھا مگر کچھ بے حقیقت اشیاء کا مدعی تھا۔"

ان کے شاگرد ابن النجارؒ فرماتے ہیں: ونسبه ليس بصحيح، كان حافظاً، ماهراً، تام المعرفة بالنحو واللغة، ظاهري المذهب، كثير الوقيعة في السلف، أحمق، شديد الكبر، خبيث اللسان، متهاوناً في دينه، كان يخضب بالسواد.

[سیر اعلام النبلاء ۲۲: ۳۹۴-۳۹۵، لسان المیزان ۴: ۲۹۵]

"اس کا نسب، جو اُس نے بیان کیا ہے، صحیح نہیں۔ حافظ و ماہر تھا، نحو اور لغت میں معرفت تامہ کا مالک تھا، ظاہری مذہب رکھتا تھا، سلف کی شان میں بہت زیادہ گستاخیاں کیا کرتا تھا، اس کی زبان بڑی گندی تھی، بڑا احمق، خودسر اور متکبر تھا۔ دین کے کاموں میں بڑا بے پرواہ اور سست تھا اور کالا خضاب لگاتا تھا۔"

یہ زر پرست مولوی کبھی کبھار ایک غلط فتوی صادر کر دیتا، جب اس سے دلیل کا مطالبہ کیا جاتا تو یہ فوراً ایک جعلی حدیث بنا کر پیش کرتا۔ حافظ سیوطیؒ لکھتے ہیں: وضَربٌ يلجئون إلى إقامة دليل على ماأفتوا به بآرائهم، وقيل: إن الحافظ أباالخطاب ابن دحية كان يفعل ذلك، وكأنه الذي وضع الحديث في قصر المغرب. [تدریب الراوی ۱: ۲۴۳، نوع: ۲۱]

"واعظین حدیث میں ایک گروہ اُن لوگوں کا ہے جو اپنے فتویٰ کے لیے جھوٹی حدیث وضع کرتے

تھے۔ حافظ ابوالخطاب ابن دحیہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے دورانِ سفر مغرب کی نماز کو قصر سے پڑھنے کی روایت وضع کی۔''

حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں: قلت: وقد تکلم الناس فيه بأنواع من الكلام، ونسبه بعضهم إلى وضع حديث في قصر صلاة المغرب، وكنتُ أوَدُّ أن أقِفَ على إسناده لنعلم كيف رجاله. [البدایۃ والنہایۃ ۱۳: ۱۳۹، حالات: ۶۳۳ ہجری]

''لوگ اس کے متعلق کئی باتیں کرتے ہیں، جب کہ بعض لوگوں نے اس کی نسبت یہاں تک کہا ہے کہ اس نے نماز مغرب کے قصر کے بارے میں حدیث وضع کی ہے۔ میری بڑی خواہش ہے کہ مجھے اس کی سند مل جائے تا کہ اس کے رجال کا علم ہو سکے۔''

حافظ ابوالحسن بن المفضلؒ [جوائمہ کبار میں سے تھے] کہتے ہیں: كنا بحضرة السلطان في مجلس عام وهناك ابن دحية، فسألني السلطان عن حديث فذكرته له، فقال لي: مَن رواه؟ فلم يحضرني في الحال، فانفصلنا، فاجتمع بي ابن دحية في الطريق فقال لي: ما ضرك لما سألك السلطان عن إسناد ذلك الحديث لم تذكر له اَيَّ اسناد شِئتَ؟ فإنه ومن حضر مجلسه لايعلمون هل هو صحيح أم لا، وقد كنتُ وَبَخُتُ قولك: لا أعلم، وتعظم في عينيه وعين الحاضرين، قال: فعلمت أنه متهاون جريٌّ على الكذب.

[لسان المیزان ۴: ۲۹۴]

''ایک دن ہم بادشاہ کے مجلس عام میں بیٹھے ہوئے تھے، یہ زر پرست مولوی بھی بیٹھا ہوا تھا، مجھ سے بادشاہ نے ایک حدیث کے بارے میں پوچھا، مگر مجھے اُس وقت راوی یاد نہ تھے اس لیے لاعلمی ظاہر کر دی، جب کچھ دیر بعد ہم مجلس سے اٹھے تو راستہ میں ابن دحیہ نے مجھ سے پوچھا: تم سے جب بادشاہ نے سند کے بارے میں پوچھا تو اپنی طرف سے حدیث کی کوئی سند بنا کر کیوں نہ پیش کر دی؟ بادشاہ اور دوسرے لوگ کیا جانیں کہ یہ سند صحیح ہے یا غلط؟ ایسا کرنے سے تمہیں بادشاہ اور حاضرین کی نظروں میں مزید احترام اور عزت حاصل ہوتا۔ حافظ ابوالحسن فرماتے ہیں کہ یہ سن کر مجھے یقین ہو گیا کہ یہ آدمی دین کے سلسلے میں لاپرواہ اور ست ہے اور جھوٹ بولنے میں بڑا ماہر ہے۔''

امام ابن حسن اصبہانیؒ فرماتے ہیں: لـماقدم ابن دحية علينا أصبهان نزل على أبي ...

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

الخانقاه،فكان يكرمه ويبجله،فدخل على والدي يوماومعه سجادة،فقبّلهاووضعها بين يديه وقال:صليت على هذه السجادة كذاو كذا ألف ركعة،ختمت القرآن في جوف الكعبة مرات،قال:فأخذهاوالدي،وقبّلهاووضعهاعلى رأسه،وقبّلهامبتهجاًبها، فلماكان آخرالنهارحضرعندنارجل من أهل أصبهان فتحدث عندناإلى أن اتفق أن قال:كان الفقيه المغربي الذي عندكم اليوم في السوق اشترى سجادة حسنة بكذا وكذا،فأمروالدي بإحضارالسجادة،فقال الرجل:إي والله هذه،فسكت والدي، وسقط ابن دحية من عينه. [لسان المیزان ۴:۲۹۶]

''ایک دفعہ ابن دحیہ کا ہمارے شہر سے گزر ہوا، وہ خانقاہ میں فروکش ہوا۔ میرے والد نے اس کی خوب خاطر تواضع کی۔ اتنے میں ابن دحیہ نے ایک مُصَلّی [جائے نماز] نکالا اور اسے چوم کر کہا: اللہ کی قسم! اس جائے نماز پر میں بیت اللہ میں ہزار سے زائد نفل نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ پڑھ چکا ہوں۔ بارہا اس مصلی پر بیٹھ کر قرآن عزیز ختم کیا ہے، وہ مصلی میرے والد نے اس سے لے لیا اور خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اسے چوما اور سر پر رکھا، اسی دن اصبہان سے عصر کے بعد ایک شخص والد صاحب کے پاس آیا۔ اتفاقاً ابن دحیہ کا ذکر بھی آ گیا۔ نو وارد نے کہا: کل ابن دحیہ نے بڑا قیمتی مصلیٰ خریدا ہے۔ والد صاحب نے وہی مصلی پیش کر دیا، اس شخص نے دیکھتے ہی کہا: اللہ کی قسم! یہ وہی جائے نماز ہے۔ والد ماجد یہ سن کر خاموش ہو گئے اور ابن دحیہ ان کی نظروں سے گر گیا۔''

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ عید میلاد کے جواز کا فتوی دینے والا پیٹ پرست، زر پرست، خوشامدی، کذاب، وضاع اور خبیث اللسان تھا۔ کیا ایسے دروغ گو، ہرزہ سرا اور یادہ گو مولوی کا فتوی شریعت میں قابلِ حجت اور قابلِ استناد واحتجاج بن سکتا ہے؟ ہر گز نہیں:

خلاف پیغمبر کسے راہ گزید ہر گز بمنزل نخواہد رسید

ناظرین کرام! یہ عید میلاد اور اس کو رائج کرنے والے اور اس کے لیے علمی مواد جمع کرنے والے بادشاہ اور عالم کی تاریخ۔ ہم اس پر مزید تبصرہ کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

رہے عید میلاد کے جلوس، کہ یہ کب اور کیوں کر نکلنے شروع ہوئے؟ اس سلسلے میں عرض ہے کہ شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدرؒ نے ایک سائل کے اس قسم کے سوال کے جواب میں

لکھا ہے کہ:

''معلوم نہیں کہ آپ کی عمر کیا ہے؟ راقم اثیم جوان تھا۔ ۱۹۲۹ کے لگ بھگ جناب حاجی عنایت اللہ صاحب قادری جو پہلے ہندو تھے پھر مسلمان ہوئے' جب ہندو تھے تو رام لیلیٰ کا جلوس نکالتے تھے' جب مسلمان ہوئے تو انہوں نے میلاد النبی ﷺ کا جلوس ایجاد کیا' اس کے موجد جناب قادری صاحب تاہنوز لاہور میں زندہ ہیں' ان کی اس کارروائی میں دست راست مولوی عبدالمجید صاحب ساکن پٹی جو ''ایمان'' رسالہ بھی نکالتے تھے اور دست چپ سابق میئر لاہور میاں شجاع الرحمٰن کے والد الحاج عبدالقادر صاحب تھے جو دونوں بزرگ وفات پا چکے ہیں۔ باقی ابھی تک زندہ ہیں۔ عجیب بات ہے کہ یہ جلوس بریلوی مسلک کے علماء' مشائخ اور مفتیوں کو حتیٰ کہ ان کے اعلیٰ حضرت کو بھی نہیں سوجھا' مگر ایک نومسلم ہندو کی یہ کارروائی اب عشق' محبت اور دین بن گئی ہے اور جلوس نہ نکالنے والوں پر آوازے کسے جاتے ہیں اور ان کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔''

[ماہنامہ نغمہ توحید گجرات' بابت ماہ مارچ ۱۹۹۵' صفحہ: ۴۶' جلد: ۶' شمارہ: ۱۰]

آگے بڑھئے اور وہابیوں اور دیوبندیوں کی بات چھوڑیئے۔ ہفت روزہ فیملی میگزین کا شمارہ اٹھایئے' جس میں چوہدری محمد رفیع کی بھولی بسری یادیں شائع ہوئی ہیں۔ یاسین صاحب گوریجہ نے چوہدری محمد رفیع صاحب کا انٹرویو کیا جو اس انٹرویو میں کہتے ہیں:

''عید میلاد النبی ﷺ کے جلوس میرے سامنے نکلنے شروع ہوئے۔ ہمارے ہی بازار کے ایک مشہور شخصیت فیروز الدین احمد' انہوں نے دیکھا کہ ہندو کرشن جنم اور دسہرہ وغیرہ تہواروں کے موقع پر جھاکیاں (۱) نکالتے ہیں۔ خوب میلے کا سماں ہوتا تھا' اوپر نواب صاحب کی حویلی سے تعزیے کے جلوس نکلتے' تو سنی مسلمانوں کی طرف سے فیروز صاحب نے درخواست دے دی اور عید میلاد النبی ﷺ کے جلوس بھی اس طرح گڈوں پر نکلنے لگے' ورنہ اس سے پہلے بارہ وفات کا ختم دلایا جاتا تھا' جلوس وغیرہ نہیں نکلتے تھے' یہ سلسلہ غالباً ۱۹۳۵ میں شروع ہوا' پھر تکیہ سادھواں سے یہ جلوس

(۱) جاکھیاں: ہندو لوگ گڈوں کو خوب سجاتے بناتے' اردگرد ریشمی پردے لگاتے' جیسے سٹیج بنا ہو۔ سٹیج بنا کر اس میں خوب صورت لڑکوں کو کرشن یا رام سیتا بنا کر کھڑا کرتے' اردگرد ڈھول ڈھمکے چھینے بجاتے اور بھجن گاتے گاتے راتوں کو نکلتے تھے۔

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

مستقل نکلنے لگا۔" [ہفت روزہ فیملی میگزین، جلد:۴، شمارہ:۲۶، ۳، صفحہ:۲۱، ۱۹-۲۵ جون ۱۹۹۴]

قارئین کرام! اندازہ کریجئے کہ میلاد کے یہ جلوس کس کی نقل میں نکالے جا رہے ہیں؟ کیا ہندوؤں کی نقالی میں اجر ہے؟ کیا غیر مسلموں کے طور طریقوں میں ثواب مل سکتا ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں، قطعاً نہیں، بلکہ اجر و ثواب تو رہا ایک طرف، کائنات کے سب سے بڑے اور سب سے سچے انسان ﷺ کہ جس نے زندگی میں ایک بار بھی جھوٹ نہیں بولا اور جن کے بارے میں ان کے کٹر مخالفین نے کہا: ما وَجدنا فيك الّا صدقا یعنی: "ہم نے آپ میں سچ کے سوا کچھ نہیں پایا۔" اُسی صادق و مصدوق نبی ﷺ نے فرمایا: مَنْ تَشَبَّه بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ. [سنن ابی داؤد حدیث، کتاب اللباس[۲٦] باب فی لبس الشہرۃ[۵] حدیث:۴۰۳۱، مسند احمد۲:۵۰، ۹۲]

"جس نے کسی دوسری قوم کی مشابہت اختیار کی وہ اسی قوم میں سے ہے۔"

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: اس کی سند جید ہے۔ [مجموع الفتاوی ۲۵:۱۴۹]

لہٰذا بصد احترام التماس ہے کہ ان بدعات و رسومات سے اجتناب کریں، یہی نجات اور یہی سلامتی کی راہ ہے۔ إن شاء الله، لیکن دور حاضر میں بظاہر یہ ناممکن نظر آتا ہے، اس لیے کہ بقول علامہ اقبال:

در عجم گردیدم و ہم در عرب مصطفیٰ نایاب و ارزاں بولہب

[کلیات اقبال فارسی: ۸۴۵]

شبہات اور اُن کے جواب

[۱] قرآن کریم میں متعدد مقامات پر یہ حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اِنعامات اور اِحسانات پر اُس کا شکر ادا کیا کرو۔ اِرشادِ ربانی ہے: فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاشْكُرُوا نِعْمَةَ اللهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ. [سورۃ النحل ۱٦:۱۱۴]

"پس اُس رزق میں سے کھاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں دیا ہے جو حلال اور طیب ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر کرو اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو۔"

دوسری جگہ ارشاد ہے کہ: فَابْتَغُوا عِنْدَ اللهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهٗ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ.

[سورۃ العنکبوت ۲۹:۱۷]

''پس اللہ تعالیٰ سے رزق کو طلب کیا کرو اور اُس کی عبادت کیا کرو اور اُس کا شکر ادا کیا کرو اُس کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔''

اللہ تعالیٰ نے اِس مضمون کو بھی مختلف دِل نشین اَسالیب سے بیان فرمایا ہے کہ اگر تم اس کی نعمتوں پر شکر ادا کرو تو اللہ تعالیٰ اُن میں اور اِضافہ کر دے گا اور اگر تم نے ناشکری کی تو اُس کے شدید عذاب میں مبتلا کر دیے جاؤ گے۔ ارشادِ ربانی ہے: وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ. [سورۃ ابراہیم ۱۴:۷]

''اور جب تمہارے رب نے تمہیں مطلع کیا کہ اگر تم اِحسانات پر شکر ادا کرو گے تو میں اِضافہ کر دوں گا اور اگر تم نے ناشکری کی تو یقیناً میرا عذاب شدید ہے۔'' [ضیاء النبی ﷺ ۲:۴۳-۴۴]

جواب: اِن آیات کا مروجہ میلاد النبی ﷺ سے کوئی تعلق نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو چالیس سال کی عمر میں نبوت ملی۔ نبوت کی نعمت ملنے کے بعد ۲۳ مرتبہ اُن کی زندگی میں یہ دن آیا اُنہوں نے اپنی ولادت کا دن اس طرح نہیں منایا اور نہ اِن آیات کو وہی مراد لیا جو پیر صاحب لے رہے ہیں۔ خلفائے راشدین ﷺ نبی اَکرم ﷺ سے بڑی محبت کرنے والے تھے۔ ۱۰ ہجری کو رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے تو ۱۳ ہجری تک سیدنا ابوبکر صدیق خلیفہ رہے اُن کی خلافت میں یہ دن دو مرتبہ آیا۔ ۱۳ سے ۲۴ ہجری تک سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں دس مرتبہ یہ دن آیا۔ ۲۴ سے ۳۵ ہجری تک سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں گیارہ مرتبہ یہ دن آیا۔ ۳۵ سے ۴۰ ہجری تک پانچ مرتبہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں یہ دن آیا۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اپنے والد محترم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت [۱۷ رمضان ۴۰ھ] کے بعد سات ماہ تک خلیفہ رہے۔ [اُسد الغابۃ ۱:۵۱۱ ترجمہ: ۱۱۶۵] اُن کی خلافت میں یہ دن ایک بار آیا۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بن سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ [صخر بن حرب] ربیع الاول ۴۱ ہجری میں خلیفہ منتخب ہوئے اور ۲۲ رجب ۵۹ ہجری کو دمشق میں ۸۲ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اُن کی خلافت ۱۹ سال ۳ ماہ اور ۲۰ دن رہی۔ [الاستیعاب: ۶۷۷ ترجمہ: ۱۴۴۸]

اُن کی خلافت میں یہ دن ۱۹ بار آیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے سیدنا عامر بن واثلۃ رضی اللہ عنہ سب سے آخر میں وفات پائی۔ امام مسلم اور مؤرخ خلیفہ بن خیاط رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اُن کی وفات ۱۰۰ ہجری کو مکہ معظمہ میں ہوئی۔ ایک قول یہ بھی

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

ہے کہ اُن کی وفات ۱۰۷ ہجری کو ہوئی اور وہب بن جریر بن حازم کہتے ہیں کہ اُن کی وفات ۱۱۰ھ کو ہوئی۔ [تہذیب الکمال ۱۴: ۸۱؛ فتح المغیث ۳: ۱۲۷]

مگر خلفائے راشدین میں سے کسی نے یہ دن نہیں منایا اور نہ ہی کسی صحابی نے ان آیات کریمات سے عید میلاد النبی ﷺ منانے کا استدلال کیا اور نہ اسے محبت رسول ﷺ کا تقاضا بتایا حالانکہ وہ ہم سے زیادہ نبی ﷺ سے محبت کرنے والے تھے۔

قرآن مجید سیدنا آدم علیہ السلام، سیدنا ابراہیم علیہ السلام، سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا ذکر موجود ہے، پھر بھی نبی اکرم ﷺ نے کسی کے تذکرہ میلاد کے لیے کوئی تاریخ مقرر نہیں فرمائی، نہ جشن منایا، نہ جھنڈیاں لگائیں اور نہ چراغاں کیا۔ آج ہم سب مل کر نبی اکرم ﷺ کے ایک صحابی کی محبت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اگر واقعی ایسے جشن میلاد النبی ﷺ کی کوئی جواز کی صورت ہوتی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کبھی بھی اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد ۱۸۰ ہجری تک تابعین اور ۲۲۰ ہجری تک اَتباعِ تابعین کا دور رہا مگر اس سارے زمانے میں میلاد منانے والا کوئی نہ تھا۔ اب فقہائے امت کے دور میں آیئے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۸۰ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ ہجری میں فوت ہوئے۔

امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۹۳ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۱۷۹ ہجری میں فوت ہوئے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۱۵۰ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۲۰۴ ہجری میں فوت ہوئے۔

امام احمد بن محمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ ۱۶۴ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۲۴۱ ہجری میں فوت ہوئے۔

اِن میں سے کسی فقیہ نے عید میلاد النبی ﷺ نہیں منائی اور اَن گنت فقہی مسائل کے استنباط کے باوجود اس عمل کو نہ تو مستحب مانا اور نہ اسے شکرِ نعمت کا تقاضا سمجھا۔

[۲] بعض مدعیانِ علم و دانش فرزندانِ اسلام کے اِن مظاہرِ تشکر و مسرت کو دیکھ کر غصہ سے بے قابو ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اِن شکر گزار بندوں پر طعن و تشنیع کے تیروں کی موسلا دھار بارش شروع کر دیتے ہیں۔ کیا اِن حضرات نے کبھی اس فرمانِ الٰہی کا بدقت نظر مطالعہ فرمایا ہے:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْاؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ. [سورۃ یونس ۱۰: ۵۸]

''اے حبیب! آپ فرمایئے اللہ کا فضل اور اُس کی رحمت سے اور بس چاہئے کہ اس پر خوشی منائیں یہ بہتر ہے ان تمام چیزوں سے جن کو وہ جمع کرتے ہیں۔''

اِس آیت کریمہ میں حکم دیا جارہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا فضل اور اُس کی رحمت ہو تو منہ بسور کر نہ بیٹھ جایا کرو۔ اپنی ہانڈیوں کو اوندھا نہ کیا کرو۔ جو چراغ جل رہا ہے اس کو بھی نہ بجھا دیا کرو کیونکہ یہ اظہارِ تشکر نہیں بلکہ کفرانِ نعمت ہے' ایسا نہ کرو بلکہ فَلْيَفْرَحُوْا خوشی اور مسرت کا مظاہرہ کیا کرو۔

[ضیاء النبی ﷺ ۲: ۴۷]

جواب: اِس آیت کریمہ سے جشن میلاد کا اِستدلال نہیں ہوسکتا اس لیے کہ اِس آیت سے پہلے یہ ہے: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ. [سورۃ یونس ۱۰: ۵۷] 18

''اے لوگو! تم کو تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آئی ہے اور تمہارے دل کے روگ چنگے کرنے کو اور راہ سُجھانے کو اور یقین کرنے والوں کے لیے مہربانی ہے۔''

اِس آیت سے معلوم ہوا کہ بِذٰلِكَ [اِسی پر] میں اشارہ ہے نصیحت' شفاء' ہدایت اور رحمت آنے کی طرف اور اسی پر خوش ہونے کا حکم ہے۔ پس معنی یہ ہوئے کہ:

'' فرما دیجیے کہ نصیحت' شفاء' ہدایت اور رحمت تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کے محض فضل ورحمت سے آچکے ہیں' سو اِس چیز کے آجانے پر تمہیں تو خوش ہوجانا چاہیے۔''

اس میں ولادت کا ذکر نہیں۔ اگر پیر صاحب اور اُن کے ہم مشربوں کی بات مان لیں کہ اِشارہ فضل ورحمت کی طرف ہے' تب بھی اُن کا مدعیٰ ثابت نہیں ہوسکتا کیونکہ اِس فضل ورحمت کا تَعلُّقِ اوّلیں [اول تعلق] اسی مَجِیْئُ مَوْعِظَتُ [نصیحت آنے] سے ہے نہ کہ ولادت سے' اِس لیے یہ استدلال بے معنیٰ ہے اور اگر فضل ورحمت کو عام کیا جائے تب بھی ولادت کی تخصیص بے معنی ہے بلکہ ہر ایک فضل ورحمت پر جشن ومیلاد منانا چاہیے۔

نیز فَلْيَفْرَحُوْا کے معنی ہیں: ''خوش ہو جاؤ۔'' اور خوش ہونا دل سے متعلق ہے جو طبعی کیفیت ہے اور کسی خوشی والے واقعہ کے وقت پیدا ہوتی ہے' نہ کہ خوشی مناتے وقت؛ جس کا تعلق جشن منانے سے ہے' پس فَلْيَفْرَحُوْا کے معنی ہوئے کہ ان کو اس سے خوش ہونا چاہیے نہ کہ اس کی خوشی کرنی اور بطورِ جشن کے خوشی منانی چاہیے جیسا کہ یہ لوگ سمجھتے ہیں۔ اور اگر اس کے معنی جشن اور عید میلاد منانے کے ہیں تو ماننا پڑے گا کہ رسول اللہ ﷺ' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم' تابعین' اتباعِ تابعین اور ائمہ مجتہدین نے اس آیت پر عمل نہیں کیا۔

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

پھر اس کے مخاطَب عامۃُ النّاس ہیں نہ کہ خاص مؤمنین کیونکہ اس سے پہلی آیت میں یٰاَیُّھَا النَّاسُ فرمایا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ فَلْیَفْرَحُوْا کے معنی جشن منانے کے نہیں اور نہ ہی محض سرورِ قلبی کے ہیں بلکہ اس کے لازمی [التزامی] معنی مراد ہیں' یعنی: فَلْیَتَقَبَّلُوْہُ بِطِیْبِ النَّفْسِ ' یعنی اس کو بہ طیبِ خاطر قبول کرو۔ اِس صورت میں بنائے استدلال ہی منہدم ہے۔

[۵]

مولانا صاحب بزعم خویش حدیثِ نبوی ﷺ کی روشنی میں ''وہابی تحریک'' کی مذمت ثابت کرنے کی کوشش ان الفاظ میں کرتے ہیں: عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: أللھم بارك لنا في شامنا أللھم بارك لنا في يمننا قالوا: يارسول اللّٰه ! وفي نجدنا ' قال: أللھم بارك لنا في شامنا أللھم بارك لنا في يميننا قالوا: يارسول اللّٰه! وفي نجدنا' فأظنه قال في الثالثة: هناك الزلازل والفتن وبها يطلع قرن الشيطان' رواه البخاري. [البصائر: ۱۸۸]

''سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ سے مرفوعاً حدیث بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے دعاء فرمائی: ہمارے لیے ملک شام اور ملک یمن میں برکت ڈال دے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا: اور ہمارے نجد میں بھی۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: ہمارے لیے ملک شام اور ملک یمن میں برکت ڈال دے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا: اور ہمارے نجد میں بھی۔ میرا خیال ہے کہ اُن کے تیسرے بار مطالبہ کرنے پر آپ ﷺ نے فرمایا: وہاں زلزلے اور فتنے ہوں گے اور وہاں شیطان کا سینگ نکلے گا' اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔''

مولوی صاحبؒ! آپ نے ایک صحیح حدیث کو شیخ محمد بن عبدالوہابؒ پر فٹ کر کے کچھ اچھا کام نہیں کیا اس مجمل حدیث سے اس قسم کا استدلال مولوی صاحب سے بہت پہلے مولوی احمد یار خان صاحب نعیمی بریلوی نے ان الفاظ میں کیا ہے: ''بھلا میرے آقا و مولا' محبوبِ کبریا ﷺ کا معجزہ دیکھو کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہاں سے قَرْنُ الشَّیْطَان یعنی شیطانی گروہ نکلے گا اردو میں قَرْنُ الشَّیْطَانِ کا ترجمہ ہے: دیوبند (۱)۔ ''دیو'' اردو میں شیطان کو کہتے ہیں اور ''بند'' بمعنی گروہ

---

(۱) مفتی محمد فرید صاحب نے فرمایا ہے: ''مولانا محمد اللہ جان صاحب ڈاجوی کا مظاہر العلوم سہارنپور میں طالب علمی کے دوران پاؤں ٹوٹ گیا تھا جس کی وجہ سے امتحان نہیں دے سکے تھے۔ قابلیت کی وجہ سے ان کو......

تابع دار۔ یا یہ اضافت مقلوبی ہے یعنی :بندِ دیوشیطان کی جگہ لیکن ان دونوں فرقوں کے عقیدے بالکل ایک ہیں، اعمال میں کچھ ظاہری اختلاف ہے دونوں محمد بن عبدالوہاب کو اچھا جانتے ہیں۔"

[جاءالحق وزہق الباطل ۱:۶۱]

یہ روایت ان الفاظ میں صحیح بخاری [حدیث: ۱۰۳۷، ۷۰۹۴] میں موجود ہے، جب کہ:

-دوسری روایات میں اس روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

وهو مستقبل المشرق يقول:ألا إنَّ الفتنة هاهنا من حيث يطلع قرن الشيطان.

[صحیح بخاری، حدیث: ۷۰۹۳، صحیح مسلم، حدیث: ۴۵-[۲۹۰۵]

"آپ ﷺ کا رُخِ انور مشرق کی طرف تھا، فرما رہے تھے کہ یہاں سے شیطان کا سینگ نکلے گا۔"

-مسند احمد ۲:۹۰ کی روایت میں نَجدِنَا کے بجائے مَشرِقِنَا کے الفاظ وارد ہیں۔

-معجم کبیر طبرانی ۱۲:۶۶ [حدیث: ۱۲۵۵۳] میں نَجدِنَا کے بجائے عِرَاقِنَا کے الفاظ آئے ہیں۔

مسجدِ نبوی میں کوئی شخص مشرق کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو جائے تو نجد اور درعیہ اس کے دائیں طرف ہوگا اور اُس کے مشرق میں نجدِ عراق ہوگا۔

اس روایت کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ ابن عبدالبر قرطبیؒ (۱) لکھتے ہیں:

دعاؤه ﷺ للشّام يعني:لأهلها كتوقيته لأهل الشام الجحفة، ولأهل اليمن يلملم، علماً منه بأن الشام ينتقل إليها الإسلام، وكذلك وقّت لأهل نجد قرناً، يعني:علماً منه بأن العراق ستكون كذلك، وهذا من أعلام نبوته. [التمہید ۲۳۴، بذیل حدیث: ۱۴-[۷]

......اعزازی سند سے نوازا گیا تھا۔" [تجلیاتِ فریدی: ۲۲۴]

ہاں! مولوی صاحب حدیث میں بڑے قابل ہیں کہ ایک حدیث کی نہ تو صحیح تحقیق کی اور نہ اس کا صحیح مصداق بتایا یہ لوگ من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو کے شکار ہیں۔ تحقیق و تدقیق نام کی کوئی چیز اُن کے ہاں ناپید ہے۔

(۱) یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبرّ نَمری، قرطبی، مالکی، ابو عمرو، حافظ حدیث، مؤرخ اور ادیب تھے۔ اپنے دور میں حافظِ مغرب کے نام سے یاد کیے جاتے تھے۔ قرطبہ میں ۳۶۸ھ=۹۷۸ء کو پیدا ہوئے۔ حصولِ علم کے لیے اندلس کے مشرقی اور مغربی علاقے چھان مارے۔ شبونہ اور شنترین کے قاضی رہے ہیں۔ شاطبہ میں ۴۶۳ھ= ۱۰۷۱ء کو وفات پائی۔ [وفیات الاعیان ۷:۶۶، تذکرۃ الحفاظ ۳:۱۲۸، الاعلام ۸:۲۴۰]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

''ابوعمر[امام ابن عبدالبر] کہتا ہے: آپ ﷺ نے اہل شام ویمن کے لیے دعاء فرمائی جیسا کہ اہل شام کے لیے جحفہ اور اہل یمن کے لیے یلملم کو میقات مقرر فرمایا۔ آپ ﷺ کو [اللہ تعالیٰ کی طرف سے] اس بات کا علم حاصل تھا کہ شام اور یمن کو اسلام کی روشنی پہنچے گی اور اسی طرح آپ ﷺ نے اہل نجد کے لیے بھی ایک چیز مقرر فرمائی یعنی علم کی بنیاد پر کہ عراق میں ضرور ایسا ہی ہوگا اور [یہ قبل از وقت اعلان] آپ ﷺ کے نبوت کی ایک نشانی اور دلیل ہے۔

مولوی صاحب حدیث کی تفسیر کرتے ہوئے نہایت قبیح جرم کے مرتکب ہوئے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کے ارشاد کا غلط مطلب لے کر ایک مسلمان گروہ کو خواہ مخواہ شیطانی چیلے قرار دیتے ہیں۔

بِفَضلِ اللّٰہِ تعالٰی و مَنِّہٖ و کَرَمِہٖ آج ۱۲- ربیع الاول ۱۴۳۴ھ=۲۳ جنوری ۲۰۱۳ء کو تحقیقی جائزے کا زیرنظر ایڈیشن تیار ہوا۔ اللہ تعالیٰ سے دعاء کہ اسے شرف قبولیت سے نوازے اور اسے میرے لیے دنیاوی اور اخروی کامیابیوں کا ذریعہ بنادے۔ آمین۔

اس میں اگر کوئی خوبی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی خامی ہے تو شیطان مردود اور میری کوتاہی کی وجہ سے جس کی میں اپنے کریم رب سے معافی کا خواستگار ہوں۔

ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف
نَفَعَہُ اللّٰہُ بِرَحْمَتِہٖ وَرِضْوَانِہٖ
۱۲ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ=۲۳ جنوری ۲۰۱۳ء

علمی فہارِس

-فہرسِ آیات: ۲۷۸

-فہرسِ اَحادیث وآثار: ۲۸۱

-فہرسِ اَعلام [جن کے مختصر تراجم لکھے گئے]: ۲۸۳

-فہرسِ رُواۃ [جن کی جرح یا تعدیل کی گئی]: ۲۸۶

-فہرسِ مصادِر ومراجع: ۲۸۹

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

فہرس آیات

فَتَدَبَّرِ الْقُرْاٰنَ اِنْ رُمْتَ الْهُدٰى
فَالْعِلْمُ تَحْتَ تَدَبُّرِ الْقُرْاٰنِ

[سورۃ الفاتحۃ ۱:۴] اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ: ۲۵۹
[سورۃ البقرۃ ۲:۲۸] كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ: ۱۵۳،۱۵۳، ۱۵۴
[سورۃ البقرۃ ۲:۳۷] فَتَلَقّٰى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ: ۱۵۰
[سورۃ البقرۃ ۲:۸۹] وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا: ۱۱۵
[سورۃ البقرۃ ۲:۱۵۴] وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ: ۷۵
[سورۃ البقرۃ ۲:۲۵۵] اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ: ۷۷
[سورۃ آل عمران ۳:۸۱] وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ: ۱۷۲
[سورۃ آل عمران ۳:۱۰۲] يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ: ۹، ۱۲
[سورۃ آل عمران ۳:۱۰۳] وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا: ۹۸
[سورۃ آل عمران ۳:۱۱۲] ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْۤا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ: ۹۹
[سورۃ آل عمران ۳:۱۶۹] وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا: ۷۵
[سورۃ النساء ۴:۱] يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا: ۹، ۱۲
[سورۃ النساء ۴:۵۹] فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ: ۱۳۶
[سورۃ النساء ۴:۶۴] وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ: ۱۴۵
[سورۃ المائدۃ ۵:۳] اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ: ۲۶۲
[سورۃ المائدۃ ۵:۳۵] يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ: ۹۸
[سورۃ الانعام ۶:۷۱] قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰۤى اَعْقَابِنَا: ۲۶۰
[سورۃ الانعام ۶:۱۲۲] اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ: ۷۷
[سورۃ الاعراف ۷:۲۳] قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ: ۱۵۰
[سورۃ الاعراف ۷:۵۵] اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ: ۱۱۰

[سورۃ الاعراف ۷:۱۸۰]وَلِلّٰہِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْہُ بِھَا:۱۰۱

[سورۃ الانفال ۸:۲۴] یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ آمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ إِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ:۷۸

[سورۃ یونس ۱۰:۱۸]وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَالَایَضُرُّھُمْ وَلَایَنْفَعُھُمْ :۵۶

[سورۃ یونس ۱۰:۳۱]قُلْ مَنْ یَّرْزُقُکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ یَّمْلِکُ السَّمْعَ :۴۴

[سورۃ یونس ۱۰:۵۷]یٰاَیُّھَاالنَّاسُ قَدْ جَآءَتْکُمْ مَّوْعِظَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا:۲۷۳

[سورۃ یونس ۱۰:۵۸]قُلْ بِفَضْلِ اللّٰہِ وَبِرَحْمَتِہٖ فَبِذٰلِکَ فَلْیَفْرَحُوْاھُوَ خَیْرٌمِّمَّایَجْمَعُوْنَ:۲۷۲

[سورۃ یونس ۱۰:۱۰۶]وَلَاتَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَالَایَنْفَعُکَ وَلَایَضُرُّکَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّکَ اِذًا:۲۶۰

[سورۃ یوسف ۱۲:۴۲]وَقَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّہٗ نَاجٍ مِّنْھُمَااذْکُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّکَ:۵۱

[سورۃ یوسف ۱۲:۴۵]وَقَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْھُمَا وَادَّکَرَ بَعْدَ اُمَّۃٍ:۵۳

[سورۃ یوسف ۱۲:۸۶]اِنَّمَااَشْکُوْابَثِّیْ وَحُزْنِیْ اِلَی اللّٰہِ:۲۵۹

[سورۃ الرعد ۱۳:۱۴]لَہٗ دَعْوَۃُ الْحَقِّ وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ لَایَسْتَجِیْبُوْنَ لَھُمْ بِشَیْءٍ:۲۶۰

[سورۃ ابراہیم ۱۴:۷]وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّکُمْ لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ وَلَئِنْ کَفَرْتُمْ :۵۵

[سورۃ النحل ۱۶:۱۱۴]فَکُلُوْامِمَّارَزَقَکُمُ اللّٰہُ حَلٰلًاطَیِّبًاوَّاشْکُرُوانِعْمَۃَ اللّٰہِ:۲۷۰

[سورۃ بنی اسرائیل ۱۷:۵۷]اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّھِمُ الْوَسِیْلَۃَ اَیُّھُمْ اَقْرَبُ:۱۰۰،۱۰۹

[سورۃ الکہف ۱۸:۹]اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْکَھْفِ وَالرَّقِیْمِ کَانُوْا مِنْ اٰیٰتِنَا عَجَبًا:۸۳،۸۴

[سورۃ مریم ۱۹:۴-۵] رَبِّ اِنِّیْ وَھَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا وَّلَمْ اَکُنْ :۲۵۹

[سورۃ الانبیاء ۲۱:۸۳]اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّوَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ:۲۵۹

[سورۃ النور ۲۴:۶۳]لَاتَجْعَلُوْادُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا:۲۶۱

[سورۃ النمل ۲۷:۸۰]اِنَّکَ لا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی:۶۴

[سورۃ العنکبوت ۲۹:۱۷]فَابْتَغُوْاعِنْدَاللّٰہِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْہُ وَاشْکُرُوْا لَہٗ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ:۲۷۰

[سورۃ العنکبوت ۲۹:۳۰]رَبِّ انْصُرْنِیْ عَلَی الْقَوْمِ الْمُفْسِدِیْنَ:۲۵۹

[سورۃ الروم ۳۰:۵۲]فَاِنَّکَ لَاتُسْمِعُ الْمَوْتٰی:۶۴

[سورۃ الاحزاب ۳۳:۶]اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّھٰتُھُمْ:۱۸۵

[سورۃ الاحزاب ۳۳:۲۳]مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَاعَاھَدُوااللّٰہَ:۸۱

[سورۃ الاحزاب ۳۳:۵۳]وَمَا کَانَ لَکُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَلَااَنْ تَنْکِحُوْااَزْوَاجَہٗ مِنْ بَعْدِہٖ اَبَدًا:۱۸۵

[سورۃ الاحزاب ۳۳:۷۰]یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوااتَّقُوااللّٰہَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا:۹،۱۴

[سورۃ الاحزاب ۳۳:۷۱]یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَیَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ:۹،۱۴

[سورۃ سبا ۳۴:۱۴]فَلَمَّا قَضَیْنَا عَلَیْہِ الْمَوْتَ مَا دَلَّھُمْ عَلٰی مَوْتِہٖ اِلَّا دَآبَّۃُ الْاَرْضِ تَاْکُلُ مِنْسَاَتَہٗ:۳۲

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

[سورۃ سبا۳۴:۳۷]وَمَآاَمْوَالُکُمْ وَلَآاَوْلَادُکُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُکُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰی اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ:۱۰۹

[سورۃ فاطر۳۵:۱۴]اِنْ تَدْعُوْھُمْ لَایَسْمَعُوْادُعَآءَ کُمْ وَلَوْ سَمِعُوْامَااسْتَجَابُوْالَکُمْ وَیَوْمَ:۲۶۰

[سورۃ فاطر۳۵:۲۲]وَمَا یَسْتَوِی الْاَحْیَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ اِنَّ اللّٰہَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَآءُ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ:۷۱

[سورۃ فاطر۳۵:۲۲] وَمَایَسْتَوِی الْاَحْیَآءُ وَلَاالْاَمْوَاتُ:۷۸

[سورۃ یٰس۳۶:۳۱]اَلَمْ یَرَوْاکَمْ اَھْلَکْنَاقَبْلَھُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّھُمْ اِلَیْھِمْ لَایَرْجِعُوْنَ:۴۹

[سورۃ الزمر۳۹:۳]اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِہٖ اَوْلِیَآءَ مَا نَعْبُدُھُمْ اِلَّا:۱۰۹

[سورۃ الزمر۳۹:۳۰]اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ:۱۵۷

[سورۃ الزمر۳۹:۶۸]وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمَآءِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ:۱۵۹،۱۶۰،۱۶۰،۱۶۱

[سورۃ حم المؤمن۴۰:۱۱]رَبَّنَآاَمَتَّنَااثْنَتَیْنِ وَاَحْیَیْتَنَا اثْنَتَیْنِ:۱۵۳،۱۵۴

[سورۃ المؤمن۴۰:۶۰]وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ:۵۵،۲۵۷

[سورۃ الزخرف۴۳:۴۵]وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَامِنْ قَبْلِکَ مِنْ رُّسُلِنَآاَجَعَلْنَامِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ:۱۹۲

[سورۃ الاحقاف۴۶:۵]وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَالَایَسْتَجِیْبُ لَہٗٓ:۲۶۱

[سورۃ الاحقاف۴۶:۶]وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ کَانُوْا لَھُمْ اَعْدَآءً وَّکَانُوْابِعِبَادَتِھِمْ کٰفِرِیْنَ:۲۶۱

[سورۃ الحجرات۴۹:۱]یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْالَاتُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ:۴۴

[سورۃ الحجرات۴۹:۳]وَلَاتَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِبَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ:۲۶۲

[سورۃ الحدید۵۷:۱۷] اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا:۷۸

[سورۃ الفجر۸۹:۲۴]یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ قَدَّمْتُ لِحَیَاتِیْ:۷۸

فہرس احادیث وآثار

-ابغوني الضعفاء،فإنما تُرزقون وتُنصرون بضعفائكم:۱۳۶

-إذا سألتمُ الله فاسألوا بجاهي،فإن جاهي عند الله عظيم:۱۵۰

-اَللّٰهُمَّ إنَّا نَسْئَلُكَ بِحَقِّ نَبِيِّكَ الَّذِيْ وَعَدْتَّنا أن تَبعثَهُ فِي اٰخِرِ الزَّمَانِ أنْ تَنْصُرَنَاعَلَى عَدُوِّنَا الْيَوْمَ:۱۱۶

-أللّٰهمَّ إنِّي أسالكَ بِحَقِّ السَّائِلِينَ عليكَ و بِحَقِّ ممشايَ،فإنى لم أخرُجْ أشراً و لابَطَراًولاریاءً ولا سمعةً ،خرجتُ إتقاء سخطكَ،وابتغاء مَرضاتكَ:۱۲۶

- أنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ،الَّذِيْإنْ أصَابَكَ ضُرٌّفَدَعَوْتَهُ كَشَفَهُ عَنْكَ،وَإنْ أصَابَكَ عَامُ سَنَةٍ فَدَعَوْتَهُ أنْبَتَهَا لَكَ، وَإنْ كُنْتَ بِأرْضٍ قَفْرٍأوْفَلَاةٍ فَضَلَّتْ رَاحِلَتُكَ فَدَعَوْتَهُ رَدَّهَاعَلَيْكَ:۱۱۵

-إنَّ أصْدَقَ الحَدِيثِ كِتَابُ اللّٰهِ،وَخَيْرَالْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ :۱۰،۱۲

-إنَّ الميتَ إذا وضعَ في قبره وتولّٰى عنه أصحابه إنه ليسمع قرعَ نِعالهم،قال:يأتيهِ ملكانِ فيُقعدانه فيقولان له.:۴۷

-إنَّ الميت لايزال يسمع الأذان مالم يطين:۹۶

-إنَّ الميت ليسمعُ خَفق نعالهم:۴۷

-إن الميت يعرف مَن يغسله،ومَن يحمله،ومَن يُدليه في قبره:۳۶

-إنامعاشرالأنبياء لانورث ماتركنا صدقة:۱۸۵

-إنماينصرالله هذه الأمة بضعيفها بدعوتهم وصلاتهم وإخلاصهم:۱۳۷

-أنه ﷺ كان يستفتح بصعاليك المهاجرين:۱۳۸

-إنهم ليعلمون الآن أن ماكنت أقول حق وقد قال الله تعالى:إنَّكَ لا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى:۶۴

-إي!والذي نفسي بيده لقد رأيت مشيخة أصحاب محمد ﷺوالأكابريسئلونها عن الفرائض [مسروق]:۶۷

-بين يديه ركوةٌ أوعُلبَةٌ فيها ماءٌ فجعل يُدخِلُ يديه فى الماء فيمسح بهماوجهه يقول:۳۳

-فانظُرِ السَّجعَ من الدُّعاء،فاجْتَنِبْهُ:۱۹

-فعُدُّوا مِن سيآتكم، فأنا ضامنٌ أن لا يُضيع من حسناتكم شيئٌ[سیدنا ابن مسعودؓ]:۲۲

-قَبَّحَ اللّٰهُ هَاتَيْنِ الْيَدَيْنِ،لقد رَأيْتُ رسولَ اللّٰهِ ﷺمايزيدُعلى أن يقولَ [سیدنا عمارہؓ]:۲۰

-كنتُ نهيتكم عن زيارة القبور ألا فزوروها فإنها تُذَكّرةُ الآخرة:۸۳

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

-لو جُمِع علم عائشة إلى علم جميع أمّهات المؤمنين وعلم جميع النساء فكان علم عائشة أفضل وأكثر. [ابن شہاب زہری]:٦٦
-ما رأيت أحداً من الناس أعلم بالقرآن ولا بفريضة ولا بحلال ولا بحرام ولا بشعر ولا بطب ولا بحديث العرب ولا نسب من عائشة [عروۃ بن زبیر]:٦٦
-ما من عبدٍ يَمُرُّ بقبر رجل كان يعرفه في الدنيا فيسلم عليه إلّا عرفه وردَّ عليه السلام:۱۳۹
-مَن ابتدَعَ بِدْعَةَ ضَلَالَةٍ لاتُرضِي اللّٰهَ ورسولَه:۲۸
-مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَاهٰذَا مَالَيْسَ مِنْهُ فَهُوَرَدٌّ:٢٦
-مَن حَلَفَ بغير اللّٰه فقد أشرَكَ: ۱۱۱
-مَن صَلّٰى عَلَيَّ عندَ قبري سَمِعتُه ومَن صَلّٰى عَلَيَّ من بعيدٍ أُعلِمتُهُ:۸۹
-مَنْ صنع أمراً على غير أمرنا فهو رَدٌّ:۲۵
-مَنْ عَمِلَ عملاً ليس عليه أمرنا فهو رَدٌّ:۲۵
-مَن كانَ حالِفاً فَلْيَحلِف باللّٰهِ أوْ لِيصمُت :۱۱۱
-الناس يصلون الضحى في المسجد،فسألناه عن صلاتهم فقال:بدعة:۲۳
-مَنْ أحدَث فى ديننا ما ليس منه فهورد:٢٦
-وقفَ النبي ﷺ على قَلِيْبِ بدرٍ فقال:هل وجدتم ما وعد ربكم حقًّا؟ثم قال:إنهم الآن:٦١
-لاإله إلّا اللّٰه إن للموت سكراتٌ:۳۳
-لاتَخْتَصُّوا لَيلَةَ الجُمُعَةِ بِقيامٍ من بينَ اللّيالي:۲۱
-لاتفضحوا موتاكم بسيئات أعمالكم فإنها تعرض على أوليائكم من أهل القبور:۳٦
-لايزال الميت يسمع الأذان مالم يطين قبره:٩٦

فہرس اَعلام

[جن کے مختصر تراجم = حالاتِ زندگی، اس کتاب میں لکھے گئے۔]

—ابن ابی العز حنفی:۱۱۰
—ابن ابی حاتم رازی:۱۱۹
—ابن اثیر جَزری:۱۵
—ابن تغری بردی:۱۷۵
—ابن تیمیہ:۱۶
—ابن جوزی:۹۱
—ابن حبان:۷۹
—ابن حجر عسقلانی:۴۸
—ابن حجر ہیتمی:۱۹۸
—ابن حزم:۱۵۲
—ابن دقیق العید:۲۳
—ابن رجب:۱۷
—ابن سنی:۱۲۷
—ابن سیدہ:۱۴
—ابن شہاب زہری:۶۶
—ابن الصلاح:۸۷
—ابن عابدین شامی:۵۰
—ابن عباس رضی اللہ عنہ:۱۹
—ابن عبدالبر قرطبی:۲۷۵
—ابن عبدالہادی:۹۰
—ابن عربی صوفی:۴۵
—ابن عساکر:۸۳
—ابن عمر: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ:۲۰
—ابن قیم:۱۹
—ابن کثیر:۱۸
—ابن مسعود رضی اللہ عنہ:۲۱
—ابن نُجَیم:۵۰
—ابن نُمَیر:۸۹
—ابن ہمام:۶۰
—ابن التین:۷۱
—ابن الجزری:۱۲۳
—ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ:۲۱۶
—ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ:۲۲۶
—ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ:۴۲
—ابوجری رضی اللہ عنہ:۱۱۴
—ابوحفص عمر بن مسلمہ الحداد:۲۰۸
—ابوحنیفہ:۱۶
—ابوداود سجستانی:۲۸
—ابوزرعہ دمشقی:۲۹
—ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ:۱۲۶
—ابوسلیمان الدارانی:۲۰۷
—ابومحذورہ رضی اللہ عنہ:۲۰۰
—ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ:۶۶
—ابونعیم اصفہانی:۳۷
—ابوہریرہ رضی اللہ عنہ:۹۰
—ابویوسف:۱۰۱
—ابوالدرداء رضی اللہ عنہ:۱۳۶
—ابوالشیخ:۳۷
—احمد بن ابی الحواری:۲۰۸
—احمد بن حنبل:۱۷
—احمد رضا خان بریلوی:۱۸۴
—اخون درویزہ:۱۱۸
—اَزہری: ابومنصور محمد بن احمد:۱۵
—اسحاق بن راہویہ:۲۰۲
—اشرف علی تھانوی:۱۹۲
—اَعمش:۸۳
—ام سلمہ رضی اللہ عنہا:۲۱۵
—انس بن مالک رضی اللہ عنہ:۴۰
—بخاری:۸۰
—بدرالدین عینی:۲۷
—بزدوی: فخر الاسلام:۲۰۳
—بشر بن مروان:۲۰
—بشر بن معتمر ہلالی:۱۵۳
—بغوی:۷۹
—بقالی:۲۲۲
—بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ:۱۴۲
—بیضاوی:۱۱۷
—بیہقی:۸۱
—تفتازانی: سعدالدین:۲۷
—ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ:۴۳
—ثوبان بن بجدد رضی اللہ عنہ:۲۱۹
—جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما:۷۶

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

- جالینوس:۳۹
- جبائی معتزلی:۱۵۲
- جَزَرَة=صالح بن محمد:۸۹
- جنید بغدادی:۲۰۸
- جوزجانی:۴۱
- جوہری:۹۷
- حاکم نیشاپوری:۲۹
- حسین بن علی رضی اللہ عنہما:۸۴
- حسن بن عمار شرنبلالی:۶۰
- حصکفی:۱۰۰
- حلبی کبیر:۲۲۸
- خازِن:۵۱
- خطیب بغدادی:۸۹
- خلیل احمد سہارنپوری:۱۶۷
- دارمی:۱۱۹
- داوودی:۲۲۳
- ذوالنون مصری:۲۰۷
- ذہبی:۳۴
- راغب اصفہانی:۳۲
- رشید احمد گنگوہی:۶۰
- زبیدی: مرتضیٰ:۱۹۵
- زمخشری:۲۲۳
- ساجی:۱۴۸
- سالم بن عبید اشجعی رضی اللہ عنہ:۲۴۰
- سخاوی:۳۶
- سدی کبیر:۴۰
- سرخسی:۱۹۹
- سرفراز خان صفدر:۴۷
- سعید بن مسیب:۱۹۳
- سفیان ثوری:۱۹۰
- سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ:۲۳۵
- سید امیر علی ملیح آبادی:۴۱
- سیوطی:۳۱
- شاطبی:۱۹۶
- شافعی:۱۷
- شامی: ابن عابدین:۵۰
- شاہ محمد اسحاق دہلوی:۱۶۴
- شاہ ولی اللہ دہلوی:۴۶
- شبیر احمد عثمانی:۲۲۵
- شعبی:۴۱
- صالح بن محمد جَزَرَة:۸۹
- ضرار بن عمرو غطفانی معتزلی:۱۵۲
- طبرانی:۳۷
- ظفر احمد عثمانی:۱۲۹
- عائشہ رضی اللہ عنہا:۲۳
- عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ:۱۰۵
- عبد الحی لکھنوی:۲۰۱
- عبد الرحمٰن بن غنم رضی اللہ عنہ:۲۱۸
- عبد القادر جیلانی:۱۸
- عبد اللہ بن زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ:۲۱۷
- عبد اللہ بن سعد رضی اللہ عنہ:۲۳۸
- عبد الماجد دریا آبادی:۱۱۸
- عبد الوہاب شعرانی:۴۵
- عتبہ بن غزوان:۱۳۲
- عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ:۱۲۴
- عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ:۱۳۵
- عجلی:۴۱
- عراقی: ابو الفضل عبد الرحیم:۳۵
- عروہ بن زبیر:۲۳
- عزیزی:۴۷
- عقیلی:۹۰
- علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ:۲۰۰
- عمارۃ بن رؤیبۃ:۲۰
- عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ:۱۰۴
- غزالی:۳۱
- فخر الدین رازی:۱۹۱
- فراء نحوی:۲۶۲
- قاضی عیاض:۲۴
- قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی:۴۷
- قرطبی: محدث:۲۹
- قرطبی: مفسر:۸۲
- قیس بن شماس رضی اللہ عنہ:۴۳
- کافی کلینی:۱۸۳
- مالک بن انس:۱۶
- مجاہد:۲۳
- محمد انور شاہ کشمیری:۱۰۶
- محمد بن حسن شیبانی:۱۱۲
- محمد بن عبد الوہاب نجدی:۱۴
- محمد بن کرام:۱۷۱
- محمد زکریا:۷۰
- محمد سرفراز خان صفدر:۴۷
- محمد طاہر بن علی ہندی:۳۶
- مرغینانی:۲۶۲
- مسروق بن اجدع:۲۶

- مسلم: ۸۸
- مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ: ۸۱
- معاویہ بن ابی سفیان: ۱۰۷
- مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی: ۶۳
- مفتی محمد شفیع دیوبندی: ۵۳
- مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی: ۱۶۹
- ملا علی قاری: ۱۹
- مرتضٰی زَبیدی: ۱۵
- مسلم بن حارث رضی اللہ عنہ: ۲۱۸
- معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ: ۲۱۶
- مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ۲۱۷
- مناوی: ۲۷
- نعمان بن محمود عبداللہ: ۱۶۴
- نووی: ۲۴
- ہیثمی: ۳۷
- یاقوت حموی: ۲۲۳
- یحیٰی بن معین: ۸۹
- یزید بن اسود جرشی رضی اللہ عنہ: ۱۰۸

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

فہرس رُواۃ

[جن کی اس کتاب میں جرح وتعدیل کی گئی۔]

–ابراہیم بن یزید خوزی مکی ابو اسماعیل [متروک الحدیث]:۵۴
–ابن جریج [ضعفاء سے تدلیس کرتے تھے]:۶۹، ۲۵۱
–ابن دحیہ [زر پرست، گستاخِ سلف، احمق، خودسر، متکبر اور احادیث گھڑنے والا]:۲۶۶، ۲۶۷
–ابن شہاب زہری [مدلس]:۲۵۱
–ابو اسحاق سبیعی: عمرو بن عبداللہ ہمدانی [مختلط]:۱۳۴
–ابو حامد احمد بن علی حسنوی [کذاب، ناقابلِ اعتماد]:۱۸۹
–ابوشعبہ [متروک الحدیث]:۱۳۴
–ابوالشیخ کی حدیث مرسل ہے:۸۸
–ابو عاصم [مجہول]:۲۵۱
–ابومقاتل: حفص بن سلم سمرقندی [متروک]:۹۶
–ابوالنعمان: محمد بن الفضل المعروف بعارم [مختلط]:۱۱۹، ۱۲۰
–ابو یحییٰ قتّات [لین الحدیث]:۲۴۰
–احمد بن شبیب کی اپنے والد سے لا بأس بہ ہے مگر.. :۱۳۶
–اسماعیل بن شبیب [متروک الحدیث تھا]:۱۳۶
–اسماعیل بن عمرو بجلی [ضعیف، بکثرت عجائب وغرائب بیان کرتا تھا]:۳۷، ۲۱۴
–اعمش: سلیمان بن مہران [مدلس تھا۔ ضعفاء سے تدلیس کیا کرتا تھا۔]:۸۴
–امیہ بن خالد بن اسید صحابی نہیں:۱۳۸
–جعفر بن مثنّی نے جعفر صادق کا زمانہ نہیں پایا:۱۸۴
–حارث بن عمیر [موضوع روایات نقل کرتا ہے]:۲۲۶
–حجاج بن اسود [منکر الحدیث اور اس کی روایت: الأنبیاء أحیاءٌ في قبورهن یُصَلُّون منکر ہے]:۱۸۸
–حسن بصری کی سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں:۹۶
–حسن بن قتیبہ مدائنی [متروک الحدیث، ہالک، کثیر الوہم]:۱۸۷
–حسن بن یحییٰ خشنی [منکر الحدیث، صدوق، سیئ الحفظ، بے اصل روایتیں نقل کرنے والا:]۱۹۱
–حماد بن عمرو نصیبی [متروک الحدیث، منکر الحدیث، کذاب]:۲۱۵

– حیان [حبان] بن جبلہ [مجہول]: ۸۰
– داود بن زبرقان رقاشی [متروک الحدیث]: ۲۱۴
– زیاد بن انعم افریقی [ثقات کے نام سے موضوعات نقل کرتا ہے]: ۷۹
– زید بن علی نے سیدنا عتبہ بن غزوان ﷛ کا زمانہ نہیں پایا: ۱۳۲
– سدی صغیر = محمد بن مروان
– سدی کبیر: اسماعیل بن عبدالرحمٰن کوفی [کذاب' بدگو' جاھل بالقرآن]: ۴۱
– سری بن خالد [غیر معروف]: ۲۱۵
– سعید بن زید بن درہم اَزدی [حجت نہیں]: ۱۲۰
– سیف بن عمر ضبی [متروک الحدیث' وضاع]: ۱۴۲
– شبیب بن سعید [ثقہ ہونے کے باوجود غرائب نقل کرنے والا ہے۔]: ۱۳۶
– شہر بن حوشب شامی [صدوق' کثیر الاوہام' کثیر الارسال]: ۲۱۸
– عارِم [اختلاط کا شکار تھا]: ۱۱۹' ۱۲۰
– عبدالاعلیٰ بن عبداللہ کی روایت شیخین نے نہیں لی: ۸۲
– عبدالرحمٰن بن احمد الاعرج [مجہول' مستور]: ۹۲
– عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم افریقی [موضوعات نقل کرتا ہے]: ۷۹
– عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم [متروک الحدیث]: ۱۴۸
– عبداللہ بن فروخ خراسانی [کئی روایات میں متفرد ہے]: ۲۳۵
– عبداللہ بن فہری [باطل روایات نقل کرتا ہے]: ۱۵۰
– عبداللہ بن محمد بن سعید بن ابی مریم [باطل روایات نقل کرتا ہے]: ۸۶
– عبداللہ بن وہب [شبیب سے منکر روایات نقل کرتا ہے]: ۱۳۶
– عبدالملک بن ہارون بن عنترہ [کذاب]: ۲۱۴
– عبیداللہ بن ابی حمید ہذلی [متروک الحدیث]: ۱۸۸
– عطاء بن ابی مسلم فی نفسہ ثقہ تھے لیکن سیدنا ابن عباس ﷛ سے ان کی ملاقات ثابت نہیں: ۱۹۲
– عطیہ عوفی [بکثرت غلطیاں کرتا تھا۔ تدلیس الشیوخ کا مرتکب تھا]: ۳۸' ۱۲۶
– عقبہ بن عبداللہ الاصم [ضعیف]: ۲۱۹
– عمارۃ بن حدید [مجہول]: ۹۵
– عمر بن اسحاق بن ابراہیم [مجہول]: ۱۲۸
– عمر بن ہارون [کذاب]: ۱۱۳

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

- عمرو بن مالک نکری [منکر الحدیث، سارق الحدیث]: ۱۲۰، ۱۲۱
- عمرو بن واقد دمشقی [متروک الحدیث]: ۸۵
- غیاث بن ابراہیم [کذاب]: ۱۳۴
- فضیل بن مرزوق رقاشی کوفی [وہمی، تشیع سے وہمی]: ۳۷
- فلان بن معاویۃ [مجہول]: ۳۷
- قطن بن وہب کی کوئی روایت امام بخاری نے نقل نہیں لی: ۸۲
- کثیر بن شنظیر [لیس بشيء تھا]: ۹۶
- کثیر بن عبداللہ [جھوٹ کے ارا کین میں سے]: ۲۸
- محمد بن حمید رازی [کذاب]: ۱۴۴
- محمد بن عباس حمصی [مجہول]: ۱۸۸
- محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ [صدوق اور سوءِ حفظ کا شکار تھے]: ۱۹۰
- محمد بن عبدالرحمٰن بن مجبر بن عبدالرحمٰن بن معاویہ [ثقہ راویوں سے منکر روایات نقل کرتا ہے]: ۲۲۶
- محمد بن علی بن سہل انصاری مروزی [ضعیف، متساہل]: ۸۶
- محمد بن عمرو بن علقمۃ [منکر الحدیث، ضعیف]: ۵۴
- محمد بن قاسم طایکانی [موضوعات نقل کرتا ہے]: ۹۶
- محمد بن مروان: سدی صغیر [موضوعات نقل کرتا ہے، متروک الحدیث، متہم، کذاب]: ۹۰، ۱۱۷
- مستلم بن سعید [صدوق، عابد، وہم کا شکار]: ۱۸۷، ۱۸۸
- معاذ بن زہرہ [مجہول]: ۲۱۳
- معاویۃ بن فلان [مجہول]: ۳۷
- منہال بن عمرو [صدوق، وہم کا شکار]: ۸۳
- مؤمل بن اسماعیل قرشی [صدوق سیئ الحفظ]: ۱۸۸
- وازِع بن نافع عقیلی [ضعیف، ذاہب الحدیث، موضوعات کو نقل کرنے والا]: ۱۲۷
- واقدی [متروک الحدیث]: ۲۵۱، ۲۵۲
- نافع بن محمود [مجہول]: ۹۴
- ہیثم بن حنش [مجہول]: ۱۳۳
- یحییٰ بن ابی بکیر [صدوق، عابد تھا اور بار ہا وہم کا شکار ہوا]: ۱۸۷
- یحییٰ بن العلاء رازی [کذاب]: ۸۲
- یحییٰ کندی [مجہول]: ۹۵
- یعقوب بن عبداللہ قمی ابوالحسن [صدوق اور وہم کا شکار تھا]: ۲۴۴

فہرس مصادر و مراجع

– اِجتماع الجیوش الاسلامیۃ علی غزو المعطلۃ والجہمیۃ' ابن القیم' دارالباز مکۃ المکرمۃ ۱۴۰۴ھ = ۱۹۸۴ء

– الفتاویٰ' مفتی رشید احمد' ایچ ایم سعید کمپنی' کراچی' ۱۴۲۵ھ 19

– الکلام فی ترک القراءۃِ خلف الامام' مولانا محمد سرفراز خان صفدر' مکتبہ صفدریہ' گوجرانوالہ' نومبر ۲۰۰۴ء

– اِحکام الاحکام شرح عمدۃ الاحکام' ابن دقیق العید: حافظ تقی الدین ابوالفتح' دارالکتب العلمیۃ' بیروت

– اَحوال الرجال' ابواسحاق ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی' المکتبۃ الاثریۃ' سانگلہ ہل' شیخوپورہ

– اِحیاء علوم الدین' امام ابوحامد الغزالی' دارالمعرفۃ' بیروت

– اَخبار اصبہان' ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی' مطبوعہ لیڈن' ۱۹۳۴ء

– اردو دائرہ معارف اسلامیہ' دانش گاہِ پنجاب' لاہور' ۱۴۰۰ھ = ۱۹۸۰ء

– اُسْدُ الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ' ابن الاثیر' دارالکتاب العربی' بیروت' ۱۴۲۷ھ = ۲۰۰۶ء

– اصول البزدوی' نور محمد کارخانہ تجارتِ کتب' کراچی

– اصول الکافی' محمد بن یعقوب کلینی رازی' دارالاسرۃ' ایران

– اِظہار الحق للمتمسکین بالحق' ابومحمد مفتی عبدالحمید حقانی' اپریل ۲۰۰۵ء

– اِظہار الغرور فی کتاب آئینہ تسکین الصدور' حافظ عبدالقدوس خان قارن' عمر اکادمی' گوجرانوالہ نومبر ۲۰۰۶ء

– اَعلام العراق' محمد بہجۃ الاثری' مصطفی البابی الحلبی' مصر' ۱۳۴۵ھ

– اِغاثۃ اللہفان من مصائد الشیطان' ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر الشہیر بابن قیم الجوزیۃ' دارالمعرفۃ' بیروت

– اِقتضاء الصراط المستقیم لمخالفۃ أصحاب الجحیم' شیخ الاسلام احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام بن تیمیۃ' تحقیق: د- ناصر بن عبدالکریم العقل' دارالعاصمۃ' سعودی عرب' ۱۴۱۹ھ = ۱۹۹۸ء

– اَکابر علمائے دیوبند' حافظ محمد اکبر شاہ بخاری' ادارہ اسلامیات' لاہور' ۱۴۱۹ھ = ۱۹۹۹ء

– اِکمال المعلم بفوائد مسلم' حافظ ابوالفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض یحصبی' تحقیق: الدکتور یحییٰ اسماعیل دارالوفاء' المنصورۃ' ۱۴۱۹ھ = ۱۹۹۸ء

– امداد الاحکام' مولانا ظفر احمد عثمانی' مکتبہ دارالعلوم کراچی' ۱۴۳۰ھ = ۲۰۰۹ء

– امداد الفتاح شرح نور الایضاح' ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی مصری' تحقیق: شیخ عبدالکریم العطاء دار اِحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ = ۲۰۰۱

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

-امداد المفتیین کامل، مفتی محمد شفیع، دار الاشاعت، کراچی، مئی ۲۰۰۱ء

-إنباء الغُمر بأبناء العمر، حافظ ابن حجر عسقلانی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۶ھ=۱۹۸۶ء

-أنوار التنزیل وأسرار التأویل المعروف بتفسیر البیضاوی، ناصر الدین ابو الخیر عبد اللہ بن عمر بن محمد شیرازی بیضاوی

تقدیم: محمد عبد الرحمن المرعشلی، دار إحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۸ھ=۱۹۹۸ء

-الاذکار من کلام سید الابرار، امام نووی، مکتبۃ نزار مصطفی، مکۃ المکرمۃ، ۱۴۱۷ھ=۱۹۹۷ء

-الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، امام ابو عمر یوسف بن عبد البر، تحقیق: الدکتور خلیل مأمون شیما، دار المعرفۃ

بیروت، ۱۴۲۷ھ=۲۰۰۶ء

-الاشباہ والنظائر، ابن نجیم، وحیدی کتب خانہ ملتان، بدون تاریخ

-الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، شہاب الدین ابو الفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی، دار إحیاء التراث العربی بیروت

-الاعتصام، امام ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ بن محمد، شاطبی، غرناطی، دار المعرفۃ بیروت

-الاعتقاد والہدایۃ الی سبیل الرشاد علی مذہب السلف اہل السنۃ والجماعۃ، بیہقی: ابو بکر احمد بن الحسین

رئاسۃ إدارۃ البحوث العلمیۃ والافتاء، الریاض، سعودی عرب، ۱۴۲۴ھ=۲۰۰۳ء

-الاعلام قاموس تراجم لاشہر الرجال والنساء من العرب والمستعربین والمستشرقین، خیر الدین زرکلی

دار العلم للملایین، بیروت، ۱۹۸۴ء

-باب جنت بجواب راہِ جنت، شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر، مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

-بقیۃ الآثار من الحیاۃ المستعار، خود نوشت سوانح حیات شیخ القرآن محمد طاہر، قلمی

-بیان القرآن، اشرف علی تھانوی، مکتبہ رحمانیہ لاہور، اکتوبر ۲۰۱۱ء

-بیس بڑے مسلمان، عبد الرشید ارشد، مدرسہ رشیدیہ ساہیوال

-الباعث الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث للحافظ ابن کثیر، شرح: احمد محمد شاکر، تحقیق: الدکتور بدیع السید اللحام

جمعیۃ إحیاءِ التراث الاسلامی، کویت، ۱۴۱۴ھ=۱۹۹۴ء

-البحر الرائق شرح کنز الدقائق، علامہ زین الدین ابن نجیم، سعید ایچ ایم کمپنی، کراچی

-البحر الزخار المعروف بمسند البزار: حافظ امام ابو بکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق العتکی، البزار، تحقیق: د-محفوظ الرحمن

زین اللہ، مکتبۃ العلوم والحکم، المدینۃ المنورۃ، ۱۴۰۹ھ=۱۹۸۸ء

-البدایۃ والنہایۃ، حافظ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن کثیر الدمشقی، تقدیم: الدکتور محمد عبد الرحمن المرعشلی

دار إحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۲ھ=۲۰۰۱ء

-البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن التاسع، محمد بن علی شوکانی، مطبعۃ السعادۃ مصر ۱۳۴۸ھ

-البصائر لمنکری التوسل باہل المقابر، مولانا محمد [illegible] داجوی، المکتبۃ الرحیمیۃ، پشاور

ومکتبۃ ایشیق، استانبول، ترکیا
-البلاغ المبین، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، ایچ ایم سعید، کراچی
-تاج العروس من جواہر القاموس، محمد مرتضٰی الزبیدی، منشورات دار مکتبۃ الحیاۃ، بیروت
-تاریخ ابن ابی خیثمہ: التاریخ الکبیر لابن ابی خیثمہ احمد بن زہیر بن حرب، تحقیق: ابوعبدالرحمٰن عادل بن سعد
شرکۃ غراس، الجہراء، ۱۴۲۵ھ=۲۰۰۴ء
-تاریخ ابن جریر طبری: تاریخ الامم والملوک، محمد بن جریر طبری، مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات، بیروت،
۱۴۰۳ھ=۱۹۸۳ء
-تاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر والاعلام، حافظ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان ذہبی، تحقیق: الدکتور عمر عبدالسلام
تدمری، دارالکتاب العربی، بیروت، ۱۴۱۲ھ=۱۹۹۲ء
-تاریخ بغداد، حافظ ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی، دارالفکر، بیروت
-تاریخ دمشق کبیر: تاریخ مدینۃ دمشق، امام ابوالقاسم علی بن حسن بن ہبۃ اللہ بن عبداللہ المعروف بابن عساکر
تحقیق: محب الدین ابوسعید عمر بن غرامہ، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ=۱۹۹۵ء
-تالیفات رشیدیہ مع فتاوٰی رشیدیہ، مولانا رشید احمد گنگوہی، ادارۂ اسلامیات لاہور، ۱۴۱۲ھ=۱۹۹۲ء
-تبرید النواظر فی تحقیق الحاضر والنواظر یعنی آنکھوں کی ٹھنڈک، شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر
ادارہ نشرواشاعت مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ، ۱۴۰۰ھ=۱۹۸۰ء
-تجلیات فریدی، فرمودات: مفتی محمد فرید، مرتب: مولانا محمد رقیب مجددی، الفرید اکیڈمی، زروبی، صوابی، ۲۰۰۹ء
-التحقیق العجیب فی مسئلۃ التثویب، ضمن مجموعۃ رسائل اللکنوی، ادارۃ القرآن، کراچی
-تدبر قرآن، مولانا امین احسن اصلاحی، فاران فاونڈیشن لاہور، طبع ہشتم، جون ۱۹۹۹ء
-تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، حافظ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی تحقیق: الدکتور احمد عمر
ہاشم، دارالکتاب العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ=۱۹۹۹ء
-تذکرہ، ابوالکلام آزاد، مرتبہ: مالک رام، اسلامک پبلشنگ کمپنی، لاہور
-تذکرۃ الحفاظ، ابوعبداللہ شمس الدین محمد الذہبی، داراحیاء التراث العربی، بیروت
-تذکرہ علمائے ہند، مولوی رحمان علی، ترجمہ: محمد ایوب قادری، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی، ۱۹۶۱ء
-تذکرۃ المفسرین، محمد زاہد الحسینی، دارالارشاد، اٹک، طبع سوم ۱۴۲۵ھ
-تذکرۃ الموضوعات، علامہ محمد طاہر بن علی ہندی، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ=۱۹۹۵ء
-ترتیب المدارک وتقریب المسالک لمعرفۃ اعلام مذہب مالک، قاضی ابوالفضل عیاض بن موسیٰ الیحصبی
دارالکتب العلمیۃ بیروت، ۱۴۱۸ھ=۱۹۹۸ء
-تسکین الخواطر فی اثبات التوسل بالذوات الافاضل، مولانا شوکت علی، مکتبہ سید احمد شہید، اکوڑہ خٹک

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

۱۴۲۷ھ=۲۰۰۶ء
- تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتی فی البرزخ والقبور، مولانا محمد سرفراز خان صفدر، ادارہ نشر واشاعت مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ، ۱۳۹۹ھ=۱۹۷۹ء
- تسہیل البصائر لمنکری التوسل باہل المقابر، مولانا حافظ کفایت اللہ ڈاگئی، مظہری کتب خانہ، یار حسین، ڈاگئی
- تعریف اہل التقدیس بمراتب الموصوفین بالتدلیس، حافظ شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن حجر عسقلانی، تحقیق: دکتور عبدالغفار سلیمان البنداری، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۰۵ھ=۱۹۸۴ء
- تفسیر ابن ابی حاتم، تحقیق: اسد محمد الطیب، المکتبۃ العصریۃ، صیدا، بیروت، ۱۴۱۹ھ=۱۹۹۹ء
- تفسیر ابن کثیر: تفسیر القرآن العظیم، حافظ عماد الدین ابوالفداء اسماعیل بن کثیر دمشقی، تقدیم: عبدالقادر اَرناووط دار السلام، الریاض، ۱۴۱۸ھ=۱۹۹۸ء
- تفسیر بغوی=معالم التنزیل
- تفسیر طبری: جامع البیان فی تاویل القرآن، ابوجعفر محمد بن جریر طبری، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۲ھ=۱۹۹۲ء
- تفسیر عبدالماجد دریابادی، تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور
- تفسیر عثمانی، مولانا شبیر احمد عثمانی، تاج کمپنی لمیٹڈ، کراچی
- تفسیر قرطبی=الجامع لاحکام القرآن، قرطبی: محمد بن احمد، تحقیق: عبدالرزاق المہدی، دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۱۸ھ=۱۹۹۷ء
- تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۷ھ=۱۹۹۷ء
- تفسیر المظہری، قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی، بلوچستان بک ڈپو، کوئٹہ
- تفسیر نعیم الدین مرادآبادی، تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور
- تقریب التہذیب، حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، تحقیق: استاذ محمد عوامہ، دار الیسر، المدینۃ المنورۃ، ۱۴۳۰ھ=۲۰۰۹ء
- تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر، ابن حجر عسقلانی، دار نشر الکتب الاسلامیۃ لاہور
- تلخیص المستدرک، حافظ ذہبی: محمد بن عثمان بن قائماز، دار الفکر، بیروت، ۱۳۹۸ھ=۱۹۷۸ء
- تلقیح فهوم أهل الأثر في عيون التاريخ والسير، ابن جوزی، ادارہ احیاء السنۃ، گھر جاکھ، بدون تاریخ
- تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الاخبار الشنیعۃ الموضوعۃ، ابوالحسن علی بن محمد بن عراق الکنانی، تحقیق: عبدالوہاب عبداللطیف، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۰۱ھ=۱۹۸۱ء
- تہذیب تاریخ دمشق الکبیر، ابن زیدان، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ=۱۹۸۴ء
- تہذیب التہذیب، شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی، تحقیق: مصطفیٰ عبدالقادر عطا دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۵ھ=۱۹۹۴ء

-تہذیب السنن، ابن قیم، دارارقم، مکتبۃ المعارف، ریاض، ۱۴۲۸ھ=۲۰۰۷ء

-تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، جمال الدین ابوالحجاج یوسف مزی، تحقیق: الدکتور بشار عواد
مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۱۵ھ=۱۹۹۴ء

-تہذیب اللغۃ، ابومنصور محمد بن احمد الازہری، دار احیاء التراث العربی، ۱۴۲۱ھ=۲۰۰۱ء

-التاریخ، یحیٰی بن مَعین، دراسۃ وتحقیق: ڈاکٹر احمد نور سیف
مرکز البحث العلمی مکۃ المکرمۃ ۱۳۹۹ھ=۱۹۷۹ء

-التاریخ الصغیر، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، تحقیق: محمود ابراہیم زاید، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۴۰۶ھ=۱۹۸۶ء

-التاریخ الکبیر، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، دار الباز، مکۃ المکرمۃ

-الترغیب والترہیب، امام حافظ عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری، تعلیق: مصطفیٰ محمد عمارہ، دار احیاء التراث العربی،
بیروت، ۱۳۸۸ھ=۱۹۶۸ء

-التفہیمات الالٰہیۃ، حجۃ الاسلام شاہ ولی اللہ دہلوی، تصحیح وتحشیہ: استاذ غلام مصطفیٰ قاسمی، مطبع حیدری، کراچی
۱۳۸۷ھ=۱۹۶۷

-التمہید لمافی الموطأ من المعانی والاسانید، حافظ یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر القرطبی، تحقیق: محمد عبدالقادر
عطا، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۱۴۱۹ھ=۱۹۹۹ء

-جامع الترمذی=سنن الترمذی

-جامع العلوم والحکم فی شرح خمسین حدیثاً من جوامع الکلم، حافظ عبدالرحمٰن بن شہاب الدین بغدادی دمشقی
الشہیر بابن رجب، تحقیق: شعیب الارناووط، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت

-جاء الحق وزہق الباطل، مفتی احمد یار خان نعیمی، نعیمی کتب خانہ، گجرات

-جلاء الافہام فی فضل الصلاۃ والسلام علی محمد ﷺ خیر الانام، ابن قیم الجوزیۃ، تحقیق: مشہور بن حسن آل سلمان
دار ابن الجوزی، الدمام، سعودی عرب، ربیع الآخر ۱۴۲۹ھ

-جلاء العینین بمحاکمۃ الأحمدین، سید نعمان خیر الدین الشہیر بابن الآلوسی البغدادی
مطبعۃ المدنی، القاہرۃ، ۱۴۰۱ھ=۱۹۸۱ء

-جہانِ دیدہ، محمد تقی عثمانی، ادارۃ المعارف کراچی، اکتوبر ۱۹۸۹ء

-الجامع الصغیر من الاحادیث البشیر النذیر، مع شرحہ فیض القدیر، حافظ سیوطی، دار الفکر بیروت

-الجامع لاحکام القرآن [تفسیر القرطبی]، ابوعبداللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی، تحقیق: عبدالرزاق المہدی
دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۱۸ھ=۱۹۹۷ء

-الجرح والتعدیل، حافظ ابومحمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم محمد بن ادریس بن المنذر، تمیمی حنظلی، رازی
دار الکتب العلمی، بیروت

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

-حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح، علامہ شیخ احمد طحطاوی، مکتبۃ القدس، کوئٹہ، ۲۰۰۱ء
-حجۃ اللہ البالغۃ، شیخ احمد المعروف بشاہ ولی اللہ الدہلوی، نور محمد کارخانہ تجارتِ کتب، کراچی
-حدائق الحنفیہ، موکوی فقیر محمد جہلمی، المیزان، اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۵ء
-حکم الذکر بالجہر، شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر، مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ
-حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، ابو نعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی، دار الفکر، بیروت
-حیاۃ الانبیاء علیہم السلام بعد وفاتہم، حافظ ابو بکر احمد بن الحسین بیہقی، تحقیق: الدکتور احمد بن عطیۃ اللہ الغامدی
مکتبۃ العلوم والحکم، المدینۃ المنورۃ، ۱۴۲۲ھ = ۲۰۰۱ء
-خصائل مسلمین ترجمہ مسائل اربعین، مصنف: شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی، مترجم: سید ابو احمد سجاد بخاری،
تحقیق وتعلیق: ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف، مکتبہ دار العلوم تعلیم القرآن، راولپنڈی، ۱۴۲۹ھ = ۲۰۰۸ء
-خطبات حکیم العصر، مولانا عبد المجید لدھیانوی، باب العلوم کہروڑ پکا، ضلع لودھراں
-خلاصۃ الاثر فی اعیان القرن الحادی عشر: محمد محبی، دار الکتب المصریۃ، مصر، ۱۲۸۴ھ
-الخطط المقریزیۃ: کتاب المواعظ والاعتبار بذکر الخطط والآثار، تقی الدین ابو العباس احمد بن علی بن عبد القادر
تحقیق: خلیل المنصور، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۸ھ = ۱۹۹۸ء
-دلائل النبوۃ، حافظ ابو نعیم اصبہانی، تحقیق: الدکتور محمد رواس قلعہ جی، دار النفائس، بیروت، ۱۴۱۲ھ = ۱۹۹۱ء
-دلائل النبوۃ ومعرفۃ احوال صاحب الشریعۃ، بیہقی: ابو بکر احمد بن حسین، تحقیق: الدکتور عبد المعطی قلعجی
المکتبۃ الاثریۃ، لاہور
-الدرر الکامنۃ فی اعیان المائۃ الثامنۃ، ابن حجر عسقلانی، دار الجیل بیروت، ۱۴۱۴ھ = ۱۹۹۳ء
-الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور، حافظ جلال الدین سیوطی، تقدیم: عبد الرزاق المہدی، دار احیاء التراث العربی،
بیروت، ۱۴۲۱ھ = ۲۰۰۱ء
-الذخائر لاہل البصائر، حافظ کفایت اللہ ڈاگئی، المکتبۃ الرحیمیۃ، پشاور
-راہِ ہدایت، شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر، مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ، مارچ ۱۹۶۶ء
-رد المحتار علی در المختار، حاشیۃ ابن عابدین: محمد امین الشہیر بابن عابدین الشامی، مکتبہ ماجدیہ، کوئٹہ
-رسائل ابن عابدین = مجموعۃ رسائل ابن عابدین
-روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، تحقیق: محمد احمد الامد، دار احیاء التراث العربی، بیروت
۱۴۲۱ھ = ۲۰۰۰ء
-روضات الجنات فی أحوال العلماء والسادات، محمد باقر موسوی خوانساری اصبہانی، بدون نام طابع، ۱۳۴۷ھ
-الرسالۃ القشیریۃ، امام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن قشیری، حواشی: خلیل المنصور، دار الکتب العلمیۃ، بیروت
۱۴۱۸ھ = ۱۹۹۸ء

-الروح' امام ابن القیم' تحقیق: د-بسام علی سلامہ العموش' دار ابن تیمیۃ' الریاض' ۱۴۰۶ھ=۱۹۸۶ء
-زاد المسیر فی علم التفسیر' حافظ ابن جوزی' تحقیق: عبد الرزاق المهدی' دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۲۲ھ
-زاد المعاد فی ہدي خیر العباد' ابن القیم الجوزیۃ' تحقیق: شعیب الاناووط' موسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۲ھ=۱۹۹۲ء
-سماع الموتی' مولانا محمد سرفراز خان صفدر' ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ' دسمبر ۱۹۸۴ء
-سنن ابن ماجہ: حافظ ابوعبداللہ محمد بن یزید قزوینی' تحقیق و ترقیم: استاذ محمد فواد عبد الباقی' دار الفکر بیروت
-سنن ابی داود: امام حافظ سلیمان بن اشعث' إعداد و تعلیق: عزت عبید دعاس' دار الحدیث' بیروت' ۱۳۸۸ھ=۱۹۶۹ء
-سنن الترمذی: ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ' تحقیق و شرح: احمد محمد شاکر' دار الکتب العلمیۃ بیروت
-سنن دار قطنی: علی بن عمر' دار نشر الکتب الاسلامیۃ' لاہور
-سنن الدارمی: امام حافظ عبداللہ بن عبد الرحمٰن سمرقندی' تحقیق: فؤاز احمد زمرلی' دار الریان' القاہرۃ ۱۴۰۷ھ
-سنن النسائی بشرح الحافظ جلال الدین سیوطی' ترقیم: عبد الفتاح ابوغدۃ' دار البشائر الاسلامیۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ
-سیر اعلام النبلاء' امام شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان ذہبی' موسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۰ھ=۱۹۹۰ء
-السعایة في كشف مافي شرح الوقاية' مولانا عبدالحی لکھنوی' سہیل اکیڈمی' لاہور
-السنن الکبریٰ' بیہقی' نشر السنۃ ملتان
-شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا' سید قاسم محمود' الفیصل' لاہور' بدون تاریخ
-شجرۃ النور الزکیۃ فی طبقات المالکیۃ' محمد بن محمد مخلوف' دار الکتب المصریۃ' مصر' ۱۳۴۹ھ
-شذرات الذہب فی اخبار من ذہب' ابن عماد' دار الکتب العلمیۃ بیروت' بدون تاریخ
-شرح السنۃ' امام بغوی' تحقیق: زہیر الشاویش و شعیب الارناووط' المکتب الاسلامی' بیروت' ۱۴۰۳ھ=۱۹۸۳ء
-شرح صحیح مسلم' نووی: یحییٰ بن شرف' مکتبۃ الغزالی' دمشق
-شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور' حافظ جلال الدین سیوطی' موسسۃ الکتب الثقافیۃ' بیروت' ۱۴۲۴ھ=۲۰۰۴ء
-شرح العقیدۃ الطحاویۃ' امام قاضی علی بن علی بن محمد بن ابی العز الدمشقی' تحقیق: الدکتور عبداللہ بن عبد المحسن الترکی موسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۰۸ھ=۱۹۸۸ء
-شرح المقاصد' علامہ مسعود بن عمر بن عبداللہ الشہیر بسعد الدین التفتازانی' تعلیق: ابراہیم شمس الدین' اشاعت اسلام کتب خانہ' پشاور
-شرح نخبۃ الفکر فی مصطلح اہل الاثر' تعلیق: محمد غیاث الصباغ' مکتبۃ الغزالی' دمشق
-شعب الایمان' بیہقی: ابوبکر احمد بن حسین' تحقیق: ابوہاجر محمد السعید بن بسیونی زغلول' دار الکتب العلمیۃ بیروت

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

۱۴۱۰ھ=۱۹۹۰ء
-شفاءُ السقام في زيارة خير الأنام ﷺ، تقی الدین علی بن عبد الکافی بن علی السبکی، تحقیق: حسین محمد علی شکری دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۹ھ=۲۰۰۸ء
-الشافی ترجمہ اصولِ کافی، ترجمہ: مولانا سید ظفر حسن امروہوی، ظفر شمیم پبلی کیشنز، ناظم آباد، کراچی، ۲۰۰۶ء
-الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ، قاضی عیاض، تحقیق: حسین عبد الجمیل نیل، شرکۃ دار الارقم بن ابی الارقم، بیروت، بدون تاریخ
-صحیح ابن حبان: الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان، تحقیق: شعیب الارناووط، مؤسسۃ الریان، بیروت، ۱۴۰۸ھ
-صحیح بخاری: امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ=۱۹۹۴ء
-صحیح مسلم: امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری نیسابوری، ترقیم: محمد فواد عبد الباقی، المکتبۃ الاسلامیۃ، استانبول، ترکیا
-صفۃ الصفوۃ، جمال الدین ابو الفرج ابن الجوزی، تحقیق: عبد الرحمٰن اللادقی، دار المعرفۃ بیروت ۱۴۲۶ھ=۲۰۰۵ء
-الصارم المنکی فی الرد علی السبکی، محمد بن احمد بن عبد الہادی، تحقیق وتخریج: ابو عبد الرحمٰن السلفی، مؤسسۃ الریان بیروت، ۱۴۱۲ھ=۱۹۹۲ء
-الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ، اسماعیل بن حماد جوہری، تحقیق: احمد عبد الغفور عطار، دار العلم للملایین، بیروت ۱۳۷۶ھ=۱۹۵۶ء
-ضیاء النبی ﷺ، پیر محمد کرم شاہ الازہری، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
-الضعفاء الصغیر، امام بخاری، تحقیق: شیخ عبد العزیز عز الدین السیر وان، دار القلم، بیروت، ۱۴۰۵ھ=۱۹۸۵ء
-الضعفاء الکبیر، عقیلی، دار الکتب العلمیۃ بیروت، بدون تاریخ
-الضعفاء والمتروکین، ابن الجوزی: جمال الدین ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد، تحقیق: ابو الفداء عبد اللہ قاضی دار الباز، مکۃ المکرمۃ، ۱۴۰۶ھ=۱۹۸۶ء
-الضعفاء والمتروکین، دار قطنی، دراسۃ وتحقیق: عبد العزیز عز الدین السیر وان، دار القلم بیروت، ۱۴۰۵ھ=۱۹۸۵ء
-الضوء اللامع لاہل القرن التاسع، حافظ سخاوی، دار البابی الحلبی، مصر، ۱۳۵۳ھ
-طبقات ابن سعد: الطبقات الکبریٰ، دار صادر بیروت، ۱۴۰۵ھ=۱۹۸۵ء
-طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، تاج الدین ابو نصر عبد الوہاب بن علی بن عبد الکافی السبکی، تحقیق: عبد الفتاح محمد الحلو دار احیاء الکتب العربیۃ مصر
-طبقات المحدثین باصبہان والواردین علیہا، ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن جعفر بن حیان المعروف بابی الشیخ دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۱۴۰۹ھ=۱۹۸۹ء

- طبقات المعتزلہ، احمد بن یحییٰ بن المرتضیٰ، تحقیق: سوسنہ، جمعیۃ المستشر قین الالمانیۃ، بیروت، ۱۳۸۰ھ=۱۹۶۱ء
- طبقات المفسرین، داودی: حافظ شمس الدین محمد بن علی بن احمد، عباس احمد الباز، مکۃ المکرمۃ، ۱۴۰۳ھ=۱۹۸۳ء
- طرب الاماثل، عبدالحی لکھنوی، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، آرام باغ، کراچی، بدون تاریخ
- الطبقات الکبریٰ، عبدالوہاب شعرانی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۸ھ=۱۹۹۷ء
- العبر فی خبر من غبر، مؤرخ اسلام حافظ ذہبی، تحقیق: ابوہاجر محمد السعید بن بسیونی زغلول، دار الکتب العلمیۃ بیروت
- عزیز الفتاویٰ، مفتی عزیز الرحمٰن، دار الاشاعت، کراچی، مئی ۲۰۰۱ء
- عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی، دار الفکر، بیروت
- عمل الیوم واللیلۃ، ابن السنی: حافظ ابوبکر احمد بن محمد الدینوری، تحقیق: بشیر محمد عیون، مکتبۃ دار البیان، دمشق ۱۴۰۷ھ=۱۹۸۷ء
- العرف الشذي شرح سنن الترمذي، علامہ محدث محمد انور شاہ کشمیری، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۲۵ھ=۲۰۰۴ء
- غایۃ النہایۃ فی طبقات القراء، ابن الجزری، مکتبۃ الخانجی مصر، ۱۳۵۱ھ=۱۹۳۲ء
- الغنیۃ لطالبي طریق الحق، شیخ عبدالقادر جیلانی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۶ھ=۱۹۹۶ء
- فتاویٰ دار العلوم دیوبند مکمل مدلل، مفتی عزیز الرحمٰن، دار الاشاعت، کراچی، ستمبر ۲۰۰۲ء
- فتاویٰ رضویہ، مولانا احمد رضا خان بریلوی، رضا فاونڈیشن، لاہور، ۱۴۱۶ھ=۱۹۹۵ء
- فتح الباری بشرح صحیح الامام ابی عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری، حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی دار نشر الکتب الاسلامیۃ، لاہور، ۱۴۰۱ھ=۱۹۸۱ء
- فتح القدیر شرح الہدایۃ، ابن ہمام: کمال الدین محمد بن عبدالواحد السیواسی السکندری، دار الفکر، بیروت
- فتح المغیث، حافظ سخاوی: امام شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن، المکتبۃ السلفیۃ، المدینۃ المنورۃ، ۱۳۸۸ھ=۱۹۶۸ء
- فتح الملہم بشرح صحیح الامام مسلم، شیخ شبیر احمد عثمانی، تعلیق: علامہ مفتی محمد رفیع عثمانی، دار الضیاء، کویت ۱۴۲۶ھ=۲۰۰۶ء
- فضائل درود، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا، ادارہ اشاعتِ دینیات، لاہور
- فضائل ذکر، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا، ادارہ اشاعتِ دینیات، لاہور
- فوات الوفیات، محمد بن شاکر بن احمد کتبی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ=۲۰۰۰ء
- فہرس الفہارس، عبدالحی بن عبدالکبیر کتانی، ڈاکٹر احسان عباس، دار الغرب الاسلامی، بیروت، ۱۴۰۲ھ=۱۹۸۲ء
- فیض الباری علی صحیح البخاری، من امالی الفقیہ المحدث محمد انور الکشمیری، دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۶ھ=۲۰۰۵ء

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

- فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، محمد عبدالرؤوف مناوی، دارالفکر بیروت، بدون تاریخ
- الفتاوی الحدیثیة، شیخ الاسلام احمد بن محمد بن علی بن حجر ہیثمی، تقدیم: محمد عبدالرحمٰن المرعشلی
دار إحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ=۱۹۹۸ء
- الفتوحات المکیةفي معرفة الأسرار المالکیة والملکیة، شیخ اکبر محیی الدین محمد بن علی ابن عربی، تحقیق:
محمد عبدالرحمٰن المرعشلی، دار إحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۳۱ھ=۲۰۱۰ء
- الفصل فی الملل والاہواءِ والنحل، امام ابومحمد علی بن حزم اندلسی، ظاہری، مکتبۃ المثنی، صیدا
- الفوائد البہیۃ فی تراجم الحنفیۃ، محمد عبدالحی لکھنوی، تحقیق: احمد الزعبی، دارالارقم بن ابی الارقم، بیروت،
۱۴۱۸ھ=۱۹۹۸ء
- قاعدة جلیلة في التوسل والوسیلة، شیخ الاسلام ابن تیمیۃ، منشورات الکتب الاسلامی، بیروت
۱۳۹۰ھ=۱۹۷۰ء
- قواعد التحدیث من فنون مصطلح الحدیث، محمد جمال الدین القاسمی، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۳۹۹ھ=۱۹۷۹ء
- القصیدة النونیة=الکافیة الشافیة في الإنتصار للفرقة الناجیة، شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر
ابن قیم الجوزیۃ، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۴۲۵ھ=۲۰۰۴ء
- القول البدیع في الصلاة علی الحبیب الشفیع ﷺ، حافظ محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی، تحقیق: محمد عوامۃ
دارالمنہاج، جدۃ، ۱۴۲۸ھ=۲۰۰۷ء
- کبیری[حلبی کبیر]: غنیۃ المتملی شرح منیۃ المصلی، شیخ ابراہیم الحلبی، سہیل اکیڈمی، لاہور، ۱۳۹۹ھ=۱۹۷۹ء
- کتب فضائل پر اِشکالات اور اُن کے جوابات، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا، مکتبہ دینیات، لاہور
- کراماتُ اولیاءِ اللہ عزوجل، لالکائی: ابوالقاسم ہبۃ اللہ بن الحسن بن منصور الطبری الشافعی
دارالکتب العلمیۃ بیروت، ۱۴۲۳ھ=۲۰۰۲ء
- کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون، کاتب چلپی، نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، بدون کراچی
- کفایت المفتی، مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی، دارالاشاعت کراچی، جولائی ۲۰۰۱ء
- کلیاتِ اقبال، فارسی، ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، اسد پبلی کیشنز، لاہور
- الکافیة الشافیة في الإنتصار للفرقة الناجیة المعروف بالقصیدة النونیة، شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن
ابی بکر ابن قیم الجوزیۃ، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۴۲۵ھ=۲۰۰۴ء
- الکامل فی ضعفاء الرجال، امام حافظ ابواحمد عبداللہ بن عدی الجرجانی، تحقیق: شیخ عادل احمد عبدالموجود
دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۸ھ=۱۹۹۷ء
- الکفایة في علم الروایة، خطیب بغدادی، دارالکتب العلمیۃ، بیروت

- الکلم الطیب، حافظ ابن تیمیہ، تحقیق: محمد ناصر الدین البانی، المکتب الاسلامی ۱۳۹۲ھ
- الکواکب السائرۃ باعیان المائۃ العاشرۃ، نجم الدین محمد بن محمد غزی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت ۱۴۱۸ھ=۱۹۹۷ء
- الکوکب الدری، شرح الجامع الترمذی، مولانا محمد انور شاہ کشمیری، دار العلوم دیوبند، انڈیا
- لسان المیزان، شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی، دار الفکر بیروت
- لطائفِ رشیدیہ، ضمن تالیفات رشیدیہ، امام ربانی رشید احمد گنگوہی، ادارۂ اسلامیات، لاہور ۱۴۱۲ھ=۱۹۹۲ء
- ماہ نامہ نغمہ توحید، گجرات
- مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، حافظ نور الدین علی بن ابی بکر ہیثمی، دار الفکر بیروت، ۱۴۰۸ھ=۱۹۸۸ء
- مجموع الفتاویٰ، تقی الدین ابوالعباس احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام بن تیمیۃ الحرانی، تحقیق: مصطفیٰ عبد القادر عطا، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۱ھ=۲۰۰۰ء
- مجموعۃ رسائل ابن عابدین: سید محمد امین افندی، سہیل اکیڈمی، لاہور ۱۳۹۶ھ=۱۹۷۶ء
- مخزنِ اسلام، اخوند درویزہ ننگرہاری، مطبع فاروقی، دہلی، ۱۳۰۰ھ
- مرقاۃ المفاتیح، شرح مشکاۃ المصابیح، علامہ ملا علی قاری، تحقیق: صدقی محمد جمیل العطار، المکتبۃ التجاریۃ، مکۃ المکرمۃ
- مستدرک، امام حاکم: ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ نیسابوری، دار الفکر، بیروت، ۱۳۹۸ھ=۱۹۷۸ء
- مسند ابی یعلی الموصلی: حافظ احمد بن علی بن مثنّٰی تمیمی، تحقیق: حسین سلیم اسد، دار المامون للتراث، دمشق ۱۴۱۰ھ=۱۹۸۹ء
- مسند الامام احمد بن حنبل، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۱۳۹۸ھ=۱۹۷۸ء
- مسند الشامیین، حافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب لخمی طبرانی، تحقیق: حمدی عبد المجید السّلفی مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۰۹ھ=۱۹۸۹ء
- مشکاۃ المصابیح، محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی، تحقیق وتعلیق: سعید محمد اللحام، دار الفکر بیروت ۱۴۱۱ھ=۱۹۹۱ء
- مُصَنَّفُ ابنُ أبِي شَيْبَةَ: امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبۃ، تحقیق وترقیم: محمد عوامۃ، المجلس العلمی جوہانسبرگ ۱۴۲۷ھ=۲۰۰۶ء
- معارف القرآن، مفتی محمد شفیع دیوبندی، ادارۃ المعارف کراچی، ۱۴۲۲ھ=۲۰۰۱ء
- معالم التنزیل: تفسیر البغوی، امام ابوالحسین بن مسعود الفراء البغوی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۴ھ=۱۹۹۳ء
- معالم السنن شرح سنن ابی داود، خطابی: حمد بن محمد بن ابراہیم بن خطاب، تحقیق: عزت عبید الدعاس دار الحدیث، بیروت، ۱۳۸۸ھ=۱۹۶۹ء
- معانی القرآن، ابوزکریا یحییٰ بن زیاد الفراء، تحقیق: احمد یوسف نجاتی، دار الکتب المصریۃ، القاہرۃ ۱۴۲۲ھ=۲۰۰۱ء

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

- معجم الادباء، شہاب الدین ابوعبداللہ یاقوت بن عبداللہ حموی رومی بغدادی، دار احیاء التراث العربی، بیروت
- معجم اوسط، امام طبرانی: حافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب لخمی طبرانی، تحقیق: محمد حسن محمد حسن اسماعیل شافعی دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۰ھ=۱۹۹۹ء
- معجم البلدان، یاقوت بن عبداللہ حموی، دار احیاء التراث العربی، ۱۳۹۹ھ=۱۹۷۹ء
- معجم صغیر، امام طبرانی: حافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب لخمی طبرانی، عباس احمد الباز مکۃ المکرمۃ ۱۴۰۳ھ=۱۹۸۳ء
- معجم کبیر، امام طبرانی: حافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب لخمی طبرانی، تحقیق: حمدی عبد المجید السّلفی دار احیاء التراث العربی، بیروت
- معجم المؤلفین، عمر رضا کحالہ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، بدون تاریخ
- مقالات الکوثری، حافظ علامہ محمد زاہد الکوثری، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۱۳۷۲ھ
- مقامات مظہری، شاہ غلام علی دہلوی، ترجمہ: محمد اقبال مجددی، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۲۰۰۱ء
- مقدمۃ ابن الصلاح، المکتبۃ السلفیۃ، المدینۃ المنورۃ، ۱۳۸۹ھ=۱۹۶۹ء
- ملفوظات اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی، حامد اینڈ کمپنی، اردو بازار، لاہور
- منہاج السنۃ النبویۃ فی نقض کلام الشیعۃ والقدریۃ، شیخ الاسلام ابن تیمیۃ، المکتبۃ السلفیۃ، لاہور
- موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان، حافظ نور الدین علی بن ابی بکر ہیثمی، تحقیق: محمد عبد الرزاق حمزۃ دار الکتب العلمیۃ، بیروت
- مواہب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ بشرح الزرقانی، شہاب الدین احمد بن محمد قسطلانی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت ۱۴۱۷ھ=۱۹۹۶ء
- مواہب الرحمٰن، بحر العلوم علامہ سید امیر علی ملیح آبادی، مکتبہ رشیدیہ، لاہور
- موطأ امام مالک بن انس ﷺ، تحقیق وترقیم: استاذ محمد فؤاد عبد الباقی، دار احیاء الکتب العربیۃ، عیسی البابی الحلبی وشرکاءہ مصر، بدون تاریخ
- میزان الاعتدال فی نقد الرجال، حافظ ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان ذہبی، تحقیق: علی محمد البجاوی دار المعرفۃ بیروت، بدون تاریخ
- المبسوط، امام ابوبکر محمد بن احمد بن ابی سہل شمس الائمۃ السرخسی، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، کراچی
- المجروحین من المحدثین، ابن حبان، تحقیق: حمدی عبد المجید السّلفی، دار الصمیعی، الریاض، ۱۴۲۰ھ=۲۰۰۰ء
- المجموع شرح المہذب، محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۳ھ=۲۰۰۲ء
- المحکم والمحیط الاعظم، ابن سیدۃ: علی بن اسماعیل، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۱۴۲۱ھ=۲۰۰۰ء

–المدخل إلى معرفة الصحيح من السقيم 'ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم النیسابوری' تحقیق: ا–د: ابراہیم ابن علی بن محمد آل کلیب 'مکتبۃ العبیکان' الریاض ' ۱۴۲۳ھ=۲۰۰۲ء

–المطالب العالیۃ بزوائد المسانید الثمانیۃ' حافظ ابن حجر احمد بن علی عسقلانی' تحقیق: استاذ حبیب الرحمٰن الاعظمی عباس احمد الباز' مکۃ المکرمۃ

–المعجم المُختص بالمحدثین 'ذہبی' مکتبۃ الصدیق' الطائف' ۱۴۰۸ھ=۱۹۸۸ء

–المعرفۃ والتاریخ 'فسوی: ابو یوسف یعقوب بن سفیان' حواشی: خلیل المنصور' دار الکتب العلمیۃ' بیروت ۱۴۱۹ھ=۱۹۹۹ء

–المغنی عن حمل الاسفار فی تخریج مافی الاحیاءِ من الاسفار' علامہ زین الدین ابوالفضل عبدالرحیم بن حسین عراقی برہامش إحیاء علوم الدین' دار المعرفۃ' بیروت

–المغنی فی الضعفاء' شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان بن قائماز الذہبی' تحقیق: نور الدین عتر کلیۃ الشریعۃ' جامعۃ دمشق

–المفردات فی غریب القرآن' ابوالقاسم الحسین بن محمد المعروف بالراغب الاصفہانی' تحقیق: محمد سید کیلانی دار المعرفۃ' بیروت

–المُفْهِمُ لماأشكل من تلخيص كتاب مسلم 'امام ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم قرطبی تحقیق: محی الدین مستو' دار ابن کثیر' بیروت' ۱۴۲۰ھ=۱۹۹۹ء

–المقاصد الحسنۃ فی بیان کثیر من الاحادیث المشتہرۃ علی الالسنۃ' شیخ محمد عبدالرحمٰن سخاوی' تحقیق: محمد عثمان الخشت دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۵ھ=۱۹۸۵ء

–المقالات' حضرۃ شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد فرید' شعبہ نشر واشاعت دار العلوم الاسلامیہ' چارسدہ

–المنتظم في تاريخ الأمم والملوك 'ابن جوزی' دار الکتب العلمیۃ بیروت' ۱۴۱۲ھ=۱۹۹۲ء

–المنجد فی الاعلام' لویس معلوف الیسوعی' المطبعۃ الکاثولیکیۃ' بیروت' ایڈیشن: ۱۵' ۱۹۵۶ء

–الموضوعات' ابن الجوزی: ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی' المکتبۃ السلفیۃ' المدینۃ المنورۃ' ۱۳۸۶ھ=۱۹۶۶ء

–الموقِظَةُ في علم مصطلح الحديث 'شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبی' تحقیق: عبدالفتاح ابوغدۃ مکتبۃ المطبوعات الاسلامیۃ' ۱۴۲۰ھ

–نتائج الافکار فی تخریج احادیث الاذکار' حافظ ابن حجر عسقلانی' تحقیق: حمدی عبدالمجید السلفی' دار ابن کثیر ۱۴۲۱ھ=۲۰۰۰ء

–نزهة الخواطر وبهجة المسامع والنواظر 'عبدالحی حسنی' طیب اکادمی ملتان' ۱۴۱۲ھ=۱۹۹۱ء

–نسیم الریاض شرح شفاء قاضی عیاض' علامہ خفاجی' دار الفکر بیروت

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت

-نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب ﷺ، مولانا اشرف علی تھانوی، تاج کمپنی لمیٹڈ، کراچی

-نصب الرایۃ لاحادیث الہدایۃ، علامہ جمال الدین ابو محمد عبداللہ بن یوسف زیلعی، تحقیق: محمد عوامۃ مؤسسۃ الریان، بیروت، ۱۴۱۸ھ=۱۹۹۷ء

-نفح الطِّیب من غُصن الأندلس الرطیب، احمد بن محمد المقری تلمسانی، تحقیق: ڈاکٹر احسان عباس دار صادر بیروت، ۱۴۰۸ھ=۱۹۸۸ء

-نور الایضاح ونجاۃ الارواح، حسن بن عمار بن علی شرنبلالی، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۱۴۲۴ھ=۲۰۰۴ء

-النبراس شرح شرح العقائد، مولانا عبدالعزیز پریہاروی، المکتبۃ الحقانیۃ، پشاور

-النجوم الزاہرۃ فی ملوک مصر والقاہرۃ، جمال الدین ابو المحاسن یوسف بن تغری بردی اتابکی، تقدیم: محمد حسین شمس الدین، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۳ھ=۱۹۹۲ء

-النکت علی کتاب ابن الصلاح، حافظ ابن حجر عسقلانی، تحقیق: الدکتور ربیع بن ہادی عمیر، الجامعۃ الاسلامیۃ المدینۃ المنورۃ، ۱۴۰۴ھ=۱۹۸۴ء

-النور السافر عن اخبار القرن العاشر، عبدالقادر بن شیخ عبداللہ العیدروس، تحقیق: ڈاکٹر احمد حالو، دار صادر، بیروت ۲۰۰۱ء

-النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر، مجد الدین ابو السعادات المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری، مکتبۃ عباس احمد الباز، مکۃ المکرمۃ، ۱۴۱۸ھ=۱۹۹۷ء

-وفیات الاعیان وأنباء ابناءِ الزمان، ابو العباس شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان، تحقیق: الدکتور احسان عباس، منشورات الشریف الرضی، قم، ایران

-ہدی الساری مقدمۃ فتح الباری، ابن حجر عسقلانی، دار نشر الکتب الاسلامیۃ لاہور، ۱۴۰۱ھ=۱۹۸۱ء

-ہدیۃ العارفین: اسماء المؤلفین وآثار المصنفین، اسماعیل باشا بغدادی، مکتبۃ المثنی بغداد، ۱۹۵۱ء

--ہفت روزہ فیملی میگزین، لاہور

--الہدایۃ، مرغینانی، مکتبہ حبیبیہ، کوئٹہ

-الیواقیت والجواہر فی بیان عقائد الاکابر، شیخ عبدالوہاب بن احمد بن علی شعرانی، دار إحیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۱۸ھ=۱۹۹۷ء

اسی قلم سے

۱۔الآثَارُالْمَرْفُوْعَةْ فِی الأخْبَارِالْمَوْضُوْعَةْ [عربی،تحقیق وتعلیق]
۲۔أنبیائے عظام اور صحابہ کرام پر اعتراضات کا علمی جائزہ[اردو]
۳۔بصائرالسنۃ' دوجلد[اردو'تحقیق وتعلیق]
۴۔تبيين العجب بما ورد في فضل رجب[عربی،تحقیق وتعلیق]
۵۔ترجمۃ القرآن الکریم[پشتو]
۶۔تسہیل بلغۃ الحیر ان' دوجلد[اردو]
۷۔توضیحات[اردو]
۸۔خصائل مسلمین ترجمہ مسائل اربعین[اردو'تحقیق وتعلیق]
۹۔اَلْخَیْرُالْکَثِیْرفِی قَبَسَاتٍ مِّنْ کُتُبِ التَّفْسِیْر[عربی]
۱۰۔اَللُّبَاب فِی تَأوِیْلِ اَلْفَاظٍ أُشْکِلَتْ فِی الْکِتَاب[عربی]
۱۱۔زَادُالطَّالِبِیْن مِنْ کَلَامِ رَسُوْلِ رَبِّ الْعَالَمِیْنﷺ [پشتو ترجمہ'تحقیق'تعلیق]
۱۲۔قاموس الکتاب[اردو]
۱۳۔اَلْمَجْمُوْعَةُ فِی الأحَادِیْثِ الضَّعِیْفَةِ وَالْمَوْضُوْعَةِ[اردو]
۱۴۔مسنون اَذکار[اردو]
۱۵۔معرفت علوم حدیث[اردو]
۱۶۔مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ فِی الإحْتِجَاج بِالسُّنَّةِ [عربی،تحقیق وتعلیق]
۱۷۔منتخب علمی مکاتیب[اردو]

MAKTABA TUL ISHAAT- مکتبۃ الاشاعت